پاکستان میں حدود قوانین

ترتیب و تدوین

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

مقالات ومباحث

بسلسلہ کانفرنس

''اسلام کا فوجداری قانون: بنیادی تصورات اور عملی تطبیق''

پاکستان میں حدود قوانین

ترتیب وتدوین

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

نام پاکستان میں حدود قوانین

ترتیب وتدوین شہزاد اقبال شام

نگران کانفرنس حافظ حبیب الرحمٰن

زیر نگرانی ۱۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی

۲۔ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

نگران منشورات ڈاکٹر محمد طاہر منصوری

ناشر شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تعداد اشاعت ایک ہزار

قیمت

مطبع اظہار سنز لاہور

ISBN969-8263-49-7

ملنے کا پتہ:

شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، شاہ فیصل مسجد،

فہرست مضامین

حصہ اوّل

تقاریر

حصہ دوم

تعارف

وطن عزیز میں حدود وقوانین کو متعارف ہوئے ربع صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اگر صرف نفاذ حدود کی بات ہو تو اس میں دو آرا نہیں ہو سکتیں۔ لیکن اگر معاملہ نفاذ حدود کی عملی شکل کا ہو، تو اس پر گفتگو کی گنجائش ہر وقت موجود رہتی ہے۔

ربع صدی پر پھیلا ہوا عرصہ کسی قانون کی جانچ پرکھ کے لئے کچھ کم نہیں ہوتا۔ لیکن گزشتہ کچھ سالوں سے حدود وقوانین پر نقد و جرح کا اہتمام خصوصاً بڑھ گیا ہے۔ یہ تنقید بڑی حد تک قانونی سے زیادہ سیاسی انداز میں ہے اور اس کے عوامل بھی بڑی حد تک سیاسی ہیں۔ لہٰذا ان قوانین اور ان پر کی جانے والی تنقید کے سیاسی پہلو سے قطع نظر شریعہ اکیڈمی نے جولائی ۲۰۰۵ء میں ان کے عملی پہلوؤں پر ملکی سطح کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں وطن عزیز کے اہل علم کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے حاصل مطالعہ کو مقالات کی شکل میں پیش کریں۔ یہ کوشش حوصلہ افزا حد تک کامیاب ہوئی۔ مقالہ نگاروں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مقالے تیار کر کے پیش کئے۔

کانفرنس کی مختلف نشستوں کی صدارت اور خصوصی خطاب کے لئے جن اصحاب کو زحمت دی گئی وہ بھی چوٹی کے ان افراد میں سے تھے جو حدود وقوانین کے نفاذ سے اب تک کسی نہ کسی شکل میں ان سے متعلق رہے تھے۔

دو دنوں پر محیط اس کانفرنس کی چار نشستیں ہوئیں۔ ان میں سے پہلی اور آخری نشستیں عوام کے لیے عام تھیں۔ ان نشستوں میں ہونے والی تقاریر کی ترتیب یہ رہی:

۱۔ پہلا دن: افتتاحی نشست

- تعارفی کلمات : ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

- افتتاحی خطاب : ڈاکٹر محمود احمد غازی
- صدارتی خطبہ : جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن خان

۲۔ دوسرا دن: اختتامی نشست

- افتتاحی خطاب : سینیٹر پروفیسر خورشید احمد
- خطاب : جسٹس (ر) شیخ امجد علی
- اختتامی خطاب : جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن خان

شریعہ اکیڈمی نے فیصلہ کیا کہ افادہ عام کی خاطر ان مقالوں کو شائع کر دیا جائے۔ قارئین ان مقالوں اور تقاریر سے اندازہ کر سکیں گے کہ حدود قوانین کے ما له اور ما علیه کیا کیا ہیں، ان میں بہتری کی گنجائش کہاں ہے اور کن امور پر سیاسی انداز پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ خیر خواہانہ انداز میں اس کوشش کا ناقدانہ جائزہ لیں اور یہ رہنمائی کریں کہ اس طرح کی آئندہ کسی کوشش میں کیا بہتری لائی جا سکتی ہے۔

شہزاد اقبال شام

مقدمہ

اسلام نے اپنے اصول حکمرانی میں عدل وانصاف کو بے پناہ اہمیت دی ہے۔ یہ ایسا الٰہی نظام حیات ہے جس کا مزاج انسانوں کے خود ساختہ رائج الوقت قوانین سے اس لحاظ سے بھی مختلف ہے کہ یہ تمام انسانی قوانین سے ممتاز اور ہر دور، ہر زمانے کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اہل پاکستان کی مسلسل یہ خواہش اور کوشش رہی ہے کہ اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں آئے۔ مزید یہ کہ پاکستان کے تمام قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا دستوری تقاضا بھی ہے۔

ہمارے ملک میں ۱۹۷۹ء میں حدود قوانین کا نفاذ آرڈیننس کے اجرا کی صورت میں عمل میں آیا۔ یہ آرڈیننس گزشتہ پچیس سال سے مختلف زاویوں سے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں اور ان پر مختلف انداز سے تحفظات کا اظہار بھی کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن گزشتہ چند ماہ سے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر موافقت اور مخالفت کرنے والے حلقوں نے ایک جذباتی ماحول پیدا کر دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان قوانین کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیا جائے اور ان کے نفاذ میں حائل عملی مشکلات کا حل تجویز کیا جائے۔ شریعہ اکیڈمی نے اسی ضرورت کے پیش نظر اسلام کے فوجداری قانون پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جس کے بنیادی اغراض ومقاصد یہ تھے۔

۱۔ معاشرے کے سلیم الفکر اور رائے عامہ اور قانون سازی کے عمل پر اثر انداز ہونے والے افراد کے ساتھ اسلام کے فوجداری قانون کے ماہرین سے ایک بھرپور مکالمہ کا اہتمام۔

۲۔ حدود قوانین اور تعزیرات پاکستان کی قصاص و دیت سے متعلقہ دفعات کا اسلامی فوجداری قانون سے موازنے کا اہتمام۔

۳۔ حدود قوانین اور تعزیرات پاکستان کی قصاص و دیت سے متعلقہ دفعات کے توجہ طلب

پہلوؤں کی نشان دہی۔

اس کانفرنس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ حدود قوانین اور ان کے تحت عدالتی فیصلوں اور طریق کار کا عملی انداز میں مطالعہ کیا جائے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کیا جائے۔

یہ تمام آرڈیننس انسانی کاوش ہیں۔ اس لئے اس لحاظ سے ان کا ناقدانہ جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح سے کہیں انحراف تو نہیں ہوا ہے، یا یہ قوانین قرآن وسنت کی اصل روح سے تو کہیں ہٹے ہوئے تو نہیں ہیں۔ یہ کام اہل علم کا ہے، اس لئے ہم نے اپنی کانفرنس میں علماء کرام، وکلاء، معروف اسکالر اور قانون سے وابستہ افراد کو تحقیقی مقالے کی دعوت دی۔ الحمد اللہ ہمیں توقع سے زیادہ مقالے موصول ہوئے اور اہل علم نے غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ مقالہ جات کے موضوعات میں عدالتی فیصلوں اور اعداد وشمار کو سامنے رکھتے ہوئے آرڈیننس کا جائزہ لینے کی درخواست کی گئی تھی اور یہ کام اچھا خاصا دشوار اور فنی نوعیت کا تھا لیکن اس کے باوجود بعض مقالہ نگاران نے بہت اچھے اور عملی انداز میں کام کیا ہے۔ شریعہ اکیڈمی اب ان مقالہ جات کو شائع کر رہی ہے۔ ان مقالہ جات کو ہمارے رفیق کار جناب شہزاد اقبال شام نے قابل اشاعت بنایا ہے اور نہایت عرق ریزی سے ادارت اور مواد کو ترتیب دینے کی ذمہ داری سرانجام دی ہے۔ میں اس کانفرنس کے تمام مقالہ نگاران، مقررین اور بالخصوص اپنے رفیق کار جناب حافظ حبیب الرحمٰن صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے نہایت محنت سے اس کانفرنس کے انعقاد اور مقالہ جات کو کتابی شکل دینے میں خصوصی محنت کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ میں پیش رفت کا ذریعہ بنائے۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

حصہ اوّل

تقاریر

دوروزہ قومی کانفرنس

اسلام کا فوجداری قانون: بنیادی تصور اور عملی تطبیق

- ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
- ڈاکٹر محمود احمد غازی
- جسٹس (ریٹائرڈ) خلیل الرحمٰن خان
- سینیٹر پروفیسر خورشید احمد
- جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ امجد علی
- جسٹس (ریٹائرڈ) خلیل الرحمٰن خان

تعارفی کلمات

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی*

محترم جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن خان صاحب، ریکٹر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،
محترم پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب، صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،
محترم مندوبین، معزز مہمانان گرامی، اہل علم اور عزیز طلبہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے تو میں آپ سب حضرات کو اسلام کے فوجداری قانون کے موضوع پر سیمینار میں آمد پر تہہ دل سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ہمارا جو بھرپور سیشن ہوگا اُس میں ہم آپ کے علم اور خیالات سے پوری طرح استفادہ کر سکیں گے۔

اسلام کے فوجداری قانون پر اس سیمینار کے منعقد کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آج سے تقریباً پچیس سال قبل وطن عزیز میں حدود وقوانین کا جو آرڈیننس نافذ ہوا تھا، ان حدود وقوانین کا جو متن ہے اس کے مطابق عدالتوں میں جو فیصلے ہوتے رہے ہیں، عدالتوں کا جو نظام چلتا رہا ہے اور فیصلوں کے سلسلہ میں جو طریقہ کار اپنایا گیا اور شہادتوں کا جو طریقہ کار رہا، ان سب کا علمی انداز میں مطالعہ کیا جائے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کیا جائے۔ اس کانفرنس کے ذریعے ہم

* ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اس چیز کا بھی جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ ہم اس قانون اور قاعدے اور ضابطے اور تمام پروسیجر کو، اگر اس میں مزید بہتری کی گنجائش ہے تو اس کو اہل علم کس نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وہ کیا تجاویز لے کر آئے ہیں تو وہ تجاویز ہمارے سامنے آئیں گی اور ان پر بھی بہر حال غور کیا جائے گا۔

اصل اور بنیادی چیز یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت قطعی اور یقینی چیز ہے۔ اسی کا اصل میں مطالعہ ہوتا ہے اور اس مطالعہ ہی کی روشنی میں ہر چیز کو دیکھا جاتا ہے ۔یعنی اصل کرائٹیریا اللہ کی کتاب اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ اس کی روشنی میں ہم انسانی فکر کا بھی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے قاعدے اور ضابطوں کا جائزہ بھی لے سکتے ہیں۔ اس کی روشنی میں اگر اصلاح اور بہتری کی گنجائش ہو تو اصلاح بھی تجویز کی جا سکتی ہے اور اس کے اندر بہتری بھی لائی جا سکتی ہے۔

انسانی فکر کے اندر اصلاح کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے۔ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہم جب کسی چیز کا مطالعہ کرتے ہیں تو جو افکار و خیالات علمی بنیادوں پر سامنے آتی ہیں، ہم اپنے مطالعہ کے اندر ان افکار اور خیالات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ پچیس سال کے اندر کچھ لوگوں نے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ تحفظات کا یہ اظہار یا کچھ چیزیں ایسی رہی ہیں کہ حکومتوں کو کمیشن بھی بنانے پڑے۔ مختلف کمیشن بنائے گئے۔ کمیشنز نے رپورٹس دیں۔ وہ رپورٹ بھی ایک انسانی کوشش ہے۔ ایک انسانی جدوجہد ہے۔ اس کا بھی ایک ناقدانہ اور علمی جائزہ لیا جا سکتا ہے اور یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ یہاں کہاں ان کی فکر قرآن وسنت سے ہم آہنگ رہی اور کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ قرآن وسنت کی کسی تشریح اور تعبیر میں انحراف ہو گیا ہو۔ یا قرآن وسنت کی اصل اسپرٹ اور روح سے کہیں ہٹ تو نہیں گئے ہیں۔ اس کا امکان تو ہوتا ہے کہ ایک انسان سے خطا اور غلطی ہو جائے اور خطا اور غلطی جب ہوتی ہے تو اس کا مسلمانوں کے پاس ہمیشہ وہ رہتا ہے کہ وہ اس خطا اور غلطی سے بچ کر پھر قرآن اور سنت کی طرف رجوع کرتے رہیں۔

اجتہاد کا اصل مفہوم ہی یہ ہے کہ اجتہاد کے اندر پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم شریعت کے منشا کو جاننے کی کوشش کریں کہ زیر غور اور زیر بحث مسئلہ کے اندر شریعت کا اصل منشاء کیا ہے۔ دین

کا تقاضا کیا ہے۔ دین کے تقاضے کو نمایاں کرنا اہل فکر اور اہل علم کا کام ہے۔ قرآن پاک کی جو آیات اور جو نصوص ہیں، یقینی بات ہے کہ جو نصوص اپنے مفہوم اور معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں ان کو تو (As it is) بلا چون و چرا قبول کرنا ہوگا لیکن یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کہاں کوئی گنجائش موجود ہے، کہاں کوئی بات اشارتاً ہو رہی ہے، کہاں التزام کوئی بات ثابت ہو رہی ہے، کونسی چیز دلالتاً یا اشارتاً ثابت ہوتی ہیں ان کا بھی مقام متعین کر دیا گیا ہے کہ ان کا مقام کیا ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جو قرآن حکیم سے دلالتاً ثابت ہو رہی ہیں تو فقہا کے نزدیک ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر ایک سے زیادہ مفاہیم اس کے اندر داخل ہو سکتے ہوں اور ایک سے زیادہ تعبیر اور تشریح کی جا سکتی ہو فقہاء نے کی ہے، تو دلائل کی روشنی میں ان تشریحات اور تعبیرات کا بھی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

ہمارے پاس بہت سے لوگوں کا تحقیقی کام مقالہ جات کی صورت میں آیا ہے۔ ان کے اندر بعض بہت اچھے اور علمی مقالے ہیں۔ یقیناً ان کی روشنی میں بہت سی چیزیں سامنے آئیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے علمائے کرام کو بھی دعوت دی، وکلا کو بھی دعوت دی اور ان حضرات کو بھی دعوت دی جن کا تعلق نظام عدل کے قیام اور اس کے نفاذ سے ہے، تا کہ وہ آئیں اور ان چیزوں پر غور و فکر کریں اور اس غور و فکر کے نتیجے میں جو کچھ بھی سامنے آئے گا ہم علمی بنیاد پر ان کو مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اس طرح یہ ایک خالص علمی چیز ان لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوگی، یا وہ حضرات جن کے ذمہ قانون کی تنفیذ اور تطبیق کا کام ہے۔

اسلامی قانون کے مطالعہ میں ہم بہت سی چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ کسی بھی قانون کو اس کے اصل فلسفہ اور روح کے مطابق ہی دیکھنا پڑتا ہے۔ کسی بھی قانون کو اس کے اپنے روح اور فلسفہ سے الگ کر کے دیکھنا غلط ہوگا۔ اسلامی قانون اور خاص طور پر اسلامی حدود بھی پورے اسلامی نظام زندگی اور دین کا حصہ ہے۔ اس کو دین کے پورے فریم ورک کے اندر رکھ کر ہی دیکھنا ہوگا۔ اس فریم ورک سے نکال کر اور الگ کر کے اگر اس کو دیکھا جائے گا تو شاید ہی اس کے نتائج درست طور پر برآمد ہوں۔

اسلام کے فوجداری قانون کے موضوع پر اس قومی کانفرنس میں بے شمار لوگ موجود ہیں۔ آپ حضرات کا تعلق دینی مدارس سے بھی ہے، عدلیہ سے بھی ہے اور قانون سے بھی ہے اور آپ کی کاوشیں ہم تک پہنچی ہیں۔ یہاں پر موجود اہل علم حضرات اپنے خیالات کا مزید اظہار بھی کریں گے، ان کے خیالات پر باقاعدہ گفتگو بھی ہوگی، سوالات و جوابات کا سلسلہ بھی ہوگا اور اس کی روشنی میں کوئی چیز ابھر کر سامنے آسکے گی وہ ملت اسلامیہ اور بالخصوص ملک پاکستان کے لئے مفید ثابت ہوں گی اور اس کے فوائد ان شاء اللہ ملت اسلامیہ اور خاص طور پر پاکستان کے لوگوں کو پہنچیں گے۔

میں اپنی اس گفتگو کو زیادہ طویل نہیں کرنا چاہتا۔ آج کا جو خصوصی مقالہ ہے وہ ہمارے محترم ومکرم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا ہے۔ ان کے خطاب کی حیثیت ایک کلیدی خطبہ کی ہوگی جس میں وہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔

آخر میں آپ سب لوگوں کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ آپ اس کانفرنس میں تشریف لائے۔ ان شاء اللہ اس کانفرنس میں آپ کا فکری اور علمی کام شامل رہے گا اور اس سے ہم سب لوگ مستفید ہو سکیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

افتتاحی خطاب

ڈاکٹر محمود احمد غازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

محترم جناب جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن خان صاحب ریکٹر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

محترم جناب ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی

برادران محترم، علمائے کرام اور مہمانان گرامی!

سب سے پہلے میں آپ سب حضرات کو یہاں خوش آمدید کہتا ہوں اور یہ امید رکھتا ہوں کہ آپ کی تشریف آوری اور اس کانفرنس میں شرکت ملک وملت کے لئے بالعموم اور وطن عزیز میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے بالخصوص ایک اہم ملاقات اور ایک تاریخی نشست ثابت ہوگی۔

برادران محترم!

جیسا کہ ابھی آپ نے سماعت فرمایا، یہ مشاورت اسلام کے فوجداری قوانین کے بارہ میں جیسا کہ وہ پاکستان میں نافذ ہیں کی جارہی ہے۔ اس مشاورت کا مقصد ایک اعتبار سے تعلیمی ہے کہ ہم سب مل کر اسلام کے احکام فوجداری اور فقہ اسلامی کے اس اہم میدان کے بارہ میں اپنے علم کو بہتر بنائیں اور اپنی معلومات کو تازہ کریں۔ دوسرے اعتبار سے اس اجتماع کا مقصد ایک رائج الوقت قانون

صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

، جو اس وقت کتاب قانون (Statute Book) پر موجود ہے، اس کی فہم، تفہیم اور اس کے مالہ وماعلیہ پر غور کرنا ہے۔

اس وقت دنیائے اسلام میں ایسے متعدد ممالک ہیں جن میں اسلام کا فوجداری قانون یا تو عملاً نافذ ہے یا کم از کم نظری طور پر وہاں کے قوانین کا حصہ ہے۔ پاکستان کے علاوہ ایران، برادر ملک سوڈان، جہاں کے چار ذمہ دار ارکان عدلیہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور سعودی عرب میں قوانین حدود نافذ العمل ہیں۔

یہ چار ممالک تو وہ ہیں جن میں یہ احکام اسلام کے دائرہ قانون کے مطابق نافذ ہیں۔ جزوی طور پر اسلام کے فوجداری احکام برونائی، ملیشیاء، مصر اور کئی دیگر ممالک میں بھی رائج ہیں۔ بیسویں صدی کے وسط میں دنیائے اسلام کے مختلف ممالک نے نفاذ اسلام کی کوششیں، مکمل یا نامکمل شروع کردی تھیں۔ پاکستان میں ۱۹۷۸۔۱۹۷۹ میں، لیبیا میں ۱۹۷۰میں، سوڈان میں ۸۴۔۱۹۸۳ء میں، اسی طرح سے متعدد ممالک میں یہ کاوش شروع کی گئی کہ وہاں اسلامی قوانین کا نفاذ کیا جائے۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ اتفاق بھی ہوسکتا ہے اور اس دور کے اہل علم کے فکر کی یکسانیت کا غماز بھی ہوسکتا ہے کہ ان تمام ممالک میں نفاذ شریعت کی تمام مہمات کا آغاز اسلام کے فوجداری قوانین کے نفاذ سے کیا گیا۔

یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو جب لیبیا میں کرنل معمر قذافی برسر اقتدار آئے تو انہوں نے لیبیا میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا۔ اس کام میں معاونت اور مشاورت کے لئے انہوں نے دنیائے اسلام سے جید ترین اہل علم کو دعوت دی۔ ان حضرات میں مشرق وسطیٰ کے صف اول کے علمائے کرام شامل تھے۔ استاذ مصطفیٰ زرقا، استاذ ابوزہرہ، شیخ علی علی منصور اور اسی سطح کے صف اول کے اہل علم کو انہوں نے دعوت دی۔ ان اہل علم نے کئی سال تک ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء غالباً چار سال تک اس کام میں حصہ لیا۔ دنیائے اسلام کے ان مایہ ناز فقہاء نے کرنل قذافی کو جو مشورہ سب سے پہلے دیا وہ اسلام کے حدود اور فوجداری قوانین کے نفاذ کا تھا۔ چنانچہ ان حضرات نے فوجداری قانون کے مسودے تیار کیئے۔ قانون سرقہ، قانون زنا، قانون خمر وغیرہ۔ غالباً ۱۹۷۳ء یا ۱۹۷۴ء کے سال میں کرنل قذافی کو

یہ مسودہ پیش کیا گیا۔ بعد میں مختلف اسباب کی بناء پر جن میں سے بعض میرے علم میں بھی ہیں، یہ قوانین نافذ نہیں ہو سکے۔ البتہ ان قوانین کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر کے شائع کر دیا گیا۔ یہ کتاب مطبوعہ موجود ہے۔ اس میں متعدد قوانین کے مسودات شامل کیے گئے ہیں۔ بعض قوانین کے متعدد ویریئیشنز (Variations) بھی تیار کئے گئے تھے جو انہی مسودات کے ساتھ جاری کیے گئے۔

ان قوانین کے عدم نفاذ میں غالباً سب سے بڑی رکاوٹ وہ دو احکام تھے، جو ان قوانین میں شامل تھے۔ ایک قانون وہ تھا، جس کو قانون ارتداد کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس میں فقہائے کرام کے عام نقطہ نظر کے مطابق یہ بتایا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لے اور وہ لیبیا کا شہری ہو، یا کوئی مسلمان جو لیبیا کی حدود میں موجود ہو، وہ اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کو سزائے موت دی جائے گی۔

کرنل قذافی کو اس حکم سے، یا کم از کم اس وقت اس کے نفاذ سے اتفاق نہیں تھا۔ انہوں نے اس حکم کے نفاذ میں تامل کا اظہار کیا۔ ان کی جانب سے اس تامل کے اظہار کے بعد علمائے کرام نے دو تین موقف اختیار کیے۔ ایک موقف برادر ملک شام کے صف اول کے مفکر اور فقیہ ڈاکٹر معروف دوالیبی کا تھا جنہوں نے ایک نیا مسودہ تیار کیا جو چھپا نہیں ہے لیکن میں نے دیکھا ہے۔ ڈاکٹر دوالیبی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا۔ ممکن ہے اس کی ایک کاپی بھی میرے پاس موجود ہو۔ انہوں نے جس قانون کا مسودہ تیار کیا تھا اس کا عنوان تھا: 'قانون حماية حرية العقيدة' (Law for the Protection of Religious Freedom)۔ اس کتاب میں ڈاکٹر دوالیبی نے اپنی ذہانت اور اپنے علم و فضل سے اور اپنی فنی مہارت سے حدود کی سزاؤں میں سے ارتداد کی سزا کو اس انداز سے پیش کیا کہ بظاہر اس کا عنوان لگتا تھا 'قانون حرية العقيدة'، لیکن جو مفہوم اس سے نکلتا تھا، وہ دراصل اس کا مفہوم نہیں تھا۔ کرنل قذافی اس سے بھی مطمئن نہیں ہوئے۔

ان قوانین کے نفاذ میں غالباً دوسری بڑی رکاوٹ ان میں شامل بعض ایسی دفعات (Provisions) تھیں جن میں بعض پاکستان میں بھی زیر بحث رہی ہیں۔ کرنل قذافی نے ان پر تامل کا اظہار کیا اور ان کے اس تامل کی وجہ سے بعض دیگر حضرات نے بھی ان کے اختلاف کا اظہار کیا۔ بالآخر

ان قوانین کا نفاذ ملتوی کر دیا گیا۔ کرنل معمر قذافی نے نہ صرف ان قوانین کے نفاذ کا ارادہ ملتوی کر دیا بلکہ ان کے دل میں نفاذ شریعت کا جو جذبہ تھا وہ یا تو سرے سے ختم ہو گیا، اگر بالکل ختم نہیں ہوا تو ٹھنڈا ضرور پڑ گیا۔

اسی طرح ۸۴۔۱۹۸۳ میں جب ایک طویل عرصہ تک سوڈان میں حکومت کرنے کے بعد جنرل جعفر نمیری کے خیالات میں تبدیلی آئی، یا انہوں نے کسی وجہ سے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ اسلامی قوانین نافذ کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے بھی دنیائے اسلام کے بعض جید علمائے کرام کو دعوت دی۔ ان میں خود سوڈان کے صف اول کے اہل علم یعنی ڈاکٹر حسن ترابی اور شیخ الصدیق الضریر کے علاوہ دنیائے اسلام کے کئی جید اہل علم شامل تھے، ان کو دعوت دی۔

یہاں بھی یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ان اہل علم نے بھی نفاذ اسلام کا جس قانون سے آغاز کرنے کا مشورہ دیا وہ حدود کے قوانین تھے۔ چنانچہ وہاں حدود کے قوانین مرتب ہوئے اور بہت زور وشور سے ان پر عمل درآمد شروع ہوا۔ یہ غالباً اکتوبر ۱۹۸۴ء کی بات ہے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی اور نفاذ شریعت کی ایک سالہ سالگرہ منائی۔ یہ قوانین غالباً ستمبر ۱۹۸۳ء میں نافذ ہوئے تھے۔ سالگرہ کی تقریبات میں شرکت کے لیے پاکستان سے بھی بہت سے اہل علم مدعو کئے گئے۔ انہوں نے ان قوانین کے نفاذ کی جو تفصیلات بتائیں اس کی رو سے اس ایک سال کے عرصے میں، اگر مجھے صحیح یاد ہے، ۲۴ سزائیں قتل کی جاری کی جا چکی تھیں۔ کم وبیش سو سے زائد سزائیں شرب خمر کی جاری ہو چکی تھیں۔ اسی کے لگ بھگ دو تین درجن کے قریب بقیہ سزائیں، مثلاً قطع ید وغیرہ کی بھی نافذ ہو چکی تھیں۔ ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ سوڈان میں قوانین کے نفاذ میں بڑی پیش رفت ہو رہی ہے اور پاکستان میں صورت حال بہت مایوس کن ہے۔

پاکستان میں بھی وقتاً فوقتاً جب بھی اسلامی قوانین کے نفاذ کی بات ہوئی، تو ابتداء میں حدود اور سزاؤں ہی کی باتیں شروع ہوئیں۔ آپ میں سے بہت سے حضرات کو یاد ہوگا جب فیلڈ مارشل ایوب خان نے ۱۹۶۲ء کا دستور جاری کیا تو اس میں پہلی ترمیم کے بعد یہ بات شامل کی گئی تھی کہ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ ہوگا اور تمام قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے گا۔ دستور کی اصلی صورت

میں یہ بات نہیں تھی۔ پہلی ترمیم کے نتیجے میں یہ بات شامل کی گئی۔ جب اس میں یہ لکھا گیا کہ اسلامی قوانین نافذ کئے جائیں گے تو مشرقی پاکستان کے بعض ارکان نے، جن میں مولوی فرید احمد اور ایک دو اور حضرات شامل تھے، انہوں نے متحدہ پاکستان کی مرکزی اسمبلی میں، جو یک ایوانی ہوتی تھی، ایک مسودہ پیش کیا، جس میں حدود قوانین کے نفاذ ہی کا مطالبہ پارلیمنٹ سے کیا گیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ مولوی فرید احمد اور ان ارکان کو مشورہ دینے والے علمائے کرام کون تھے، یا انہوں نے از خود ڈرافٹنگ کی تھی لیکن یہ بات مجھے خوب یاد ہے کہ انہوں نے یہ مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کیا ہوا تھا اور اس بارہ میں اخبارات میں بڑی بڑی شہ سرخیاں چھپیں اور کئی ہفتے اور مہینے اس پر گفتگو جاری رہی۔

پھر ایک طویل عرصہ کے بعد جب ۱۹۷۷ء۔۱۹۷۸ء میں جنرل ضیاء الحق صاحب مرحوم نے یہ اعلان کیا کہ وہ پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ کرنا چاہتے ہیں۔ تو انہوں نے اس کام کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو کی اور اس پر اسلامی نظریاتی کونسل نے مشاورت کی۔ ان میں سے بعض مشاورتی اجلاسوں میں مجھے بھی شرکت کرنے کا موقع ملا۔ اس مشاورت کے نتیجے میں یہ طے کیا گیا کہ پاکستان میں جو بھی اسلامی قوانین نافذ ہوں، وہ پوری دنیائے اسلام میں پائے جانے والی آراء کو سامنے رکھ کر بنائے جائیں اور ان پر اتفاق رائے پیدا کر کے ان قوانین کی تدوین کی جائے۔ چنانچہ سعودی عرب سے ڈاکٹر معروف دوالیبی تشریف لائے۔ وہ کم وبیش چار پانچ مہینے تک یہاں مقیم رہے اور مجھے ان کی معاونت کرنے کا موقع ملا۔ یوں مجھے روزانہ ہی ان کے ساتھ تبادلہ خیال کا موقع ملتا رہتا تھا۔ استاذ مصطفیٰ زرقا مرحوم تشریف لائے۔ اسی طرح سے کئی دوسرے اہل علم تشریف لائے لیکن مصطفیٰ زرقا کئی بار تشریف لائے اور ڈاکٹر دوالیبی طویل عرصہ رہے، اس لئے ان دونوں حضرات کا Contribution اس کام میں بہت نمایاں ہے۔ ڈاکٹر دوالیبی، ڈاکٹر زرقا اور پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل کے اس وقت کے ارکان، ان سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اس مبارک عمل کا آغاز قوانین فوجداری سے کیا جائے اور حکومت کو حدود قوانین کے نفاذ کا مشورہ دیا جائے۔

یہ تینوں مثالیں میں نے تفصیل کے ساتھ اس لئے عرض کیں کہ یہ تینوں ایسے مسلم ممالک کی مثالیں ہیں جہاں حکمرانوں نے اسلامی قوانین کے نفاذ کا ارادہ ظاہر کیا اور ان تینوں ممالک میں اہل

علم، علمائے کرام اور فقہا نے جس چیز سے آغاز کرنے کا مشورہ دیا وہ حدود کے قوانین ہیں۔ سب سے پہلی مثال لیبیا کی، پھر پاکستان اور سوڈان کی۔

ان تینوں ممالک کا تجربہ ایک دوسرے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ لیبیا میں تو پہلے ہی مرحلہ میں قوانین کی تیاری کے بعد نفاذ کی نوبت ہی نہیں آئی اور حکمران کا ذہن بدل گیا یا اس نے ارادہ تبدیل کر دیا، اللہ بہتر جانتا ہے۔ سوڈان میں چند مہینے بہت ہما ہمی رہی، اس کے بعد حکومت بدل گئی، جعفر نمیری اقتدار سے ہٹ گئے اور پھر نئی حکومت جو تھوڑے عرصہ تک رہی، اس نے ان قوانین کو معطل کر دیا اور یہ طویل عرصہ معطل رہے۔

پاکستان میں جب ان قوانین کے نفاذ کی بات شروع ہوئی تو اس وقت دو نقطہ نظر سامنے آئے۔ ایک نقطہ نظر جو بہت ذمہ دار حضرات کا تھا۔ اس نقطہ نظر کو پیش کرنے میں سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس مرحوم سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ ہمارے علمائے کرام میں مولانا تقی عثمانی اور مفتی سیاح الدین مرحوم اس کے بڑے حامی تھے۔ جج صاحبان میں جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب بھی اس نقطہ نظر کے حامی تھے۔ ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ ان قوانین کے نفاذ کے لئے کسی تدوین یا ضابطہ بندی کی ضرورت نہیں۔ صدر پاکستان صرف اتنا آرڈر جاری کریں کہ The rule of decision in all cases involving capital punishment shall be the Shari'ah۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب اور جسٹس کیکاؤس صاحب نے تقریباً اسی طرح کے الفاظ ڈرافٹ کئے تھے۔ لیکن اہل علم کی ایک غالب اکثریت جن میں اسلامی نظریاتی کونسل کے جسٹس محمد افضل چیمہ، جسٹس صلاح الدین مرحوم اور جناب خالد اسحاق مرحوم کے علاوہ شریعت کورٹ کے جناب جسٹس آفتاب حسین، جسٹس پیر کرم شاہ صاحب مرحوم، اے کے بروہی صاحب مرحوم اور بہت سے دوسرے حضرات شامل تھے، ایک دوسرے نقطہ نظر کے علم بردار تھے۔ ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ ان قوانین کو باقاعدہ مدون (codify) کیا جائے اور یہ ساری تفصیلات کتاب قانون (Statute Book) پر لائی جائیں اور اس کو محض جج صاحبان کی صوابدید یا دکلا کے فہم اور مطالعہ پر نہ چھوڑا جائے۔

اس پر بڑی لمبی گفتگوئیں اور بحثیں ہوئیں جو کم وبیش سال کے لگ بھگ جاری رہیں۔ لیکن

بالآخر اتفاق رائے سے یہ طے ہوگیا کہ ان قوانین کو مدون (codify) کیا جائے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ تدوین (codification) کا یہ کام کون کرے گا؟ ایک تجویز یہ سامنے آئی کہ اسلامی نظریاتی کونسل اس کام کو کرے۔ ماہرین کے گروپ بنائے جائیں اور مختلف موضوعات کے لئے بنائے جانے والے ورکنگ گروپ ڈرافٹس تیار کریں اور یہ کام کر کے دے دیں۔

اے کے بروہی صاحب کے ذہن میں ایک عجیب (novel) سا آئیڈیا تھا۔ اس کا اظہار انہوں نے کثرت سے کیا۔ اخبارات میں اس کا تذکرہ آیا، آپ کے علم میں ہوگا۔ وہ کہتے تھے کہ حکومت ایک شریعت کمیشن قائم کرے۔ ان کے ذہن میں شریعت کمیشن کی کیا تصویر تھی۔ انہوں نے اس پر کچھ لکھا تو نہیں اور لکھا ہو تو میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن شریعت کمیشن کا ان کے ذہن میں تصور یہ تھا کہ صدر پاکستان ایسا کمیشن قائم کریں جس کو سپریم کورٹ کا وہ اختیار بھی حاصل ہو جس میں وہ کسی قانون کو شریعت کے خلاف قرار دے سکتی ہے، یہ اختیار بھی حاصل ہو اور پارلیمنٹ کا اختیار قانون سازی بھی حاصل ہو اور حکومت پاکستان یعنی مارشل لا اتھارٹیز کی جانب سے وہ اس ایکسرسائز کو اختیار کرے اور حدود قوانین کے ساتھ ساتھ دیگر اسلامی قوانین کو ایک ایک کر کے نافذ کرے۔

بقیہ حضرات کو اس سے اختلاف تھا اور اس پر لمبی گفتگوئیں ہوئیں، بعض میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔ ایسی ہی ایک طویل گفتگو میں جنرل ضیاء الحق مرحوم کے رفقاء اور چاروں ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس صاحبان اور جسٹس انوار الحق مرحوم نے بھی حصہ لیا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ اس کام کو اسلامی نظریاتی کونسل ہی کے سپرد کیا جائے اور اس کے لئے کسی الگ کمیشن یا عدالت کو یہ اختیار دینے کی ضرورت نہیں۔ ایک مرحلہ پر یہ سوال بھی آیا کہ یہ اختیار کلی طور پر عدالت عظمیٰ کو دے دیا جائے۔ لیکن جسٹس انوار الحق نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ اس وقت پاکستان کے چیف جسٹس تھے۔ مجھے یاد ہے کہ سپریم کورٹ کی پرانی عمارت میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں اے کے بروہی صاحب، ڈاکٹر دوالیبی، جسٹس افضل چیمہ صاحب اور ڈاکٹر مصطفیٰ زرقا بھی شریک تھے۔ جسٹس انوار الحق اور جسٹس صلاح الدین صاحب مرحوم بھی اس وقت شریعت کورٹ کے نئے نئے چیئرمین مقرر ہوئے تھے۔ یہ حضرات اس مشورے میں شریک تھے اور بطور مترجم کے مجھے بھی ڈاکٹر دوالیبی کے

ساتھ جانے کا موقع ملا۔ اور یوں میں اس ساری گفتگو میں اکثر بالواسطہ اور کبھی کبھی بلاواسطہ شریک رہا۔

بالآخر یہ طے ہوا کہ یہ اختیار نہ تو سپریم کورٹ کو ملنا چاہئے اور نہ شریعت کمیشن کو، بلکہ یہ اختیار اسلامی نظریاتی کونسل کو دیا جائے کہ وہ ان قوانین کو ڈرافٹ کرے۔ اس میں کم وبیش سال لگ گیا۔ پھر جب یہ طے ہوا کہ اسلامی نظریاتی کونسل اس ڈرافٹ کو تیار کرے تو پھر ڈرافٹنگ کی تیاری کا کام کیسے ہو؟ اس میں پھر دو نقطۂ نظر تھے۔

ایک نقطہ نظر اے کے بروہی صاحب مرحوم اور جسٹس آفتاب حسین کا تھا اور دوسرے کئی ذمہ دار حضرات بھی اس کے مؤید تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان پینل کوڈ کی وہ دفعات جن میں حدود قوانین یا حدود کے احکام کی خلاف ورزی ہے، ان میں ترمیم کر کے حدود قوانین کو تعزیرات پاکستان کا حصہ بنا دیا جائے۔ اس ضمن میں یہ حضرات کہتے تھے کہ اس غرض کے لیے تعزیرات پاکستان میں تین چیزیں شامل کی جائیں۔ حدود، ضمان ودیت اور قصاص۔ یہ تین چیزیں شامل کر کے بقیہ پینل کوڈ میں جہاں جہاں ضروری ترمیم کرنی ہو وہ کر دی جائے اور بقیہ پاکستان پینل کوڈ کو جوں کا توں رکھا جائے۔

اس رائے سے اسلامی نظریاتی کونسل کے اہل علم کی اکثریت نے اتفاق نہیں کیا۔ اکثریت کا کہنا یہ تھا کہ حدود قوانین کو الگ سے جداگانہ قوانین کے طور پر مرتب کیا جائے اور ان کا پاکستان پینل کوڈ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ پاکستان پینل کوڈ کی متعلقہ دفعات کو منسوخ کر دیا جائے اور حدود قوانین کو ایک نئے قانون کے طور پر الگ سے جاری کر دیا جائے۔ اس بات پر بالآخر قریب قریب اتفاق رائے ہو گیا۔

بالآخر جب یہ اتفاق رائے ہو گیا کہ حدود قوانین نافذ کیے جائیں تو اب سوال پیدا ہوا کہ اس کی ڈرافٹنگ کی شکل کیا ہو۔ اس سلسلہ میں بعض حضرات کی تجویز یہ تھی کہ حدود کے جو مستند ترین احکام ہیں، جو متفق علیہ ہیں اور قرآن وسنت میں آئے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر بہت مختصر قانون بنائے جائیں اور بقیہ تفصیلات یا بقیہ شکلیں جو منصوص نہیں ہیں اور فقہا کے اجتہادات پر مبنی ہیں، ان کو فی الحال چھوڑ دیا جائے۔ اور قانون ان کے بارہ میں خاموش رہے۔ پھر جہاں جہاں خلا ہو اس کو عدالتیں اپنی تشریحات سے پورا کر دیں۔ یہ ایک نقطہ نظر تھا۔

دوسرا نقطہ نظر یہ تھا کہ حدود قوانین کو بہت تفصیل اور جامعیت سے (Comprehensively) تیار کیا جائے اور حدود قوانین سے متعلق مختلف احکام اور صورتوں کی جتنی شکلیں ممکن ہیں، ان سب کے مفصل احکام ان قوانین میں شامل کیے جائیں۔ گفتگو کے بعد پہلا نقطہ نظر اختیار کیا گیا اور حدود قوانین کا ایک مختصر سا ڈرافٹ تیار کیا گیا جو آپ کے سامنے ہے۔ جو سب سے لمبا قانون ہے وہ ۲۳ یا ۲۴ دفعات سے زیادہ کا نہیں ہے۔ مختصر قوانین میں 12 یا 13 دفعات ہیں۔ ان میں بھی اصل احکام پر مشتمل یعنی (Substantive) دفعات چند ایک ہی ہیں۔ باقی پروسیجرل ہیں۔

اب یہ بارہ تیرہ دفعات پر مشتمل قوانین جو ۱۰ فروری ۱۹۷۹ کو جاری ہوئے تھے۔ اس وقت سے آج تک یہ کتاب قانون (Statute Book) پر موجود ہیں۔ شروع میں اس خلا کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے۔ عدالتوں نے بعض ایسے فیصلے دیئے جن پر اندرون ملک و بیرون ملک بڑا اعتراض ہوا۔ لیکن چونکہ خلا موجود تھا اور اس خلا کو پر کرنے میں ٹرائل کورٹ سے غلطی کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اس لیے شروع شروع میں بعض عدالتوں سے غلطیاں ہوئیں جن کو وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ نے درست (Rectify) کر دیا۔ لیکن وہ غلطیاں تسلسل کے ساتھ آج تک حدود قوانین کی خامیوں کے طور پر دہرائی جارہی ہیں۔ اور ہر جگہ بار بار انہی غلطیوں کو بیان کیا جارہا ہے اور ان غلطیوں کو حدود قوانین کے ایک ناقابل تلافی جرم یا بہت بڑی خامی کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

ان غلطیوں کی وجہ صرف یہ ہے کہ حدود قوانین کو بہت ہی مختصر رکھا گیا۔ اس میں صرف بنیادی احکام اور تصورات سے بحث کی گئی۔ اور تفصیلات کو عدالتوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ جب تفصیلات کو عدالتوں کی صوابدید پر چھوڑا جارہا تھا، اس وقت یہ ہر شخص کو معلوم تھا کہ عدالتوں سے غلطیاں ہوں گی۔ انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ لیکن بعد میں اپیل کے دو یا تین مراحل میں، یعنی شرعی عدالت یا سپریم کورٹ، وہاں جا کر وہ غلطیاں درست ہو جائیں گی۔ اور ایک ایک کر کے یہ سارے خلا کیس لا، یا جج کے بنائے ہوئے قانون (Judge made law) سے پورے ہوتے جائیں گے۔ خاص حد تک یہ خلا، اب پورے ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰ عدالتوں نے اپنے فیصلوں سے بہت سے معاملات کی وضاحت کر دی ہے۔

اس وقت ایک کام اور بھی ہونا چاہئے تھا جو نہیں ہو سکا۔ وہ یہ تھا کہ اسلامی قانون کے بارہ میں تعلیم و تربیت کا ایک ہمہ گیر جامع اور بھرپور منصوبہ تیار کیا جاتا اور ملک کے تمام قوانین کو ایک ہنگامی پروگرام کے تحت شریعت کے احکام سے ہم آہنگ کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود قوانین کسی خلا میں نفاذ کے لئے نہیں تھے۔ بلکہ یہ ایک مجموعی اسکیم کا جزو تھے اور شریعت کے مجموعی فریم ورک کا ایک حصہ تھے۔ بقیہ احکام دین اور شریعت کے بقیہ پہلوؤں سے ان کو الگ کر کے ایک isolation میں نافذ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح خلا میں ان قوانین کے نفاذ سے وہ نتائج پیدا نہیں ہو سکتے جو شریعت پیدا کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ ان قوانین میں سے بعض کا بڑا گہرا تعلق اسلام کے عائلی قوانین سے ہے۔ خاص طور پر جن قوانین کا تعلق حد زنا سے ہے اس کا بڑا تعلق اسلام کے فیملی لا سے ہے۔ فیملی لاز میں بعض احکام ایسے موجود ہیں کہ جو ان خرابیوں کا راستہ روکتے ہیں۔ ان خرابیوں کی بدترین شکل جرم زنا ہے جس کی یہ سخت سزا ہے۔ لیکن ان قوانین کو کسی نے دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، یا تو یہ بات ان کے ذہن میں نہیں آئی یا اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ اعلیٰ عدالتیں ان کو اپنے فیصلوں سے پورا کر دیں گی۔

مثال کے طور پر کراچی میں جو مشہور کیس ہوا تھا۔ جس پر پوری دنیا میں کئی سال تک مسلسل چرچا ہوتا رہا اور جس پر بی بی سی کے چینل فور نے فلم بھی بنائی تھی Who will cast the first stone? جو دنیا کے تقریباً ہر ٹی وی اسٹیشن پر دکھائی گئی تھی۔ اس میں بنیادی چیز کیا تھی؟ بنیادی چیز یہ تھی کہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کی ایک دفعہ کو جج نے سمجھا اور اپنی دانست میں درست سمجھا اور پھر اس نے ایک consequential انداز میں حدود قوانین کی متعلقہ دفعات کی تعبیر کی اور فیصلہ دے دیا۔

معاملہ یہ ہوا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی جو اچھی خوش شکل تھی۔ اس کی کسی غریب کنڈکٹر سے شادی ہوئی تھی۔ اس کے شوہر سے اس کا اختلاف ہو گیا۔ شوہر نے اس کو طلاق دے دی۔ طلاق لینے کے بعد وہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ کچھ عرصہ بعد، غالباً سال یا دو سال کے بعد اس نے کسی اور کے ساتھ نکاح کر لیا۔ جس سے نکاح کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نواز دیا۔ اس کے پاس پیسے آ گئے لیکن دو ایک سال کے بعد ہی وہ شوہر مر گیا اور وہ خاتون تمام مال و دولت کی وارث ہو گئی۔

اب پہلے شوہر کے دل میں یہ لالچ پیدا ہوا کہ خاتون کے پاس جو مال و دولت آ گیا ہے اس کو

کسی طریقے سے ہتھیانا چاہئے۔ اس نے عدالت میں شکایت کی اور مقدمہ درج کرایا کہ فلاں خاتون جو میری بیوی ہے وہ گھر سے فرار ہوگئی ہے۔ اس کو حکم دیا جائے کہ وہ اعادہ حقوق زناشوئی کے دعویٰ کے بارہ میں میرے حقوق کو تسلیم کرے۔ عدالت میں مقدمہ گیا۔ اس شخص نے اس بات سے انکار کر دیا کہ اس نے اس خاتون کو طلاق دے دی تھی۔ عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۰ء میں طلاق کا ایک پروسیجر ہے۔ اگر وہ پروسیجر نہ اپنایا جائے اور طلاق کو رجسٹر نہ کرایا جائے تو وہ مؤثر (effective) نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ٹرائل کورٹ نے اس طلاق کو لیگل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لڑکی کو پہلے شوہر کی بیوی قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ اس نے خود تسلیم کیا تھا کہ اس نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ لہٰذا اس بات کا اعتراف کرنا اور اولاد کا وجود اس بات کے لئے کافی تھا کہ انہوں نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ چونکہ وہ شادی شدہ تھی اس لئے اس پر رجم کی حد جاری کر دی گئی۔

اب دیانت داری کی بات یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ ان قوانین کی موجودگی میں ٹرائل کورٹ کو کیا کرنا چاہئے تھا؟ میں نے پچھلے بیس پچیس سالوں میں اس پر بہت غور کیا اور میرے خیال میں ٹرائل کورٹ کے جج نے صحیح فیصلہ کیا۔ قانون میں یہی لکھا ہوا تھا۔ لیکن یہ آج تک کسی نے نہیں دیکھا کہ اس غلطی کی ذمہ داری حدود کے احکام پر نہیں بلکہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۰ پر عائد ہوتی ہے جو ہمارے مغرب زدہ طبقہ کے نزدیک آزادی نسواں کا ایک اہم سنگ میل ہے۔

بہر حال یہ فیصلہ خالص شرعی نقطہ نظر سے درست نہ تھا۔ اس لیے اس کے فوراً بعد یعنی چند دنوں یا شائد چند گھنٹوں کے اندر اندر وفاقی شرعی عدالت نے متفقہ طور پر رجم کے اس فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا اور غریب جج کو غالباً reprimand بھی کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ حدود قوانین کے مقدمات، جن میں ایک مرد اور ایک عورت یہ دعویٰ کریں کہ وہ میاں بیوی ہیں تو اسے حدود قوانین کے مقاصد کے لیے (for purposes of Hudud Law) جائز نکاح تسلیم کیا جائے گا۔ اور تصادق زوجین کا یہ فیصلہ کسی ''سیکولر'' جج نے نہیں کیا۔ یہ فیصلہ مولانا عبدالقدوس قاسمی نے لکھا تھا جو پاکستان میں صف اول کے علماء میں سے تھے اور ان کے ہزاروں شاگرد پاکستان میں موجود ہیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ لکھا۔ بقیہ دو علمائے کرام نے اس سے اتفاق کیا اور ان کے اتفاق رائے اور بقیہ جج صاحبان کے

اتفاق رائے کے بعد گویا عدالت کے تمام ججوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا اور اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس فیصلے نے مسلم فیملی لاز میں یہ ترمیم کر دی کہ اگر معاملہ کسی سزا یا حدود کا ہو، یا کسی بھی کریمینل انکوائری (criminal inquiry) کا ہو تو تصادق زوجین کے نتیجے میں ہونے والے نکاح کو جائز سمجھا جائے گا۔ چنانچہ بات ختم ہو گئی اور مسئلہ اس کے مطابق حل ہو گیا۔ لیکن آج تک میں سنتا رہتا ہوں، کتابوں میں بھی پڑھتا ہوں، بیانات میں بھی پڑھتا ہوں کہ لوگ اس مقدمہ کا بار بار حوالہ دیتے ہیں اور حدود قوانین کے ایک بہت بڑے جرم کے طور پر اس کو بیان کرتے ہیں۔ اگر یہ کوئی غلطی ہے تو اس طرح کی غلطیاں فوجداری مقدمات میں کثرت سے ہوتی رہتی ہیں۔ آپ کوئی بھی سابقہ کیس اٹھا کر دیکھ لیں۔ کسی بھی عدالت کے نظائر آپ دیکھ لیں۔ اس طرح کی غلطیاں آپ کو ہر عدالت کے فیصلے میں ملیں گی۔ لیکن اگر یہ کوئی غلطی تھی بھی تو اعلیٰ عدالت نے اس کو درست کر دیا۔

اب اس کا حوالہ دینا بظاہر نیک نیتی معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح کے بعض دوسرے اعتراضات ہیں جو حدود قوانین اور حدود قوانین کی اسکیم کو سمجھے بغیر کیے جاتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کو دہراتے ہیں۔ ایک چیز اگر چل پڑے تو پھر ہر شخص اس کو اپنا حق سمجھتا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے، بغیر پڑھے اور مطالعہ کیے اس پر اعتراض کرے۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ اس میں غیر مسلموں کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیا گیا ہے۔ ایک غیر مسلم راہنما مجھ سے ملنے تشریف لائے۔ وہ ایک مشہور آدمی ہیں، سیاسی رہنما ہیں اور قومی اسمبلی کے رکن اور وزیر بھی رہے ہیں۔ میرے پاس آئے اور یہی شکایت دہرائی۔ جو مثال انہوں نے دی اس میں لکھا ہوا تھا کہ حد قذف کے لئے ضروری ہے کہ متہم یا مجنی علیہ جس کے خلاف قذف کیا گیا ہے، وہ مسلمان ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اگر کوئی شخص کسی غیر مسلم بے گناہ شخص پر بدکاری کا الزام لگائے تو وہ جرم نہیں ہے اور مسلمان پر بدکاری کا الزام لگائے تو وہ جرم ہے۔

میں نے کہا کہ جی ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔ آپ یہ بھی تو دیکھئے کہ جس جرم کا الزام لگایا گیا ہے اگر وہ (الزام) درست ہوتا تو اس کی سزا سزائے موت یعنی رجم کی سزا تھی۔ لیکن چونکہ غیر مسلم پر رجم نہیں ہے اور مسلمان ہی پر رجم [illegible] اس لئے رجم کے خطرے سے بچانے کے لئے مسلمان ہونا

ہی ضروری ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رجم کے لئے مسلمان ہونا شرط ہو اور رجم کا الزام لگانے کی سزا دی جائے تو اس میں مسلمان ہونا شرط نہ ہو۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔

وہ غیر مسلم رہنما بظاہر مطمئن ہو گئے۔ لیکن اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کئی ایسے معاملات ہیں کہ جن میں لوگوں نے سمجھے بغیر اور کسی چیز کی حکمت پر غور کئے بغیر اعتراضات کر دیئے ہیں۔ وہ اعتراضات مشہور ہو گئے ہیں اور لوگ ان کو دہراتے رہے ہیں۔

میری ذاتی رائے میں حدود قوانین کی جو اصل خامی یا کمزوری ہے، وہ حدود قوانین کا بہت مختصر اور sketchy ہونا اور بہت سے معاملات میں اس کا خاموش ہونا اور بعض اہم معاملات میں دوسرے قوانین سے ان کی ہم آہنگی یعنی dove tailing نہ ہونا ہے۔ اگر بقیہ قوانین سے ان کی ہم آہنگی کی جاتی، خاص طور پر فوجداری قوانین اور فیملی لاز سے، اور دوسرے قوانین کے حوالے سے، تو ان میں سے شائد بہت سے مسائل اور معاملات پیدا ہی نہ ہوتے۔

دوسری بڑی قباحت جو ان قوانین کے نفاذ میں پیدا ہوتی ہے وہ میری ذاتی رائے میں طریق کار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت حدود قوانین میں سب جگہ لکھا ہوتا ہے کہ ان قوانین کے نفاذ کے لئے پاکستان کے پینل کوڈ ۱۸۶۰ء کے فلاں فلاں دفعات پر عمل کیا جائے گا اور اس کے فلاں فلاں ابواب applicable ہوں گے۔ یہی حال ضابطہ فوجداری مجریہ ۱۸۹۸ء کا ہے۔ اس ضابطہ کا ایک خاص انداز اور ایک خاص مزاج ہے۔ میرا ذاتی اور ناچیز فہم یہ ہے، ممکن ہے غلط ہو، کہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی بارہ سو سال میں یعنی دوسری صدی ہجری کے اواخر سے لے کر اور اٹھارھویں صدی ہجری کے اوائل تک، اس پورے عرصے میں حدود قوانین جہاں جہاں نافذ رہے وہ اس adversary system کے ذریعے نافذ نہیں ہوئے، جو anglo saxon law کے ذریعے سے ہمارے ہاں آیا ہے بلکہ وہ ایک ایسے سسٹم کے ذریعے نافذ ہوئے جو فرانس کے inquisitorial system سے ملتا جلتا ہے۔ جس میں فوجداری معاملات اور حدود اور قصاص کے قوانین کے لئے الگ عدالتیں قائم کی گئیں اور الگ ضابطے وضع کیے گئے۔ ان عدالتوں کو وہ اختیارات دیئے گئے جو فرانس اور جرمنی میں فوجداری عدالتوں کو حاصل ہیں۔ جس میں مجسٹریٹ، پولیس اور کریمینل جسٹس ان تینوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔

اور جمع کرنے کے بعد انہوں نے یہ ذمہ داری عدالتوں کے سپرد کی۔ اس میں بنیادی حکمت اور فلسفہ یہ تھا کہ شریعت اگر یہ کہتی ہے کہ ہر شخص بری الذمہ ہے تاوقتیکہ اس پر کوئی جرم ثابت ہو جائے۔ یہ عام سول اور دیوانی معاملات کے لئے ہے۔ یا ان فوجداری معاملات کے لئے جہاں کسی سے پہلی مرتبہ کوئی جرم سرزد ہوا ہو۔ لیکن اگر کوئی مجرم ایسا ہے کہ جس کے بارہ میں شہرت یہ ہے کہ وہ عادی مجرم ہے اور پہلے بھی اس کے بارہ میں مضبوط شواہد اور قرائن اس کے مجرم ہونے کے بارہ میں رہے ہیں، اس کو اور مجنی علیہ کو ایک سطح پر رکھ کر دونوں کو بری الذمہ قرار دینا مجنی علیہ کے ساتھ زیادتی ہے۔ ظالم اور مظلوم کو ایک سطح پر نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ اسلام کے تصور عدل کے خلاف ہے۔ اگر ظالم اور مظلوم ایک سطح پر نہیں رکھے جا سکتے تو پھر کوئی ایسا نظام ہونا چاہئے جس میں مظلوم کو انصاف ملے اور ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لیا جائے۔ اس تصور کے نتیجے میں وہ نظام پیدا ہوا جو مکمل شکل میں تیسری صدی ہجری میں آ چکا تھا اور جس کی تفصیلات ماوردی اور ابو یعلیٰ اور ان کے متقدمین اور متاخرین سب کے ہاں ملتی ہیں۔ ماوردی اور ابو یعلیٰ کی تحریروں سے لے کر اور ابن فرحون، ابن شحنہ اور ابن ابی الدم، ان سب حضرات نے فوجداری قوانین کے بارہ میں جو بھی لکھا وہ اسی تصور کی روشنی میں لکھا۔

جب حدود قوانین مرتب ہو رہے تھے، اس وقت مناسب یہ ہوتا کہ اس پورے نظام پر غور کیا جاتا، حدود قوانین ماضی میں کیسے نافذ ہوئے، اس کی modality اور طریق کار کیا تھا۔ اس پر غالباً ذمہ دار حضرات نے غور کرنا ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ یہ مسائل ان کے سامنے نہیں آئے۔ انہوں نے جو رائج الوقت adversary system برطانیہ سے ہمارے ہاں آیا تھا جو کریمینل پروسیجر (criminal procedure) کی شکل میں ہمارے ہاں پچھلے سو سال سے نافذ ہے، اس کی کامیابی یا ناکامی پر غور کئے بغیر، اور اس کے مناسب یا نامناسب ہونے پر غور کئے بغیر حدود قوانین کو ان کے تابع کر دیا۔ اس طرح جو حشر بقیہ قوانین کا ماضی میں ہوتا رہا ہے اس وقت بھی ہو رہا ہے، وہ اس کا بھی ہوا۔

یہ کہنا کہ حدود قوانین ناکام رہے، ایک حد تک درست ہے۔ لیکن پاکستان میں تو ہر قانون ناکام ہے۔ پاکستان میں کون سے قوانین ایسے ہیں جو ناکام نہیں ہیں۔ پچھلے دنوں آپ کو یاد ہوگا، جج صاحبان تشریف فرما ہیں اور مجھ سے بہتر جانتے ہیں، کہ حکومت نے قانون بنایا کہ عوامی جگہوں پر

سگریٹ نوشی کی ممانعت ہے۔ میں دو ہفتے پہلے ملائشیا سے واپس آ رہا تھا۔ بنکاک سے تھائی ائرویز پر سوار ہوا اور لاہور ائرپورٹ پر اترا۔ تھائی ائرویز کی اناؤنسر نے اعلان کیا کہ پاکستان میں پبلک مقامات پر سگریٹ نوشی منع ہے لہٰذا میں ایڈوائس کرتی ہوں کہ آپ لوگ ائرپورٹ سے باہر نکلنے کے بعد سگریٹ نہ پئیں۔

یہ بات میرے لئے بڑی خوشی کی تھی۔ میرے ملک کے قانون کے بارہ میں اعلان ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے سب لوگ میرے ملک کے قانون کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جب میں جہاز سے اترا اور اپنے سامان لینے لاؤنج میں آیا۔ بلا مبالغہ پندرہ بیس آدمی، جن میں پولیس کے دو افسران بھی شامل تھے، سگریٹ پی رہے تھے۔ میں نے گردن نیچی کرلی کہ کہیں وہ خاتون مجھے نظر نہ آنے پائے جس نے یہ اعلان کیا تھا۔ یہ میرے ملک میں قوانین کا حال ہے۔ جب میں باہر نکلا، جہاں ٹیکسیاں پارک کی ہوئی تھیں، وہاں جتنے اہلکار تھے اور جن میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ذمہ دار افسران بھی تھے، ان میں سے کئی کو میں نے دیکھا کہ وہ سگریٹ پی رہے تھے۔

اب چونکہ ہر قانون کی مٹی پلید ہو رہی ہے تو ایک حل تو یہ ہے کہ پاکستان میں جتنے بھی قوانین ہیں، سب کو ختم کر دیا جائے۔ یہ بات کہ چونکہ حدود قوانین پاکستان میں ناکام رہے ہیں اس لیے ان کو منسوخ کر دیا جائے۔ یہ دلیل اگر حدود قوانین کے بارہ میں درست مان لی جائے تو پاکستان کے دو تہائی قوانین منسوخ ہو جانے چاہئیں۔ لیکن اگر ان سب قوانین کو منسوخ کیا جانا حکمت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو مؤثر بنایا جائے تو پھر ان چار (حدود) قوانین ہی کو کیوں single out کیا جائے؟ کہ یہ تو ناکام ہوئے بقیہ قوانین ناکام نہیں ہوئے۔

اس لئے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ حدود قوانین پر اس نقطہ نظر سے غور کیا جائے کہ اس میں کہاں کہاں خلا ہے اور اس خلا کی وجہ سے کیا مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ان قوانین کو دوسرے متعلقہ قوانین سے relate کیا جائے، اور ان تمام دوسرے قوانین سے ہم آہنگ (dove-tail) کیا جائے جن پر حدود کے اثرات پڑتے ہیں۔ اس کے لئے الگ سے ایک نیا طریق کار مقرر کیا جائے۔ ایک نیا طریق کار تیار کر کے اس کے مطابق حدود قوانین کو نافذ کیا جائے۔

پتہ نہیں آپ حضرات کے علم میں ہے کہ نہیں۔ میں پہلی مرتبہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ سابق وزیراعظم نواز شریف صاحب کو بڑا اشتیاق پیدا ہوا کہ ملک کے قانونی اور عدالتی نظام کو زیادہ موثر بنایا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ مجرموں کو ان کے جرم کی سزائیں بہت جلدی ملنی چاہئیں۔ وہ یہ چاہتے تھے، اور اُس زمانے کے چیف جسٹس سے ان کا اختلاف بھی اسی مسئلہ پر ہوا اور ملک میں ایک بڑا بحران بھی اس لیے پیدا ہوا۔ نواز شریف صاحب کے ذہن میں یہ تھا کہ جو بڑے اور گھناؤنے قسم کے جرائم ہیں، ان کے لئے ایسا نظام قائم کیا جائے کہ صبح جرم ہو تو شام کو اس کی سزا مجرم کو مل جائے اور اگلے دن اخبار میں جرم اور سزا دونوں کی خبریں ایک ساتھ آئیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے مختلف حضرات سے مشورہ کیا اور وقتاً فوقتاً لوگوں سے مشورے کرتے رہے۔ میرے ساتھ بھی انہوں نے کئی بار تبادلہ خیال کیا۔ میں نے ان کی اس بات کی پوری پوری تائید کی اور جو میری محدود سمجھ میں آیا، وہ ان کے روبرو بیان کیا۔ اس ضمن میں میں نے یہ رائے بھی دی کہ آپ کا جو کریمینل پروسیجر ہے وہ بڑا طویل اور پیچیدہ قانون ہے جو سو سال سے زیادہ پرانا اور ماضی اور استعمار کی یادگار ہے اس کو جتنی جلدی ختم کر دیں، اتنا بہتر ہے۔ آپ سادہ اور مختصر سا کوئی ایسا نظام بنائیں جو معروضی ہو، جس میں ناانصافی بھی نہ ہو، جس میں نہ اتنی جلد بازی ہو کہ justice rushed, justice crushed کے مترادف ہو جائے اور نہ اتنی تاخیر ہو کہ دادا مقدمہ درج کرے تو پوتے کو انصاف ملے۔

میاں نواز شریف صاحب نے اس سے اتفاق کیا اور مجھے ذمہ داری دی کہ میں اس مقصد کے حصول کے لیے ایک ڈرافٹ تیار کروں۔ میں نے جو ڈرافٹ تیار کیا وہ میرے پاس موجود ہے۔ وہ بیرون ملک سفر پر جا رہے تھے، اس ڈرافٹ پر تبادلہ خیال کے لئے مجھے بھی ساتھ لے گئے، تاکہ سفر میں تبادلہ خیال کرتے رہیں۔ تین دن وہ مجھ سے تبادلہ خیال کرتے رہے اور وہ ڈرافٹ میں نے ان سے ہونے والے تبادلہ خیال کی روشنی میں تیار کیا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ کسی ایسے ماہر قانون سے مشورہ کرلیں جو لاء کا عملی تجربہ رکھتا ہو۔ میرا کوئی عملی تجربہ نہیں۔ میں نے ایک دن بھی وکالت نہیں کی، نہ کبھی جج رہا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس میں عملی تجربہ رکھنے والے حضرات سے بھی مشورہ کیا جائے۔ میں نے اس سلسلہ میں مختلف لوگوں کے نام لئے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں فلاں بھی نہیں، فلاں بھی نہیں،

فلاں بھی نہیں۔ بالآخر میں نے اس وقت کے صدر مملکت جناب محمد رفیق تارڑ صاحب کا نام لیا کہ وہ صدر ہیں، اعلیٰ عدالت کے جج بھی رہے اور وکیل بھی رہے۔ان سے بھی راہنمائی لے لی جائے تو بہت مناسب ہوگا۔ چنانچہ صدر تارڑ سے مشورہ کیا گیا۔

ایک معاملہ پر اختلاف ہوگیا جس کی وجہ سے وہ کام نہیں ہوسکا۔ وزیر اعظم نواز شریف صاحب کے ذہن میں کسی نے ڈال دیا تھا کہ اپیل کا سسٹم غیر اسلامی ہے اس کو ختم ہونا چاہئے۔ میں نے کہا کہ اپیل کا تصور اسلامی ہے یا غیر اسلامی، یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن جب تک دستور پاکستان میں بنیادی حقوق کی فہرست میں اپیل کا حق موجود ہے، آپ اپیل کا حق نہ ختم کر سکتے ہیں اور نہ ہی ختم کرنا چاہئے۔ان کا اصرار تھا کہ اپیل کی تمام کی تمام دفعات نکال دی جائیں۔ میں نے اصرار کیا کہ نہیں اس کو رکھنا چاہیے۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ صدر مملکت سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ میں اور وہ دوبارہ صدر رفیق تارڑ صاحب کے پاس گئے۔ صدر صاحب نے فرمایا کہ اپیل ضرور ہونی چاہیے۔اس پر غالباً وزیر اعظم مطمئن نہیں ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اچھا اس پر مزید غور کریں گے۔

اس کاوش کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ میں نے اعلیٰ عدلیہ کے ایک اور ذمہ دار بزرگ کے مشورے سے، جن سے میری نیاز مندی بھی رہی ہے، اور اگر میں ان کا نام لوں تو شاید وہ محسوس نہیں کریں گے جسٹس ارشاد حسن خان، جو بعد میں چیف جسٹس آف پاکستان اور قائم مقام صدر بھی رہے۔ان سے میں نے مشورہ کیا اور ان کے مشورے سے ایک چھوٹا پروسیجر تیار کیا۔ جس پر میرے خیال میں بہت مختصر وقت میں عمل درآمد ہوسکتا ہے اور اس میں وہ تقاضے جو کریمنل جسٹس کو پورا کرنے کے لئے ناگزیر ہیں وہ بھی میری رائے میں پورے ہوسکتے ہیں۔ کم از کم جسٹس ارشاد حسن خان کی سطح اور علم و تجربہ کی حامل شخصیت نے یہ تصدیق کی کہ اس سے یہ تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس طرح کا ایک چھوٹا پروسیجر ہونا چاہیے۔ یہاں پولیس افسران اور ہمارے دوست جناب محمد سعید آئی جی صاحب بھی موجود ہیں۔وہ بہتر طور پر بتائیں گے کہ قوانین حدود کے نفاذ میں جو رکاوٹیں پیدا ہوئی ہیں ان میں کس حد تک پروسیجرل لا کا دخل ہے۔ کس حد تک قانون کے مختصر ہونے کا دخل ہے۔ کس حد تک اس بات کا دخل ہے کہ اس میں ایسے احکام رکھے گئے ہیں جو

ایک آئیڈیل مسلم معاشرہ کے لئے تو ممکن ہے، مفید ہوں، لیکن ایک ایسے معاشرے کے لئے جیسا کہ آج پاکستان کا معاشرہ ہے، شاید وہ قوانین مفید نہ ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸ یا ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کو جنرل ضیاء الحق مرحوم نے ایک علماء کنونشن بلایا۔ اس کنونشن میں، جس میں وہ خود بھی تشریف لائے تھے، ایک خصوصی اجلاس اس کام کے لئے رکھا تھا کہ حدود قوانین پر غور وخوض کیا جائے۔ اور خود انہوں نے تین چار آدمیوں کے نام دیئے تھے جن کو حدود قوانین پر بات کرنی تھی۔ میرا نام بھی ان میں شامل تھا۔ ان کی موجودگی میں جو بات میں نے کی تھی، میں وہ دہرانا چاہتا ہوں۔

یہ ۱۸ یا ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کی بات ہے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ یہ حدود قوانین جو پاکستان میں نافذ ہیں۔ یہ سارے کے سارے فقہ حنفی کے نقطہ نظر کے مطابق نافذ کئے گئے ہیں۔ فقہ حنفی میں شبہ کا تصور بہت زیادہ عمومی ہے۔ اتنا عمومی ہے، اتنا عمومی ہے کہ شبہ میں قریب قریب دنیا کی ہر چیز شامل ہے۔ بعض ایسی چیزیں بھی شامل ہیں کہ ہم جیسے انسانوں کی کوتاہ نظری انہیں قبول کرنے میں تامل کرتی ہے۔ لیکن احناف کے نقطہ نظر سے وہ شبہ میں شامل ہیں۔ شبہ کے اس ہمہ گیر تصور کے نتیجے میں حد کی سزا ختم ہوجاتی ہے۔ میں اگر اس کی مثالیں دوں گا تو بات لمبی ہوجائے گی۔ لیکن یہ احناف کا نقطہ نظر ہے۔

اس لئے احناف کی کتابوں میں حدود قوانین کے جو احکام لکھے ہوئے ہیں، یہ قوانین ان کے مطابق مرتب ہوئے ہیں اور ان قوانین کی رو سے کسی کو حد کی سزا دینا ممکن نہیں ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اس ضمن میں صرف ایک حد یعنی حد سرقہ کی مثال لے لیں۔ پاکستان میں قانون سرقہ پر صرف اس وقت عمل درآمد ہوسکتا ہے جب کوئی چور چوری کرنے کے ارادے سے نکلے تو اپنے ساتھ دو عدد گیس کی لالٹینیں لے لے۔ اور پاکستان کے دو جید علمائے کرام کو (جو اس وقت وہاں تشریف فرما تھے) ساتھ لے لے کہ حضرت آپ جیسا عادل گواہ نہیں ملے گا، آپ ذرا میرے ساتھ چلیں، میں جرم کا ارتکاب کرنے جارہا ہوں۔ جب قفل کو توڑے تو ان کو بتادے کہ حضرت! گواہ رہیے! میں قفل توڑ رہا ہوں۔ جب اندر جائے تو ان کو گواہ بنائے کہ جناب میں اندر چلا گیا۔ اندر کی روشنیاں بھی جلادیں، دونوں حضرات باہر کھڑے رہیں اور دیکھتے رہیں۔ جب سامان لے کر باہر نکلے تو بتادے کہ میں نکل رہا ہوں آپ کل گواہی دیں گے۔ پھر جب اگلے دن یہ دونوں حضرات گواہی دیں اور ملزم خاموش رہے تو پھر

حد کی سزا ہوگی ۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو کسی اور چوری میں حد کی سزا نہیں ہوگی ۔

یہ بات میں نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کے سامنے کہی تھی اور یہ دونوں بزرگ وہاں موجود تھے ۔ مجھے ابھی تک اس بات میں کوئی تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ۔ مزید غور وخوض کے بعد لگا کہ واقعی ایسا ہی ہے ۔

بہت سے ایسے معاملات ہیں کہ دوسرے ائمہ یا فقہا کے نقطہ نظر اور اجتہاد کو اختیار کر کے موجودہ حالات کی زیادہ بہتر انداز سے رعایت کی جا سکتی ہے ۔ اس نقطہ نظر کو اختیار کر کے ان قوانین کو موجودہ حالات کے مطابق اور قریب بنایا جا سکتا ہے ۔ ایسے اختلافی امور میں کوئی نص نہیں ہے ۔ قرآن وسنت میں کوئی رکاوٹ ایسی نہیں ہے کہ آپ اس کام کو نہ کر سکیں ۔ تعزیر اور اجتہاد کا معاملہ ہے ۔ دوسرے فقہا کے ایسے اقوال یا ارشادات موجود ہیں جس کے نتیجے میں حد کی سزا دی جا سکتی ہے ۔

مثال کے طور پر امام مالکؒ کا نظریہ ہے کہ اگر کوئی شخص مشکوک کردار کا انسان ہو ۔ پہلے بھی فوجداری یا دوسرے مقدمات میں پکڑا جاتا رہا ہو ۔ مال مسروقہ اس کے گھر سے برآمد ہو ۔ جس کی وہ کوئی معقول وضاحت نہ کر سکے کہ مال مسروقہ اس کے پاس کہاں سے آیا ۔ ان حالات میں اگر جج قائل ہو جائے کہ یہ شخص سرقہ کا مجرم ہے اور پہلے سے اس کے بارہ میں شبہات موجود ہوں اور وہ پہلے بھی ایسے مقدمات میں ملوث رہا ہو اور مال مسروقہ اس کے قبضہ سے برآمد ہو جائے تو امام مالکؒ اس کو قطع ید کے لئے کافی سمجھتے ہیں ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اس نقطہ نظر کو بعینہ اختیار کر لیا جائے ۔ لیکن مثال دینے سے مراد یہ ہے کہ بعض ایسے معاملات ہو سکتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں دوسرے فقہا کا نقطہ نظر ہمارے حالات اور ضروریات سے زیادہ ہم آہنگ ہو ۔ ایسی صورت میں حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اس نقطہ نظر کو اختیار کیا جائے ۔

اس موضوع پر کہنے کے لئے باتیں تو بہت ہیں ۔ جو نکات میرے ذہن میں ہیں، اگلے دو روز میں ان شاء اللہ اگر موقع ملا تو ان پر مزید گفتگو کروں گا ۔ لیکن یہ وہ چیزیں ہیں جن پر غور وخوض کرنے کے لئے ہم نے آپ حضرات کو دعوت دی ہے ۔ ہمارا مقصد کسی خاص نقطہ نظر کی تردید یا تائید نہیں

ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حدود قوانین کو بالکلیہ منسوخ کر دینا چاہئے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں کسی شوشے اور ذرہ کے برابر تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ اس میں بہت اہم تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ اس ضمن میں جو میری ذاتی رائے تھی میں نے عرض کر دی۔ آپ حضرات اتفاق رائے سے جو خیال ظاہر فرمائیں گے، اس کو ہم جوں کا توں شائع کر دیں گے تاکہ ملک کے اہل علم، وکلاء، قانون دان، قانون ساز حضرات، جج صاحبان اور سیاسی قیادت ان تحقیقات سے استفادہ کرے جو آپ کی اس کانفرنس کے نتیجے میں ہم شائع کریں گے۔ یہ ہمارا مقصد ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم ہر سال کم از کم ایک مرتبہ، اور ممکن ہو تو دو مرتبہ کسی اہم فقہی موضوع پر ایک سیمینار منعقد کریں اور وہ تحقیقات اہل علم اور قوم تک پہنچائیں۔

نفاذ اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ملک کے ذمہ دار حضرات کے پاس وہ مواد نہیں ہے جس کے ذریعے وہ اسلام کا نقطہ نظر سمجھ سکیں۔ انگریزی اور اردو میں اچھے علمی کاموں کی ضرورت ہے۔ ایسا علمی کام جس میں اسلام کا نقطہ نظر دلائل اور شواہد ونصوص کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات نے جو مقالات لکھے ہیں۔ یا مزید جو حضرات لکھیں گے وہ ان توقعات کے مطابق ہوں گے۔ میں آپ سب حضرات کا ایک بار پھر خیر مقدم کرتا ہوں اور ان غیر مرتب اور منتشر خیالات کے پیش کرنے پر آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين۔

صدارتی خطبہ

جسٹس (ر) خلیل الرحمن خان*

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب

جناب ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب

جناب ڈاکٹر خالد علوی صاحب

محترم شرکائے محفل!

اس دو روزہ کانفرنس کے انعقاد کے مقصد پر غازی صاحب نے تفصیلاً فرما دیا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ خطبہ استقبالیہ میں بہت اچھا مواد اور غور وفکر کے لئے جو بہت اچھا سامان سامنے آیا ہے اور جو کم از کم میرے ذہن میں وہ پہلے نہیں تھا۔ یعنی جب یہ قوانین نافذ کیے گئے تو اس وقت نافذ کرنے والوں کے مقاصد کیا تھے اور وہ کیا چاہتے تھے۔

ایک چیز جو میں نے اخذ کی وہ غازی صاحب کی یہ رائے ہے کہ ان قوانین کو تفصیل کے بغیر مختصراً نافذ کر دیا گیا تاکہ بعد میں جو پیچیدگیاں سامنے آئیں ان کو عدالتیں حل کریں۔ یہ ایک بہت مثبت سوچ تھی۔ چونکہ میں عدالتوں سے وابستہ رہا ہوں، اس لیے میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں

* ریکٹر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد [illegible] ۲۰۰۵ء)

کہ عدالتوں کو اُس حال میں جس میں وہ ہیں، ان کو اتنا بڑا کام سونپنا شاید ان کی استعداد سے بہت بڑھ کر ہو۔

عدالتی نظام اور انصاف گستری میں تین عوامل بہت اہم ہوتے ہیں، ایک تو وہ کارندے ہیں جو قانون کو متحرک کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے پولیس آتی ہے پھر تفتیشی عملہ، کیس درج کرنے والے، پھر عدالتیں اور اسی طرح نفاذ کرنے والے یعنی جیلیں اور دوسرا سارا نظام۔ اب ان تمام لوگوں کو جو ان میں شامل ہیں، سرے سے علم ہی نہیں ہے کہ یہ کیا قانون نافذ کیا جا رہا ہے، اس کے نفاذ کے مقاصد کیا ہیں۔ تو پھر ظاہر ہے کہ جو حال دوسرے قوانین کا ہے، اس سے بڑھ کر ان قوانین کا حال خراب ہوگا۔

پھر ہم یہ تمام عمل اس وقت کر رہے ہیں جب پاکستان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کا مزاج ہی غیر اسلامی ہے۔ جنہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جو بات اسلام کے نام پر ہو، اس میں کیڑے ڈالنے ہیں۔ بات صحیح ہو یا غلط، لیکن اسلام کے بارے میں ہو تو اس کو غلط قرار دینا ہے۔ اور پھر اس کام کے لئے اگر کہیں سے رقمیں بھی ملتی ہوں، تو پھر یہ سب کچھ ہوا کرے گا۔

میرا تجربہ یہ کہتا ہے اور الحمد للہ جب تک میں عدلیہ میں رہا، اسلامی قوانین کے بارے میں اللہ نے مجھے جتنی توفیق دی، چاہے وہ فوجداری قوانین سے متعلق ہو، یا دوسرے قوانین کے بارے میں ہو، ان پر میں نے جتنے فیصلے کئے ہیں، اتنے شاید ہی کسی اور جج نے کئے ہوں۔ یہ سب اللہ کی توفیق سے تھا۔ لیکن میں نے یہ دیکھا کہ ہمارے وکلا صاحبان بھی اس اسلامی قانون کو سمجھنے اور اس پر محنت کرنے سے گریز کرتے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جناب اب اس عمر میں کون اتنی چیزیں پڑھے گا۔ آپ سمجھتے ہیں تو آپ ہی کر لیجئے۔ تو ظاہر ہے کہ عدالتوں کے ذریعے خلا پر کرنے کی جو بات تھی اس پر عمل کرنے سے یہی نتائج سامنے آئیں گے۔ اور میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ جس مقدمہ میں وکلا نے جتنی زیادہ محنت کر کے عدالت کی معاونت کی ہو، اتنا ہی زیادہ اچھا فیصلہ آتا ہے۔ اسی طرح جس مقدمہ میں وکلا نے عدالت کی معاونت میں زیادہ محنت نہ کی ہو، اس میں فیصلہ کا معیار بھی اتنا ہی کمتر ہوگا۔ اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ حدود قوانین کے نفاذ کے وقت

اگر یہ سوچا گیا تھا کہ عدالتیں خلا پر کریں گی، تو اس وقت کی حکومتوں کو سب سے پہلے یہ کام کرنا چاہیے تھا کہ اس پورے عمل میں جتنے لوگوں نے حصہ لینا ہوتا ہے، ان سب کی تربیت کا اہتمام کیا جاتا۔ لیکن اس طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

میں جوڈیشل ٹریننگ سے وابستہ رہا ہوں۔ جب حدود قوانین کے نفاذ کا وقت آیا تو آپ نے سنا پڑھا ہوگا کہ ڈاکٹروں نے ایک قرارداد منظور کی کہ کسی کا ہاتھ کاٹنا غلط ہے۔ اور یہ چونکہ ظلم ہے اس لئے ہم تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹیں گے۔ میں نے اس وقت کی پنجاب حکومت کو توجہ دلائی۔ امریکہ میں ہم نے ٹریننگ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ وہاں ہم نے تقریباً ۱۴ کورسوں میں ڈاکٹروں کو بھی شامل کیا تاکہ ان کو پتہ چلے کہ اس میں تو انصاف ہے، ظلم نہیں۔ ایک موقع پر میں نے ایک مثال دی کہ ایک وکیل جب جج مقرر ہوگئے اور جب پہلا مقدمہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے سوچا کہ میں ایک انسان ہوتے ہوئے دوسرے انسان کو پھانسی کی سزا کیسے دوں گا۔ وہ بڑے پریشان ہوگئے۔ مقدمہ کی سماعت کرکے فیصلہ کی گھڑی آئی تو وہ بہت گھبرائے۔ چھٹی لے کر گھر آئے۔ اتفاق سے ان کے والد بھی سیشن جج رہے تھے۔ والد صاحب کے پوچھنے پر بتایا کہ میں ایک انسان ہوں۔ اگر سارے ثبوت بھی موجود ہوں، تب بھی میں کسی کو پھانسی کی سزا کیسے دے سکتا ہوں۔ ان کے والد نے کہا کہ بیٹا! اگر آپ ایک سانپ کو چلتا دیکھتے ہیں اور آپ کو پتہ ہو کہ یہ زہریلا ہے اور لوگوں کا ڈستا ہے تو آپ اس کے ساتھ کیا کریں گے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ظاہر ہے میں اس کو ماردوں گا۔ باپ نے کہا کہ جو انسان کسی دوسرے انسان کو بلاوجہ قتل کرے وہ بھی بعینہٖ اس سانپ کی طرح ہے جس کو تم مارنے کے لئے تیار ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تم صحیح فیصلہ پر پہنچو، اور جب صحیح فیصلہ تک پہنچو تو کوئی بات، کوئی خیال، کوئی خوف یا کوئی لالچ تمہیں انصاف کرنے سے روکنے نہ پائے، چاہے اس کے لئے کسی کو پھانسی کی سزا کیوں نہ سنانی پڑے۔

میں یہی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نفاذ شریعت کا عمل کامیاب بنانے کے لئے ضروری تھا کہ وہ تمام لوگ جو اس عمل میں شریک ہوں، چاہیے یہ تھا کہ ان کے اذہان بنائے جاتے۔ انہیں اسلامی مقاصد سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب فوری سزائیں دینے کے لئے خصوصی عدالتیں قائم کی گئیں تو اس وقت میں لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس تھا۔ یہ چیز جب چیلنج ہوئی تو میں نے فیصلہ دیا تھا کہ نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے جو پروسیجر دیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ بات کیا تھی؟ یا تو ذہن کی وہ تیاری کریں جو اسلام کا تقاضا ہے۔ لیکن اگر کریمنل پروسیجر ہی چلنا ہے اور باقی ترتیب وہی رہنا ہے تو پھر وہی ہونا ہے جو دوسرے قوانین کے ساتھ ہوا۔

غازی صاحب نے مثال دی۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ ایک نابینا بچی کو سزا سنائی گئی تو اگرچہ اس سزا کے خلاف اپیل کی گئی اور سزا کا فیصلہ منسوخ کر دیا گیا لیکن ہمارا سیکولر طبقہ، این جی اوز اور باہر سے تعلق رکھنے والے لوگ، آج تک سزا کی بات تو کرتے ہیں لیکن اپیل اور سزا کی منسوخی کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ آخری فیصلہ دیکھیں کہ اس میں کیا ہوا ہے، ٹھیک ہے یا غلط ہے۔ لیکن اسلامی قوانین میں اگر کوئی غلطی ہوئی ہے یا نہیں بھی ہوئی ہے اور وہ فیصلہ آپ کے مزاج کے خلاف ہے تو اس کے تو اشتہار لگتے ہیں۔ اور اگر وہ فیصلہ ان کے خیال کے مطابق ٹھیک ہوا ہو تو اس کو کوئی یاد نہیں کرتا۔

حدود کی مختلف شقوں پر جتنے بھی اعتراضات ہیں، ان پر غور و فکر اور دلیل کے ساتھ ان کا جواب دے کر رہنمائی کی جائے کہ حدود قوانین میں اگر کوئی نقائص ہیں اور ان کے نفاذ میں اگر کوئی مشکلات ہیں تو ان کا کیا حل ہے۔ میرے خیال میں اگر ہم نے ان خطوط پر غور و فکر کر کے ان مسائل کے حل کی طرف کوئی پیش رفت کی تو یہ دین اور خود اس معاشرہ کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

اس کے ساتھ میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ جتنے بھی مقالے پیش کئے جائیں، ان کو عقلی لحاظ سے اور دلیل کے ساتھ پیش کیجئے جو اعتراضات کرنے والے ہیں اور جو اسلامی نظام کو کسی صورت میں پسند نہیں کرتے، ان کی تنقید برائے تنقید کا سلسلہ تو چلتا رہے گا۔ لیکن اس ملک میں عامۃ المسلمین انصاف چاہتی ہے اور انصاف اسلامی قانون کے تحت ہی مل سکتا ہے۔

ایک دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ جناب جب باقی سارا معاشرہ غیر اسلامی ہے، تمدن

غیر اسلامی ہے، معیشت غیر اسلامی ہے تو پھر قانون کو اسلامی بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون میں ان تمام باتوں کا تصور موجود ہے جس کو دیکھنا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے پاس ترتیب کے لحاظ سے جتنا مواد آیا ہے، اس میں کچھ ایسی چیزوں کو بھی دلیل بنایا جاتا ہے جو دلیل کے زمرے میں نہیں آتیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ قطع ید اور رجم کی سزائیں تو عادی مجرموں کے لیئے ہیں۔ اس کے لئے حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جناب انہوں نے کہا کہ زانی اس کو کہا جاتا ہے جو کئی بار اس جرم کا ارتکاب کرے۔ ایک بار یہ جرم کرنے والے کو تو زانی نہیں کہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ زانی کی جو سزا مقرر کی گئی ہے اس کو تو فراموش کر دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ملزم اور مجرم میں بہت فرق ہے۔ ملزم تو وہ ہے جس پر الزام ہو جبکہ مجرم وہ ہے جس پر تفتیش کے بعد ثبوت کے ساتھ ثابت ہو جائے اور عدالت کہہ دے کہ اس نے زنا کیا ہے تو پھر وہ مجرم ہے۔

پہلی بار جرم کرنے پر مجرم نہ قرار دینے کے سلسلہ میں یہ مثال دی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے یہ جرم سرزد ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ٹھیک ہے، نماز کا وقت ہو رہا ہے، نماز پڑھو۔ نماز کے بعد جب اس آدمی نے حضورؐ کو دوبارہ یاد دلایا تو آپؐ نے پوچھا کہ کیا تم نے میرے پیچھے نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا کہ پڑھی۔ آپؐ نے پوچھا کہ استغفار کیا؟ جواب دیا کہ ہاں کیا۔ آپؐ نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، اللہ قبول کرنے والا ہے۔

تو اب یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ وہ ایک عادی مجرم نہیں تھا، اس لئے رسول اللہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب یہ نہیں سمجھ آئی کہ جب اقرار ہوگا تو چار مرتبہ کرنا ہوگا۔ اور اگر عدالت نے سزا دینی ہے تو شکایت پر دینی ہے۔ اگر ایک آدمی ایک بار ایسی بات کہے، اور کہے کہ میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں تو حاکم اس کو اقرار قرار دے کر سزا نہیں دے گا۔ حاکم کہے جاؤ اللہ سے معافی مانگو۔ اور ایسا کیس ہمارے پاس ہے کہ جب حضورؐ نے کہا، جاؤ اللہ سے معافی مانگو اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ لیکن ایک دوسرے موقع پر ایک عورت مڑ کر دوسری طرف سے آئی اور اعتراف کیا۔ اس

نے چار بار اعتراف کیا اور آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ اللہ سے معافی مانگو، وہ غفور الرحیم ہے، وہ توبہ قبول کرتا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ نہیں مجھے گناہوں سے پاک کرو، میں اس صورت میں اللہ کے سامنے نہیں جانا چاہتی۔ اب ان دو صورتوں میں فرق کرنا بہت ضروری ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ حضورؐ نے کہا کہ اچھا تمہاری توبہ قبول ہے، جاؤ توبہ کرو اور سزا نہیں دی، کیونکہ وہ عادی مجرم نہیں تھا۔ ایسی بات نہیں تھی۔ الزام الگ بات ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس شکایت موجود ہو۔ اور اگر حاکم کے پاس شکایت موجود نہیں اور پھر اس پر گواہ موجود نہیں تو پھر اس کو سزا نہیں ہوگی۔

عرض کرنے کا مقصد یہی ہے کہ آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ قانون میں کیا کیا خامیاں ہیں اور ان خامیوں کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ان شاء اللہ ہر چیز کو تفصیلاً دیکھتے ہوئے ان شاء اللہ آخر میں ہم ایک خلاصہ بنائیں گے کہ اس پوری سوچ بچار کا کیا نتیجہ ہے۔ اور یہ تمام کوشش ہمارے قانون دان اور قانون ساز حضرات کے لئے آگہی کا باعث بنے گا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں ایک تجویز دینا چاہوں گا کہ ہمارے ہاں شریعہ اکیڈمی میں سوڈانی عدلیہ کے جج صاحبان تربیتی سلسلے میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں ان کے لیے اس کارروائی کا خلاصہ عربی یا انگریزی میں بیان کرنا مفید رہے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔

افتتاحی خطاب

پروفیسر خورشید احمد*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة و السلام على

رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين

محترم خلیل الرحمٰن صاحب ریکٹر انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی،

برادر عزیز شیخ امجد علی صاحب

میرے نہایت ہی قابل احترام بھائیو بہنو!

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اسلامی یونیورسٹی اور شریعہ اکیڈمی کو یہ توفیق بخشی کہ اس نے اہم موضوع پر دو روزہ کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں تمام اہم مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت کی۔ اساتذہ اور قانون کے ماہرین اس میں شریک ہوئے اور ایک ایسے مسئلے پر کانفرنس منعقد کی جس کا تعلق ہمارے ایمان اور دین سے ہے۔ چونکہ ہم نے پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی معاشرہ اور مملکت بنانا ہے، اس لیے میں اس کانفرنس کو بڑا مبارک اجتماع سمجھتا ہوں اور جیسا کہ جسٹس خلیل الرحمان صاحب نے بھی کہا، اس پر میں اخیر میں آپ کے سامنے تجویز رکھوں گا کہ اس کام آگے بڑھانے کے لیے کیا کرنے کی ضرورت ہے۔

* چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، سینیٹر پاکستان سینٹ

لیکن اس سے پہلے یہ اعتراف کروں گا کہ میں صرف اس اختتامی اجلاس میں آپ کے ساتھ شریک ہوسکا ہوں۔ اس سے پہلے جو بحثیں ہوئی ہیں، ذاتی طور پر میں ان سے مستفید نہیں ہوسکا۔ لیکن فاروقی صاحب کی وساطت سے کم از کم سات مقالے جو اس محفل سے پہلے وصول ہو چکے تھے، میں نے ان سب کا مطالعہ کیا۔ جسٹس تقی عثمانی صاحب کا مقالہ میرے ہی ادارے میں اور میری ہی موجودگی میں پیش ہوا تھا۔ جو تقاریر آج ہوئی ہیں ان پر میں چند گزارشات کی جسارت کروں گا لیکن اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ دو تین بنیادی باتیں ہیں جو ہمارے ذہنوں میں واضح ہونی چاہئیں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ کوئی معاشرہ قانون کے بغیر مہذب معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ قانون کسی معاشرے کو وہ ضابطہ اور ان حقوق و فرائض کا نظام دیتا ہے جس کی بنا پر وہ معاشرہ اور اس میں شریک تمام افراد چین کی زندگی گزار سکتے ہیں اور جس کو قانون فوجداری یا کرمنل لا کہا جاتا ہے۔ اس کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ ایک معاشرہ اپنی بنیادی اقدار اور بنیادی روایات کو تحفظ دینے کے لیے ایسا قانون بناتا ہے کہ ان قواعد، ان اقدار اور ان بنیادوں سے جو بھی انحراف کرے اور خلاف ورزی کرے اسے سزا دی جائے اور اس پر گرفت ہو۔ کرمنل لا، دراصل ملک کی اقدار اور ملک کی روایات کے تحفظ کا ذریعہ ہوتا ہے اور آپ دیکھیے کہ شریعت کا کتنا عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے دو معاملات میں فرق رکھا ہے۔ اس معاملے میں جو ابدی اقدار ہیں، یعنی نہ تبدیل ہونے والی اقدار اور معاشرے کی تبدیل ہونے والی ضروریات ان ضرورتوں میں بھی مطلوب نامطلوب دونوں ہوتے ہیں۔ مطلوب کا تحفظ اور نامطلوب سے بچانے کی کوشش کو تعلیم و اخلاق، رواج و روایات کے ساتھ ساتھ قانون اور جرم اور سزا کے نظام سے ہم آہنگ بھی کرنا ہوتا ہے، یعنی ابدی اور غیر ابدی الگ الگ ہیں۔ انہیں شریعت نے حدود اور تعزیر کا نام دیا۔

اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے اور اس میں تاریخ انسانی کا ایک بڑا بنیادی مسئلہ حل کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر معاشرے کے لیے کچھ اقدار، کچھ اصول، کچھ بنیادیں ایسی ہوتی ہیں جو ثابت اور ناقابل تحریف ہیں۔ یہی وہ اقدار ہوتی ہیں جن سے کسی معاشرے کا تشخص

بنتا ہے، اس کا اخلاقی ،نظریاتی اور ثقافتی وجود سامنے آتا ہے اور اس کے ساتھ بہت سے ضابطے، قوانین اور اقدار ایسی ہوتی ہیں جو کسی خاص وقت کے لیے تو ضروری ہوتی ہیں لیکن زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ان میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے خطبہ بارہ میں بڑا مفصل اور چشم کشا کلام کیا ہے۔

میں اس کانفرنس میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ ذرا آپ غور کریں کہ صرف سات امور کیوں ہیں جن پر حد ہے اور باقی سب تعزیری امور ہیں۔ اگر مقاصد شریعت کا مطالعہ کریں اور امام شاطبی نے جس طرح اسے منضبط کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ اس میں دین کا تحفظ سب سے پہلی ضرورت ہے۔ پھر عقل کا تحفظ، جان کا تحفظ، مال کا تحفظ اور اس کے بعد نسل کا تحفظ۔ یہ پانچ بنیادی مقاصد ہیں جن پر شریعت کا پورا نظام مبنی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ حدود کا تعلق انہی پانچ امور سے ہے۔ حد کا قانون دین کی حفاظت کے لیے ہے، حد کا قانون عقل کے حوالے سے ہے۔ قصاص و دیت نفس کی حفاظت کے لیے ہے۔ زنا پر حد نسل کی حفاظت کے لیے ہے۔ قتل کا قانون مال اور جان کی حفاظت کے لیے ہے۔ آپ یہ دیکھیے کہ یہ حدود ہی ہیں جنہوں نے ہماری پوری اقدار کو سنبھال لیا ہے۔ اس کے بعد باقی جو بھی ضروریات ہیں، جو بھی جرائم ہیں اور جو بھی خرافات ہیں، اس دوسرے فریم ورک کے تحت وجود میں آئیں گے اور ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان حدود کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا جو اللہ اور رسول نے مقرر کر دی ہیں۔ اس رو سے ہمارا نظام فوجداری بدلتے ہوئے حالات کا پورا پورا اہتمام کرتا ہے۔ اب یہ دیکھیے کہ یہاں بھی یہ قوانین بڑے سخت ہیں۔ یہ سخت اس لیے ہیں کہ ان بنیادوں کا تحفظ ضروری تھا۔ وہیں آپ دیکھیے کہ اسلام نے معاشرہ ایسا بنایا ہے کہ عملاً ان سزاؤں کو جاری کرنے کا بہت ہی کم موقع آتا ہے، یعنی یہ لوگوں کو سزا دینے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس میں معاشرے کو سنبھالنے کی کوشش ہوتی ہے۔ یہ محض آج کی بات نہیں مسلمانوں کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، یہ قوانین اسی طرح رہے ہیں اور انہوں نے ان اقدار کی حفاظت کی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی خلاف ورزی پر جو سزائیں ہیں وہ شاذ و نادر نافذ ہوئی ہیں۔

اس پوری بات کو سامنے رکھ کر کے ہمیں آج حدود قوانین پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ جسٹس امجد نے بڑے وقار اور اعتماد کے ساتھ اس بات کو پیش کیا کہ اس ملک میں ۷۹، ۸۰ میں ان قوانین کو پہلی مرتبہ کتابِ قانون کا حصہ بنایا گیا۔ اب آج یہ ریت بن گئی ہے کہ جو اٹھتا ہے، جنرل ضیاء الحق کو گالی دیتا ہے۔ وہ بھی انسان تھے۔ خوبیاں خامیاں ہم سب میں موجود ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حدود قوانین کو کتابِ قانون کا حصہ بنانا ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

ساتھ ہی میں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ حدود قوانین کے خلاف جو مہم چل رہی ہے، اس میں یہ نہیں کہتا کہ کچھ افراد خلوص سے اس کے کچھ پہلوؤں سے غیر مطمئن نہیں ہوں گے۔ لیکن میں نے اس کا جتنا مطالعہ کیا ہے، اس کی روشنی میں آپ سے پوری دیانت داری سے عرض کرتا ہوں کہ سیکولر لابی، وہ نام نہاد لبرل عناصر جنھیں اسلام سے کد ہے اور وہ بین الاقوامی قوتیں، حکومتیں، ایجنسیاں، میڈیا اور این جی اوسب اس کام میں لگے ہوئے ہیں کہ ہر قیمت پر اس کی مخالفت کی جائے۔ لیکن ہمیں کسی جذباتی انداز میں نہیں، پوری دیانت کے ساتھ اور اپنے دین، اس کے قانون اور دلائل کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا ہے۔

میں آپ سے صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اصل مسئلہ چار قوانین حدود نہیں ہیں جو ۱۹۷۹ء میں ہمارے ملک میں نافذ کیے گئے۔ ان کے نفاذ میں خواہ کچھ بھی کمزوریاں خامیاں ہوں، اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا اسلام نے ملک کے قانون، معیشت اور اس کے اداروں کو متاثر کرنا ہے، اس کی روش بندی کرنی ہے، یا ریاست آزاد ہے، قانون آزاد ہے۔

اللہ کی ہدایت، قرآن و سنت کے احکام، مسلمانوں کی تاریخ اور روایت یہ سب ہمارا اثاثہ ہے۔ یہ اصل مسئلہ ہے۔ یہاں ہدف اسلام ہے۔ اسلام کا یہی وہ بنیادی کردار ہے جو زندگی کے بنیادی پہلوؤں میں رہنمائی کرتا ہے۔ یہ محض چار قوانین نہیں ہیں۔ مجھے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں کچھ مسلمان بھی شریک ہو گئے ہیں جو لاعلمی اور ایمان کی کمزوری کی بناء پر اس کام شریک ہو گئے ہیں۔ دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے لیکن مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی یہ بات کہتے ہیں کہ اسلام میں ریاست کا کام یہ ہے ہی نہیں کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے۔ حالانکہ قرآن صاف کہتا ہے کہ ہم جب مسلمانوں کو اقتدار دیتے ہیں تو وہ نماز

قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔قرآن نے تو بہت صاف کہہ دیا ہے کہ جب ہم انہیں اقتدار دیتے ہیں، قوت دیتے ہیں تو یہ کام کرنا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ وہ اصل مسئلہ ہے۔اس لیے ہمیں ڈٹ کر اس رویّے کا مقابلہ کرنا چاہیے۔کسی احساس جرم کے ساتھ نہیں اور کوئی معذرت خواہانہ رویہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا قانون ہے۔

اس کے بعد جو دوسرا پہلو یہ ہے کہ بہر حال ہر قانون جسے انسانوں نے مرتب کیا ہو، اس میں کچھ کمزوریاں اور کچھ خامیاں ہوتی ہیں، یا تجربے کی روشنی میں اس میں بہتری کی گنجائش ہوسکتی ہے۔اس بارے میں ہمارا ذہن کھلا ہونا چاہیے۔ہمیں بار بار جائزہ لینا چاہیے۔ یہی کام ہمارے فقہاء اور اہل علم نے بار بار کیا ہے۔لیکن یہ کام پوری دیانت کے ساتھ، اللہ اور اس کے رسول کی دی ہوئی ہدایت کے ساتھ اور پورے اعتماد اور اس کے یقین کے ساتھ ہو کہ اللہ سے وفاداری کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے دور میں ان کا موثر نفاذ کرنا ہے۔ یہ ضرورت ہے اور اس پس منظر میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ شریعہ اکیڈمی کی یہ کوشش ایک بڑی مفید اور بروقت کوشش ہے۔

جو مضامین میں نے پڑھے ہیں اور آج جو کچھ میں نے سنا ہے، اس کی روشنی میں یہ کہوں گا کہ میں نے ان تمام مقالات میں بحیثیت مجموعی سنجیدہ علمی اور باوقار انداز محسوس کیا، اگرچہ سب کی سطح یکساں نہیں ہے۔ میں ان سب مقالہ نگاروں کے لیے جو اس کام میں شریک ہوئے اللہ انہیں اجر دے۔۔ان مقالوں میں دوسری بات میں نے یہ محسوس کی کہ ان میں کوئی معذرت خواہانہ انداز اختیار نہیں کیا گیا۔کھلے ذہن کے ساتھ بات کی گئی ہے۔ بند ذہن کی بات نہیں، معذرت خوانہ انداز نہیں، بلکہ مثبت انداز ہے۔ میں مثبت انداز کا یہ پہلو بھی نمایاں کرنا چاہوں گا کہ جہاں ایک طرف قرآن وسنت کے احکام کی تشریح کی گئی ہے، وہیں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ موجودہ قانون میں کہاں اصلاحات ہوسکتی ہیں اور اسے کس طرح بہتر بنایا جا سکتا ہے، اس کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

تیسری بات میں نے یہ محسوس کی ہے کہ ان مقالوں میں کسی ایک فقہ کی نگاہ سے معاملات

کو دیکھنے کی کوشش نہیں گئی۔ بلکہ میں اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ تقریباً سبھی علماء نے اپنے اپنے مقالوں میں جس مسلک کو ہم راجح سمجھتے ہیں، یعنی حنفی مسلک، اس کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام مسالک، خصوصی طور پر مالکی مسلک اور حنبلی اصول بھی پیش کیے ہیں۔ جہاں کہیں دائرے کو وسیع کر کے مسائل حل کرنے کی ضرورت تھی، اس کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ گویا قرآن وسنت اصل بنیاد ہیں۔ پوری فقہی میراث ہماری میراث ہے اور ہمیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہاں سے جتنی روشنی ملے، اپنے مسائل حل کرنے کے لیے اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔

چوتھی بات یہ کہ میں نے چند مقالوں میں یہ دیکھا کہ ان میں اسلامی قانون اور اسلامی فقہ کے اصولوں کے ساتھ ساتھ کامن لاء سے اس کا تقابلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی اور جہاں کہیں مغربی قانون کے یہاں پر رچ بس جانے کی وجہ سے خود شرعی احکام کی تعبیر میں الجھنیں پیش آ رہی ہے، انہیں عملاً ظاہر کر دیا گیا ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ انہوں نے اس بنا پر چیزوں کو دیکھا ہے۔ گویا تقابلی قانون کا یہ مطالعہ بھی آپ کے مقالوں میں موجود ہے۔

مجھے اعتراف کرنے میں کوئی تردد نہیں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے حدود قوانین کے نفاذ کے پاکستانی معاشرے پڑنے والے اثرات کا مطالعہ کیا، وہ ایک امریکی اسکالر ہے جس کے دو مضامین ایک مشہور عربی پرچے پیسفک افیئرز میں شائع ہوئے اور اس کے بعد اس کی کتاب کا پہلا ایڈیشن انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے شائع کیا جس میں پانچ مضامین اسی موضوع کے متعلق ہیں۔ پھر ہیومن رائٹ ٹرسٹ نے ایک بڑی اچھی رپورٹ شائع کی۔ اور لوگوں نے بھی اس طرف کام کیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی اس کانفرنس میں کم از کم دو مقالات بڑے اچھے انداز میں تیار کیے گئے ہیں اور ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر آپ لوگوں نے معاملات کا جائزہ لیا ہے۔ مجھے آپ کی اس کانفرنس میں جو جو چیزیں نظر آئیں، میں ان سب کو بہت ہی مثبت سمجھتا ہوں۔

اب میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس کام کو آگے بڑھانا ہے، جیسا کہ میرے بھائی شیخ امجد علی صاحب نے بھی کہا ہے اور رجسٹرار صاحب نے بھی اشارہ کیا ہے۔ بلاشبہ اس بات کی ضرورت ہے کہ پارلیمینٹ میں بھی کام ہو اور وزارت قانون میں بھی کام ہو لیکن شریعہ اکیڈمی اور

یونیورسٹی جو اس سلسلے میں یہ خدمات انجام دے سکتی ہیں کہ ان مقالات کی روشنی میں آپ ایک ٹاسک فورس بنائیں جس میں وہ علماء ہوں جنہوں نے اس قانون کا مطالعہ کیا ہو جنہوں نے مقالات پیش کیے ہیں وہ بھی ہوں، وکلاء بھی ہوں اور اگر ممکن ہو تو سماجی امور کے ایک دو ماہرین بھی ہوں۔ خاص طور پر یہ ایک سماجی ضرورت بھی ہے۔

اس کے بعد آپ حضرات اس کام کو سمیٹ کر ایک طرف یہ دیکھیں کہ ان حدود قوانین کی اصل نوعیت کیا ہے، ان کی ضرورت کیا ہے، ان کی اہمیت کیا ہے، اور یہ کہ قانون میں کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ نیز اس قانون کو اس کی صحیح اسپرٹ میں نافذ کرنے کے لیے دوسری کون سی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اس میں ان تبدیلیوں کی بات بھی آ جاتی ہے جس کی طرف جسٹس خلیل صاحب نے اشارہ کیا ہے اور جس میں ضابطوں کی تبدیلی کی بات بھی آ جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چند بنیادی سوالات بھی ہیں جو آپ کے مقالہ نگاروں نے اٹھائے ہیں۔ ان پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا زنا بالرضا ایک پبلک لا یا پرسنل لا ہے۔ یہ بڑا بنیادی سوال ہے جو اٹھایا گیا۔

اسی طرح یہ کہ کیا ایک یا ایک سے زیادہ پبلک لاء ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ہو سکتے ہیں تو ان کی کیا شکل ہے اور وہ کس طرح باہم ملائے جائیں گے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کچھ بڑے اہم سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ کچھ بہت ضروری ہیں جن کی وضاحتیں درکار ہیں، ان کی وضاحت کیجیے۔ حاصل یہ ہو کہ ایک طرف آپ ایک ایسی دستاویز تیار کریں جو جامع اور مدلل ہو تاکہ جو مسلمان اس وقت کسی شک میں مبتلا ہیں، ان کا ذہن صاف ہو جائے۔ بحیثیت ایک داعی کے یہ ہمارا فرض ہے۔ خواہ ہم پر اعتراض کرنے والے مخلص ہوں، یا نہ ہوں۔ ان کا کوئی بھی سیاسی ایجنڈا ہو۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دلیل سے ان کا جواب دیں اور کم از کم دلیل کے میدان میں ان کو خاموش کر دیں۔ باقی مفادات کی جنگ تو ہوتی رہے گی۔ پھر اس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ملک کی جو سیاسی قوتیں ہیں، پارلیمنٹ ہے، اسٹیبلشمنٹ ہے، ان تک بھی آپ پہنچ سکیں گے اور ان کو مطمئن کر سکیں گے۔

پھر ساتھ ہی ایک ڈرافٹ بل تیار کریں۔ حدود اور حدود آرڈیننس میں بہر حال ہمیں

فرق کرنا ہوگا۔ حدود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ حدود آرڈیننس میں کسی وضاحت، کسی اضافے اور کسی تبدیلی کی ضرورت ہے تو اصول فقہ اور اسلامی قانون کے قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں تجویز کرنا چاہیے۔ جو چیلنج ہمیں امجد صاحب نے دیا ہے، فی الواقع موجود ہے کہ عاقلہ کے قوانین کو آج کے دور میں کیسے نافذ کیا جائے۔ اس وقت معاشرہ دوسری قسم کا تھا۔ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ایک قسم کا اجتماعی کفالت کا نظام تھا۔ آج ہم اس کا کیسے متبادل بنا سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ وہ حالات ہیں جہاں ایک فرد غلطی کر جاتا ہے لیکن معاشرے کو اس کے لیے متبادل نظام بنانا چاہیے۔ لیکن وہ نظام کیا ہے؟ یہ ایک چیلنج ہے ہمیں اس معاملے میں مثبت تجاویز کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ تمام مکاتب فکر کے لیے آپ نقطہ اتصال ہیں۔ آپ کی بات پوری قوم کے لیے بنیاد بن سکتی ہے۔ اس بنا پر میں آپ کی کانفرنس میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ نتیجہ خیز ہو۔ اس کام کو آپ چھوڑ نہ دیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اگلے تین چار مہینے کے اندر سمیٹنے کی کوشش کریں تاکہ اس وسیع کانفرنس کے بعد آپ دس بارہ پندرہ افراد کو بلائیں۔ دو چار چھ دن آپ مل کر کے بیٹھیں تاکہ کوئی چیز نکلے۔ اس کے بعد یہ دیکھیں کہ کس طرح اس چیز میں مزید نکھار پیدا کیا جاسکتا ہے۔ پھر اس میں سے ایک حصہ کو، یعنی حاصل بحث کو بل کی شکل میں پیش کیا جاسکے۔ مجھے یقین ہے کہ امجد صاحب جیسا باصلاحیت ماہر قانون جو ڈرافٹ تیار کرسکتا ہے، ان جیسے ماہر افراد کی اس قوم میں بڑی کمی ہے۔ وہ ضرور آپ کی مدد کریں گے۔ وہ آپ کے لیے وقت نکال سکیں تو اس کام میں یہ ان کی تاریخی خدمت ہوگی جو کام آپ نے شروع کیا ہے۔ اس طرح یہ کام گویا صحیح نہج پر پہنچ سکے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس کانفرنس میں شرکت کا موقع دیا۔ میری دعا ہے اللہ آپ کو مزید توفیق اور کامیابی دے۔ اس طرح ہم حدود قوانین کا نہ صرف دفاع کریں بلکہ اللہ کے دیے ہوئے قانون کو اس کی اسپرٹ کے ساتھ ملک میں جاری وساری کرنے کی خدمت ہم بھی انجام دے سکیں۔

اس کے ساتھ میں آپ کا اس پر بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس کانفرنس سے میں نے بہت سیکھا ہے۔

خطاب

جسٹس (ر) شیخ امجد علی*

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ عرصہ ہوا، شام کے وقت ٹی وی کا سوئچ گھماتے ہوئے میں ایک پرائیویٹ چینل پر رُک گیا کیونکہ وہاں حدود قوانین پر بحث ہو رہی تھی۔ اس میں میرا نام بار بار طنزیہ انداز میں لیا جا رہا تھا۔ ہماری ایک معزز بہن کہہ رہی تھیں کہ ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت کو طوالت دینے اور اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے حدود قوانین نافذ کیے جس کے لیے انہوں نے سعودی عرب سے ایک مولوی کو بلایا اور یہاں سے جسٹس امجد کے ساتھ مل کر انہوں نے حدود قوانین کے ڈرافٹ تیار کیے جو آج تک ہمارے سروں پر مسلط ہیں۔ اس معزز بہن سے سیمینار وغیرہ میں ہماری اکثر بات ہوتی رہتی ہے اور یہی گفتگو زیر بحث ہوتی ہے کہ ان کے اس تبصرے کے باوجود مجھے ضیاء الحق کی نیت اور خلوص کا تو کوئی اندازہ نہیں کیونکہ نیت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ان کی کیا نیت تھی، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے یہ قوانین اپنے دور حکومت کو طویل کرنے کے لیے تیار کیے تھے یا کسی اور وجہ سے۔ یہ باتیں ہمارے سیاسی لیڈر اور تاریخ دان بہتر طور سے بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن میرا تعلق صرف قانون سے رہا اور میں اسی کے دائرے میں بات کروں گا۔

---

* ممبر کونسل آف شریعہ اکیڈمی

یہ بات میں ضرور عرض کروں گا کہ جب یہ قوانین نافذ کیے گئے تو اس وقت ساری دنیا میں ایک مختلف ماحول تھا۔ اسلامی نظام، یعنی احیائے اسلام کا دور دورہ تھا۔ عرب ممالک کو پہلی مرتبہ اپنے تیل کی وجہ سے اپنی طاقت کا احساس ہوا۔ اسلامی کانفرنس کی تشکیل ہوئی اور یہ بات بڑے زور اور ولولے سے محسوس ہونے لگی تھی کہ مسلمان جو اس دنیا کا پانچواں حصہ ہیں، ان کا ایک اپنا ایک الگ مقام ہے۔

اس سلسلے میں آپ صاحبان کے سامنے میں جنرل ضیاء الحق مرحوم کی ستمبر ۱۹۷۷ء کو کی جانے والی ایک تقریر کا اقتباس پیش کروں گا۔ میرا مقصد ضیاء الحق کی وکالت کرنا نہیں اور نہ میرا مقصد ان کا تشخص بڑھانا ہے۔ ان کی تقریر صرف اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ اس میں انہوں نے جو بات کی تھی، وہ آج زیادہ شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ ان کی تقریر کے یہ آخری دو پیراگراف ہیں جو پیش کرتا ہوں:

> اب ہم زندگی کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔ جہاں سے ایک راستہ یہ ہے کہ ہم خدانخواستہ گمراہی کی زندگی گزارتے گزارتے بالآخر تباہی کا شکار ہو جائیں۔ دوسرا یہ ہے کہ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو، اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگیں اور اپنی بقیہ زندگی اسلام کے مطابق گزار کر اس دنیا میں اور آخرت میں سرخرو ہوں۔ اس ملک کے رہنے والے پہلے ہی اپنی راہ کا تعین کر چکے ہیں۔ انفرادی طور پر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسلامی زندگی اختیار کریں اور اجتماعی طور پر بھی ہم قیام پاکستان سے پہلے عزم کر چکے ہیں کہ ہم ایک علیحدہ ملک قائم کریں گے، جہاں ہم اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ آج بھی اس ملک میں وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے جنوبی ایشیا کے شہر شہر، گلی گلی اور کوچے کوچے میں یہ نعرہ بلند کیا تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا إلٰہ الا اللہ۔

قطع نظر اس کے کہ اس تقریر سے جنرل ضیاء الحق کوئی سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے یا

نہیں، ان الفاظ میں جو سچائی پنہاں ہے اور جن امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ان کی شاید آج زیادہ شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور ہمیں یہ احساس کرنا ہوگا کہ ہم کس راہ کا تعین کریں۔ ہمارا آئین جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ہے، اس کے آرٹیکل ۲ میں یہ درج ہے کہ ملک پاکستان کا مذہب اسلام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسلام میں داخل ہو تو پورے کے پورے داخل ہو۔ اس سلسلے میں کوئی اگر مگر نہیں ہے (No ifs and buts)۔ آئین کے دیباچہ میں یہ درج ہے کہ اس مملکت کا ہر شہری انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالے۔ میں آرٹیکل ۲ الف کا ذکر نہیں کر رہا کیونکہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ ضیاء الحق صاحب نے آئین میں داخل کیا تھا بلکہ یہ بات قرارداد مقاصد کی بنیاد پر ہے۔ پھر دفعہ ۲۲۷ میں درج ہے کہ پاکستان کا کوئی قانون اسلامی تعلیمات، یعنی قرآن اور سنت کے خلاف نہیں بن سکتا۔ اسلامی نظریاتی کونسل پر جو ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر کے تسلسل میں ہے، لازم ہے کہ تمام قوانین کا جائزہ لے اور حکومت کو رپورٹ کرے کہ کون کون سے قوانین اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں تاکہ ان کو کتاب قانون سے نکالا جا سکے۔ بدقسمتی سے مغربی ذرائع ابلاغ کے دباؤ میں ہم نے اپنے قوانین کو خود ہی روندنا شروع کر دیا۔

جناب صدر! آپ کے علم میں ہے اور آپ بھی اس کام میں شامل رہے ہیں۔ جب یہ اسلامی قوانین اللہ کے فضل سے پاکستان میں متعارف کرائے گئے تو سب سے زیادہ اعتراضات دفعہ ۲۹۵۔سی تعزیرات پاکستان پر ہوئے جو رسول کریمؐ کی توہین کے مجرم سے متعلق ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے سترہ ممالک ایسے ہیں جہاں حضرت مسیحؑ کی توہین کی سزا مقرر ہے۔ کسی کو وہ قانون انسانی حقوق کے خلاف نظر نہیں آتے اور نہ بدقسمتی سے ہم میں سے کوئی کھڑا ہو کر یہ کہتا ہے کہ پہلے اپنے قوانین ٹھیک کرو۔ ہمارے قوانین میں تو کسی بھی نبی کی توہین برداشت نہیں کی جاتی بلکہ اس کی سزا مقرر ہے۔

ایک دفعہ ایک سیمینار میں جو ایک غیر ملکی سفارتخانے میں تھا، اس دفعہ پر میں نے کہا آپ کے اپنے ملک میں بھی ایسا قانون موجود ہے۔ چلیے ہمارے ملک میں سزا زیادہ ہے لیکن

آپ کے ملک میں یہ قانون موجود ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ہم نے کبھی سزا تو نہیں دی لیکن انہوں نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین قابل گرفت ہے۔اب حدود کے چار قوانین آپ حضرات کے علم میں ہیں۔وہ چار قوانین یہ ہیں:

1 The Offence Against Property

2 The Offence of Zina

3 The Offence of Qazf

4 The Prohibition Order

زنا آرڈیننس کے خلاف تنقید تو علیحدہ بات ہے لیکن بعض خواتین کا کہنا ہے کہ جب سے یہ قوانین نافذ ہوئے، خواتین کی تکالیف بڑھ چکی ہیں۔اس بارے میں تنقید تو بہت ہوتی ہے لیکن ماسوائے چند گھسی پٹی مثالوں کے کہ چرچ میں زنا بالجبر ہو جانا، لڑکیوں کے ہوسٹل میں زنا بالجبر ہونا اور گواہی کا مطلوبہ نصاب نہ ملنا وغیرہ۔وہی بات جو ابھی مجھ سے پیشتر مقالے میں ذکر کی گئی۔ گواہی کے علاوہ اس سلسلے میں اور کوئی نئی بات نہیں کی جا رہی۔

جیسے میں نے عرض کیا کہ یہ قوانین کسی مولوی نے تصنیف نہیں کیے یا کسی مولوی اور میری کسی سازش کا نتیجہ نہیں ہیں۔ان قوانین کے بنانے پر تقریباً ایک سال غور و خوض ہوا۔اب جو اسلامی نظریاتی کونسل ہے، اس کے ارکان کے میں نام بھی لیتا ہوں۔اس میں ایسے ایسے عالم شامل تھے جن میں سے اکثر فوت ہو چکے ہیں لیکن جن کے نام سن کر آج بھی ہمارے سر احترام سے جھک جاتے ہیں۔اسلامی نظریاتی کونسل کے اس وقت کے چیئرمین جسٹس محمد افضل چیمہ جو سپریم کورٹ کے جج بھی رہ چکے تھے۔جسٹس صلاح الدین جو سپریم کورٹ کے جج تھے۔اے کے بروہی جن کی قانونی مہارت اور اسلامی قوانین پر دسترس ایک مانی ہوئی بات ہے۔خواجہ قمر الدین سیالوی، مفتی سیاح الدین کاکاخیل، جناب خالد اسحاق جو ایڈووکیٹ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین کے ایک بہت بڑے مدبر تھے اور جن کے بارے میں مشہور ہے کہ پاکستان میں اسلامی قانون پر آج بھی ذاتی طور پر کسی شخص کی لائبریری ہے تو وہ خالد اسحاق صاحب کی ہے، مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا محمد تقی عثمانی جو بعد میں

شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج بھی رہے۔ میر جعفر حسین مجتہد، مولانا محمد حنیف ندوی، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور جناب تجمل حسین ہاشمی۔

جن "مولوی صاحب" کا ذکر کیا گیا، وہ معروف قانون دان بھی ہیں اور مملکت شام کے وزیر اعظم بھی رہ چکے ہیں اور اس وقت سعودی فرماں روا کے مشیر اور صدر مہتمم رابطہ عالم اسلامی تھے۔ ان کی سیاسی بصیرت اور اسلامی قانون پر عبور ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ حدود قوانین کو رائج ہوئے چھبیس سال ہو چکے ہیں۔ یہ موجودہ قوانین ہیں، ان پر عمل ہو رہا ہے، عدالتیں روزانہ ان قوانین کی روشنی میں فیصلے کرتی ہیں۔ ان پر جو اعتراضات ہیں وہ میری نگاہ میں بہت معمولی ہیں اور صرف چند اعتراضات قابل غور ہیں باقی جتنے اعتراضات ہیں، وہ فروعی نوعیت کے ہیں۔

پہلا قانون Offences Against Property یعنی جو حد سرقہ اور حرابہ کے بارے میں ہے۔ میرے علم کے مطابق یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں نصاب کی رقم بہت کم تھی اور کہا جاتا ہے کہ آج نصاب کی مالیت جو چار سوا چار ہزار روپے بنتی ہے، اس کا تعین بالکل نہیں ہونا چاہیے۔ اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ نصاب کا تعین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے۔ اب یہ کم ہے یا زیادہ ہے، کیا ہم اس سے روگردانی کر سکتے ہیں؟ آج تو شاید بعض لوگوں کے خیال میں نصاب کی مالیت دس لاکھ بھی بہت کم محسوس ہو لیکن ایک غریب آدمی کا تصور کیجیے۔ کچھ عرصہ ہوا، میرے ہمسائے نے اپنی ایک نوکرانی کی مدد کرنے کے لیے کہا جو لوگوں کے برتن مانجھ کر دو ڈھائی ہزار روپے ماہوار کما لیتی تھی۔ اس میں سے پانچ سو روپے وہ ایک پراپرٹی ڈیلر کو ادا کرتی تھی تاکہ وہ اسے ایک پلاٹ دلوا دے جس پر وہ اپنا مکان بنا سکے۔ لیکن پراپرٹی ایجنٹ دھوکے باز نکلا جس پر میرے ہمسائے نے مجھ سے بات کی۔ اب آپ خود اندازہ کیجیے اس عورت نے کس طرح اپنی خون پسینے کی کمائی سے اڑتیس ہزار روپے کتنے سالوں میں دیے تھے۔ اس کے لیے اڑتیس ہزار روپے شاید میرے آپ کے اڑتیس کروڑ روپے سے بھی زیادہ ہوں۔ کیا آپ نصاب کی مالیت بڑھا کر اس طرح کے معاملات کا مداوا کر سکتے ہیں۔

دوسرا قانون زنا آرڈیننس ہے جس کے بارے میں سب سے زیادہ بات چیت ہوتی

ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس قانون کے آنے سے خواتین کی تکالیف بڑھی ہیں۔ مجھے یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ہمارے لوگوں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا۔ اور یہ بات آپ سب کے علم میں ہوگی کہ زنا کے زیادہ مقدمات تب بنتے ہیں جب گھر سے بھاگا ہوا لڑکا اور لڑکی ملوث ہوں۔ جب وہ پکڑے جاتے ہیں تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے دباؤ پر اغوا اور زنا کا مقدمہ بن جاتا ہے اور پولیس اپنے مفاد کے لیے لڑکی کا اقرار جرم دفعہ ۱۶۴۔سی کے تحت درج کرواتی ہے۔ بعد میں جرم ثابت نہیں ہوتا۔ چاہے جعلی یا اصلی نکاح نامہ پیش ہو، تب یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ لڑکی اور لڑکا مری میں گھومتے رہے، کراچی کے ساحل پر بھی پائے گئے۔ اس وقت کوئی احتجاج نہیں ہوتا لیکن جب پکڑے جائیں تو زنا کا مقدمہ درج ہو جاتا ہے۔ اور مقدمے میں بھی جیسا ابھی مجھ سے پیشتر ایک مقالے میں کہا گیا کہ شاید ہی کسی کیس میں کسی عدالت نے لڑکی کو سزا دی ہو۔

اب اس سلسلہ میں صوبائی حکومتوں نے پولیس کو ہدایت کی ہے کہ اب ہر وہ کیس جو زنا کا ہو، اس میں لڑکی سے اقرار جرم نہ کرایا جائے، یعنی ایسے معاملات جن کا انتظامی حل موجود ہے وہاں اس قانون میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اس پر مزید غور ہو سکتا ہے اور ایک بات جو میرے علم میں آئی ہے کہ زنا آرڈیننس میں لڑکے اور لڑکی کی عمر میں فرق ہے۔ بالغ کی تعریف میں لڑکے کی عمر ۱۸ سال اور لڑکی کی عمر ۱۶ سال رکھی گئی ہے۔ گو کہ اسی تعریف میں بلوغت کا ذکر بھی شامل ہے لیکن پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ خواتین سے یہ امتیازی سلوک ہے۔ لڑکی ۱۶ سال کی عمر میں قابل سزا ہو جاتی ہے جبکہ لڑکے ۱۸ سال کی عمر میں۔ اس پر علماء بہتر رائے دے سکتے ہیں۔

تیسرا قانون قذف آرڈیننس ہے۔ اس میں قانون سے لاعلمی کے باعث Him اور Her پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس میں لاعلمی کی بات زیادہ ہے۔ General Clauses Act میں اور تعزیرات پاکستان میں یہ بات درج ہے لفظ He میں She شامل ہے اور اسی طرح لفظ She میں He شامل ہوتا ہے۔ جہاں مونث کا ذکر ہوگا تو مذکر بھی اس میں شامل ہوتا ہے اور یہ بات روز مجھے پیش آتی ہے جب میں ڈرافٹنگ کے اصول کے مطابق شخص (Person) لکھوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پرسن اور پرسنز (Persons) لکھا جائے، He اور She لکھنا چاہیے۔ تو یہ ایک

لاعلمی کی بات زیادہ ہے۔

چوتھا قانون Prohibition Order ہے جو مے نوشی کے متعلق ہے۔اس کے بارے میں بھی ہمیں سوچنا چاہیے کہ اس کے بعد ایک نیا قانون آ چکا ہے، یعنی Control of Narcotics Substances Act 1997۔ پہلے یہ آرڈیننس کی صورت میں آیا تھا، پھر ۱۹۹۷ء میں ایکٹ بن گیا۔ دونوں قوانین میں نشہ آور (Intoxicant) کی تعریف دی گئی ہے ۔اس میں تمام نشہ آور چیزوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے اور ان کے استعمال پر سزا کم ہے۔اس سے پولیس کو ایک موقع مل جاتا ہے کہ وہ مقدمہ درج کرتے وقت بدعنوانی کا ارتکاب کرے۔ چنانچہ پولیس پوچھتی ہے کہ تمہارا مقدمہ حدود قوانین کے تحت درج کیا جائے یا Control of Narcotics Substances Act کے تحت درج کیا جائے۔اس میں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ دونوں طرف سے کیا دلائل پیش کیے جائیں؟ کیا حد کی سزا شراب یعنی خمر کے علاوہ اور دوسرے نشے میں بھی جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسی بات ہے تو کیا نیا قانون صرف مے نوشی تک محدود کر دینا چاہیے؟

یہاں میرے ذہن سے ایک بات نکل گئی تھی۔ زنا آرڈیننس کے بارے میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ زنا بالجبر اور زنا بالرضا کی سزا ایک ہی ہے۔کہا جاتا ہے کہ زنا بالجبر کی سزا رجم نہیں ہونی چاہیے۔ اور نہ اس کے لیے گواہان کی تعداد اور دوسرے ثبوت وہی کے وہی ہونے چاہئیں جو زنا بالرضا کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ ویسے تو یہ کہا جاتا ہے کہ زنا بالرضا کی کوئی سزا ہی نہیں ہونی چاہیے۔اس کا فیصلہ بھی ہم سب کو کرنا پڑے گا کہ کیا ہم ملک میں جنسی آزادیاں چاہتے ہیں؟ کیا ہم انگریزوں کے اس قانون کے تحت زندگی گزارنا چاہتے ہیں جس کا ذکر تقی عثمانی نے بھی کیا یعنی دفعہ ۴۹۷ کے تحت جو حدود قوانین آنے کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہے جس کے تحت زنا برزن غیر (Adultery) کا مقدمہ صرف اسی صورت میں دائر ہوسکتا تھا جب خاوند یہ شکایت کرے کہ میری بیوی سے میری مرضی کے بغیر زنا ہوا ہے۔

یہاں بھی مجھ سے پیشتر مقالہ نگار نے ایک بات کی جس میں عاقلہ اور قسامت کا ذکر

ہے۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے قصاص و دیت کی دفعات کا ایک ایک لفظ میرا لکھا ہوا ہے؟ میری ذمہ داری کو میرے بعد لیکن ایک بات مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑتی ہے کہ ہم نے یہ قانون دسمبر ۱۹۷۹ کے اواخر یا اوائل ۱۹۸۰ء جنوری میں مکمل کر لیا تھا۔ اس قانون کو بغل میں دبائے ہوئے میں نے اسے سینکڑوں کمیٹیوں کے سامنے پیش کیا، سینکڑوں مجالس میں مجھ پر تنقید کی گئی لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہم عاقلہ اور قسامت کی تو بات کرتے ہیں لیکن مجال ہے کسی شخص نے ایک لفظ بھی لکھ کر دیا ہو کہ قسامت ایسے ہوگی اور عاقلہ ایسے ہوگی۔ جناب ڈاکٹر غازی صاحب یہاں موجود نہیں، انہوں نے انشورنس کی اسکیم عاقلہ کے لیے دی تھی۔ جب ۱۹۹۰ء میں اس پر قانون آ گیا تو ٹرانسپورٹروں نے ہڑتال کر دی کہ اس میں دیت کی رقم تو بہت زیادہ ہے جب میں نے ان کے سامنے قرآن رکھا کہ بتاؤ قتل خطا کی سزا کیا ہوگی؟ تو کندھے پہ صافے رکھے ہوئے لوگ بھی ان میں موجود تھے، میں تو گناہ گار آدمی ہوں۔ تو وہ جوان کے صدر اور سیکرٹری تھے، انہوں نے کہا کہ جناب قرآن کو تو ایک طرف رکھیں آپ۔ آپ ویسے ہم سے بات کریں کہ دیت کی دفعہ کو کیسے باہر نکالا جائے۔ آج بھی وہی صورت حال ہے۔ میں کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ یہاں بات اٹھائی گئی، اس لیے میں کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ سب سے پہلے اگر مجھے کسی نے رائے دی تو جناب جسٹس خلیل الرحمٰن صاحب نے دی۔ انہوں نے مجھے اپنے چیمبر میں بلایا۔ میں اس وقت وزارت قانون میں تھا۔ جناب جسٹس صاحب آپ کو شاید یاد نہ ہو لیکن مجھے یاد ہے۔ وہ اشرف کیس تھا، آپ نے ابھی فیصلہ نہیں سنایا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ دیکھیں کہ یہ اعتراضات ہو رہے ہیں۔ ادھر ہماری بدقسمتی یہی ہے کہ ہم ایک جذباتی قوم ہیں، ہم نعروں اور تقاریر پر یقین کرتے ہیں لیکن کام کرنے پر توجہ نہیں دیتے۔ جب ہم نے قصاص و دیت کا قانون بنایا تو جسٹس تقی عثمانی بھی ہمارے ساتھ شامل تھے۔ یہ دفعہ ہم نے کئی سال اس قانون میں رکھی اور بعد میں نکالنا پڑی۔ کسی نے اس کا کوئی عملی حل نہیں دیا۔ ہم صرف باتیں کرتے ہیں۔ اس کو کیسے عمل میں لایا جائے، یہ نہیں دیکھتے۔

آج آپ اپنے ہمسائے کو نہیں جانتے کہ کون آپ کے گھر کے ساتھ رہتا ہے، تو ہم قسامت کو لاگو کیسے کریں گے؟ اس پر ہم نے مختلف طریقے سوچے کہ عاقلہ کی کیا شکل ہو۔ میرا تو

بھائی بھی میری مدد نہیں کرے گا۔ وہ کہے گا کہ ٹھیک ہے، اسے پھانسی پر لٹکا دو۔ میں کیوں اس کے لیے اپنی طرف سے ساری عمر دیت کی رقم ادا کرتا رہوں۔ یہ ساری باتیں ہم نے سوچ بچار کے بعد کی تھیں لیکن پھر بھی جناب جسٹس خلیل الرحمٰن اور جناب صدر! [سینیٹر پروفیسر خورشید احمد] آپ بہت عرصہ پارلیمنٹ کے ممبر رہے ہیں، میں نے آپ کے ساتھ بھی کام کیا۔ آپ نے بہت سے قوانین کے خود ڈرافٹ بنا کر پیش کیے۔ بہت سے اسلامی قوانین میں ترامیم بھی پیش کیں، کچھ منظور ہوئیں، کچھ نامنظور ہوئیں اور آپ اس عمل سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ کانفرنسوں کے انعقاد سے اور مختلف محفلوں میں بیٹھ کر اور احاطہ تحریر میں لا کر یہ معاملات طے ہو سکتے ہیں۔ یہ معاملے تبھی طے ہوں گے جب ان کو تحریر میں لایا جائے، ان کا بل بنایا جائے جو پارلیمنٹ میں پیش ہو سکے۔ اگر ان حدود قوانین میں کوئی ایسی شق موجود ہے جو قرآن اور سنت کے خلاف ہے تو ہمیں بیٹھ کر اس پر تجاویز دینا چاہیے۔

جناب صدر! میں اس سلسلے میں یہ رائے دوں گا کہ ہم ایک کمیٹی تشکیل دیں جو اس کانفرنس کی رپورٹ کی روشنی میں، دیگر مقالات کی روشنی میں، ان تمام حدود قوانین اور دوسرے اسلامی قوانین کی روشنی میں جن پر اعتراض کیے جاتے ہیں، ان قوانین کا جائزہ لے کر ایک بل تیار کرے جو وزارت قانون یا وزارت مذہبی امور کی طرف سے پارلیمنٹ میں پیش کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس کمیٹی کا ٹرم آف ریفرنس بہت محدود ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ہم ان قوانین کو الف سے جانچنا شروع کر دیں۔ کمیٹی صرف ابتدائی اور خاص خاص مسائل کو دیکھے اور اپنی رائے دے۔ دنیا کی تمام یونیورسٹیاں اپنے ریسرچ پروگراموں کے تحت حکومت کے مختلف اداروں کو مشورے دیتی ہیں۔ امریکن بار ایسوسی ایشن جس میں نے بھی کام کیا، آپ یقین کریں کہ امریکہ میں بننے والے نوے فی صد قوانین کا اصل مأخذ امریکن بار ایسوسی ایشن ہوا کرتی ہے۔ وہ پورے کے پورے ڈرافٹ تیار کرتی ہے۔ مجھے امریکن یونیورسٹی چھوڑے تیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے لیکن آج بھی میرے گھر پر بہت سے ڈرافٹ آتے ہیں۔ اتنے کہ ہم ان کو ردی قرار دے دیتے ہیں۔ وہ لوگ کام کرتے ہیں۔ تو کیوں نہ اسلامی یونیورسٹی ایک فورم ثابت ہو اور ایسا

ڈرافٹ تیار کرے جو واقعی تمام طبقوں کو قابل قبول ہو اور ہم اس پر فخر کر سکیں کہ ہم نے واقعی ایک بل پیش کیا ہے۔ اور اسے آپ کے توسط سے پارلیمنٹ کو پیش کیا جائے۔

آپ کا بہت شکریہ! میرا موضوع بالکل مختلف قسم کا تھا۔ ہو سکتا ہے، میں نے کچھ دل آزاری بھی کی ہو لیکن یہ میرے دل کی آواز ہے۔ یہ اسلامی قوانین بناتے وقت مجھے دکھ پہنچتا تھا کہ اس سلسلے میں مجھے کسی سے کوئی عملی مدد نہیں مل رہی۔ بہت شکریہ۔

اختتامی خطاب

جسٹس (ر) خلیل الرحمان خان*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جناب پروفیسر خورشید احمد صاحب
جناب جسٹس شیخ امجد علی صاحب!

اسلامی قوانین جیسے اہم موضوع پر اس دو روزہ کانفرنس کے آخری اور اختتامی اجلاس میں، میں اپنی چند معروضات کے ساتھ پیش خدمت ہوں۔ اس ملک میں حدود اور اسلامی قوانین کے بارے میں جو عمومی تاثر دیا جا رہا ہے اور پچھلے چند سالوں سے اس تاثر کو جو تقویت دی جا رہی ہے، اس کے اسباب و محرکات ہم سب کے علم میں ہیں۔ ان میں سے ایک تاثر یہ ہے کہ حدود قوانین سے مسائل بڑھے ہیں۔ اور اس سے خاص طور پر عورتوں کے حقوق ضائع ہوئے ہیں۔ ایک تاثر یہ بھی ہے کہ یہ ایک ناکام قانون ہے، نہ اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے نہ پرکھنے کی حاجت ہے۔ اس میں ترمیم کی بھی ضرورت نہیں ہے، ان کو بیک قلم کالعدم قرار دے دیا جائے، یعنی قانون کی کتاب سے اس کو حذف کر دیا جائے۔ اس تاثر کی تشکیل میں ہماری بعض سیاسی قوتیں، غیر سرکاری تنظیمیں اور بعض دیگر لوگ بھی شامل ہیں۔ اگر معیار یہ ہو کہ قانون کتنا کامیاب ہے تو

---

* ریکٹر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد (۲۰۰۰ء-۲۰۰۵ء)

پھر میں یہ سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں کوئی قانون نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں پر ملکی دستور کا جو حشر ہر پانچ سال بعد ہوتا ہے، وہ سب کے علم میں ہے۔ اسے تو ایک طرف رکھیں، باقی جو چھوٹے قوانین اس کے تحت ہیں، ان کی صورت حال سے آپ بخوبی واقف ہیں۔

لیکن وہ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام کی عملداری ہو، ان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس دلیل کا جواب دلیل سے دیں جو اُن کے مخالفین پیش کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جن معروضی حقائق کی صورت میں کوئی اعتراض کرتے ہیں، جو اعداد و شمار دیتے ہیں، ان کا بھی جائزہ لیا جائے کہ وہ کس قدر صحیح ہیں۔ چند ایک مقالوں میں آپ کے سامنے دوسری قسم کے حقائق پر مبنی اعداد و شمار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعداد و شمار جو مخالفین دے رہے ہیں، صحیح نہیں ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ جب بھی کوئی قانون نافذ کریں گے تو اس میں عملی مشکلات پیش آئیں گی، یہ بات درست ہے۔

افتتاحی اجلاس میں جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے جو ان قوانین کے نفاذ میں شروع سے شامل رہے ہیں، یہ وضاحت کی تھی کہ ابتدا میں یہ خیال تھا کہ عدالتیں اور پھر مقننہ بھی جیسے جیسے ان قوانین کی تنفیذ میں مشکلات پیش آئیں گی، اس کا حل پیش کرتے جائیں گے۔ لیکن اسی اجلاس میں میں نے مختصراً یہ عرض کیا تھا کہ یہ جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا، وہ اس لحاظ سے صحیح نہیں تھا کہ ہماری عدالتوں میں شاید وہ استعداد نہ ہو جو اس کام کے لیے مطلوب ہے۔ خاص طور پر اسلامی قانون اور اس کے پروسیجر (Procedure) بنانے اور اس کے عمل پذیر اور نفاذ پذیر ہونے میں مدد و معاون ثابت ہونے کے لیے بہت سے اقدامات کی ضرورت ہے۔

میں اب بھی سمجھتا ہوں کہ اس کانفرنس میں ایک کمی رہ گئی ہے جو یہ ہے کہ جرم زنا پر تو کافی مقالے پیش ہوئے ہیں، کچھ مقالے سرقہ کے بارے میں ہیں، کچھ قذف کے بارے میں ہیں۔ لیکن جہاں تک قصاص و دیت کا تعلق ہے تو اس چھبیس سالہ عرصے میں جو مشکلات اور جو عملی پہلو سامنے آئے، ان پر تسلی بخش غور و خوض نہیں ہوا۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ ان عوامل کے بارے میں غور و خوض کیا جائے۔ ایسی صورت پیدا کرنا چاہیے کہ جتنی رپورٹیں یہاں عورت فاؤنڈیشن نے تیار کی ہیں، یا وہ

این جی اوز جو مغربی پیسے اور استعمار کے سائے میں چل رہی ہیں اور ہیومن رائٹس کمیشن نے جو تنقید کی ہے، انہوں نے اپنے طور پر جن خرابیوں کی نشان دہی کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں سے ایک ایک اعتراض کو لے کر ہر ایک کا موزوں جواب اور ہر ایک کی مثبت دلیل پیش کی جائے۔

اب کہنے کو ہمارے چند دینی علم رکھنے والے لوگ بھی ایک نئی کتاب لائے ہیں جس میں انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زنا اور جرم سرقہ کی سزا عادی مجرم کے لیے ہے اور جو ایک آدھ بار زنا کرلے اس کے لیے سزا نہیں ہے۔ اور اس کے لیے انہوں نے جو دلیل ڈھونڈی ہے، وہ ایک بہت ہی معتبر نام ہے، یعنی حضرت انور شاہ کشمیریؒ کا۔ جو کچھ شاہ صاحب نے لکھا ہے، اس کا پتا نہیں کس پیرائے میں ذکر ہے لیکن جس رائے کا ان لوگوں نے حوالہ دیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اگر کوئی سچ بولتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے سچ بولا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ صادق ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی نے ایک بار زنا کیا ہے تو اس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ زانی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ چوری کرنے والے اور ایک دفعہ زنا کرنے والے کو چور اور زانی نہیں کہیں گے، اس کو سزا نہیں دیں گے اور پھر آپ دیکھیں کہ انہوں نے مثالیں کیسی کیسی دیں۔ مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے زنا کا اقرار کیا تو نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ اس کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی اور نماز کے بعد اس نے جب پھر کہا کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہو گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: آپ نے میرے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ جی، پڑھی ہے۔ آپ نے استغفار کیا ہے؟ جی، کیا ہے۔ فرمایا: تو پھر اللہ آپ کو معاف کرنے والا ہے۔

اب وہ صاحب یہ بھول گئے کہ یہ اقرار پر جو سزا ہے، اس کو جرم زنا اس وقت سمجھا جائے گا، جب اس نے چار دفعہ اقرار کیا ہو۔ کیونکہ وہ تمام مقدمات جن میں اقرار پر رجم کی سزا دی گئی، ان میں ایک عورت کا کیس بڑا مشہور ہے جس نے ایک دفعہ اقرار کیا تھا۔ آپؐ نے اس سے کہا: جاؤ، اللہ سے معافی مانگو، وہ غفور اور رحیم ہے۔ اس نے دوسری دفعہ آ کر اصرار کیا تو آپ نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ اس نے تیسری طرف آ کر کہا۔ چار دفعہ کہا تو فرمایا: اچھا اس کو لے جاؤ۔

یہ بات کرتے ہوئے وہ یہ بھی بھول گئے کہ اس اسلامی قانون کا اصول یہ ہے کہ اللہ

ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے۔آپ بھی اپنے مسلمان بھائیوں کے گناہوں کی ستر پوشی کریں۔گویا سزا دینے کے لیے قاضی کے پاس شکایت موجود ہونا ضروری ہے۔اس کے لیے یہ جو آج کل پولیس ایف آئی آر درج کرتی ہے کہ فدوی فلاں سڑک سے گزر رہا تھا۔فلاں کے گھر کے دروازے کے پاس سے سنا کہ اندر کھسر پھسر ہو رہی تھی تو میں نے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا،اس طرح یہ جرم ہو رہا تھا،اور میں دروازہ توڑ کر اندر گیا اور ان کو پکڑ لیا اور یہ ہو گیا اور وہ ہو گیا۔

اسلام میں اس طرح کی کارروائی کی اجازت ہی نہیں ہے کہ کوئی کسی کا دروازہ توڑ کر یا سپاہی بن کر کسی کو نکال کر لائے اور پھر یہ کہے کہ ان سے یہ جرم سرزد ہو گیا۔اس کے لیے استغاثہ ضروری ہے،اور یہ بھی ضروری ہے کہ چار گواہ موجود ہوں۔اور چار گواہ بھی وہ جو مقررہ معیاد پر پورا اترتے ہیں۔پھر ان کا تزکیۃ الشہود ہو،اور اس کے بعد ملزم کو سزا دی جائے۔اب قانون کا کلیہ قاعدہ تو یہ ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ زانی کی سزا ہے تو زانی کون ہے۔اس کی اپنی ایک تشریح ہے،اس کے اپنے قواعد ہیں۔پھر جب تک اس جرم،یعنی زنا کے لیے الزام ہے،تو وہ الزام ہی ہے۔جب جرم ثابت ہو جائے تو وہ ملزم سے مجرم بنتا ہے۔جب وہ مجرم ثابت ہو جائے تو وہ پھر وہ زانی ہے۔اس زانی کی سزا ہے لیکن اس طرح کی مثال دے کر یہ کہنا کہ چونکہ جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا تھا۔کہ جاؤ،آپ جا کر اللہ سے معافی مانگو اور اس نے پھر اصرار نہیں کیا۔اور اس کا مطلب ان صاحب نے یہ نکالا کہ پہلے جرم پر سزا نہیں ہے،عادی مجرم کے لیے سزا ہے۔

اسی طرح اس دلیل کی بھی کوئی قانونی حیثیت نہیں کہ ایک دفعہ چوری کرنے والے کو آپ چور نہیں کہتے،بار بار کرنے والے کو کہتے ہیں۔اسی طرح ولی کی تعریف پر اعتراض ہوتا ہے اور پھر ابھی جسٹس امجد صاحب نے فرمایا کہ ایک موقف یہ اختیار کیا جا رہا ہے کہ زنا بالرضا کو جرم ہی نہیں تصور کرنا چاہیے،کیونکہ آپ کا جسم آپ کی اپنی ذاتی پراپرٹی ہے۔آپ اس کو جس طرح استعمال کریں،کوئی دوسرا آپ پر اعتراض کرنے والا کون ہے؟ جیسا کہ انگریزی قانون میں زنا برزنِ غیر،یعنی Adultery کے لیے خاوند کی شکایت ہونا ضروری ہے۔کوئی دوسرا شکایت

کرے تو اس پر وہ قانون قابل اطلاق نہیں ہے۔ یہ ہے زنا بالرضا۔ اگر کوئی اپنی مرضی سے کرتا ہے تو جسم اس کی اپنی پراپرٹی ہے۔ کرتا رہے، سزا کے کیا معنی ہیں؟ جنسی آزادی کے حق کی طلب، گاری مسلمان معاشرے میں، الامان والحفیظ۔

بات یہ ہے کہ، یا تو ہم مسلمان ہیں، یا نہیں ہیں۔ اگر مسلمان ہیں تو پھر قرآن کے حکم کے مطابق ہمارے اختیار میں یہ نہیں ہے کہ ہمیں جو پسند ہے اس کو کہیں ٹھیک، اور جو ناپسند ہے، اس کو کہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہم پہ لاگو نہیں ہو رہا۔ دیکھیے! اس میں جبر نہیں ہے کہ جو کوئی مسلمان نہیں رہنا چاہتا، نہ رہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اپنا نام خلیل الرحمٰن ہی رکھے۔ وہ اپنا نام بدل لے لیکن اگر وہ خلیل الرحمٰن ہے تو پھر اس کے لیے قرآن کی تعلیم حاصل کرنا اور قرآن کے احکام کا پابند ہونا لازم ہے، کیونکہ مسلمان کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے مالک سے یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ میں اپنی زندگی تیرے احکام کے مطابق گزاروں گا، تیرے احکام کی پابندی کروں گا۔ تیری حکم عدولی نہیں کروں گا۔ اور اگر میں اس دائرے سے باہر نکلنا چاہتا ہوں تو یہ چوائس اختیار کرنے کا حق ہے، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ میں خلیل الرحمٰن بھی رہوں اور میں یہ بھی کہوں کہ اللہ کے جو احکام ہیں، ان کا پابند نہیں ہوں۔ میں اپنی مرضی اور اپنی خواہشات کی پابندی کروں گا۔

اب میں واپس اس بات پر آتا ہوں کہ ہماری وہ بہنیں اور بھائی جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب ہم اسلام کی وہ تشریح کریں گے کہ جو ہم چاہتے ہیں۔ جو ہماری عقل اور صوابدید کے مطابق ہو، کیا ہر کوئی بغیر بنیادی علمی تحقیق کے ایسا کرنے کا مجاز ہوگا، عام قانون کو سمجھنے کے لیے پہلے کچھ سال پڑھنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ کئی سالوں کا تجربہ اور تجزیہ ہوتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک قانون دان ایسا ہے جو قانون کی تشریح کرسکتا ہے۔ اور اسلامی قانون کا یہ حال ہے کہ ہم میں سے جو کوئی جتنا بھی علم رکھتا ہے اور وہ قابل پذیرائی ہے اور وہ جو بات کرسکتا ہے، وہ قابل پذیرائی ہے۔ اور ہمارے کچھ لوگ جو قرآن کی تشریح کرتے ہیں، کہتے ہیں کیوں نہیں صاحب! میں بھی تو قرآن پڑھتا ہوں۔ اب تجوید کا علم تو ان کے پاس ہے نہیں کہ آیت ہی صحیح پڑھ سکیں لیکن آیت کا مطلب نکالنا اور تشریح کرنا ان کا ذاتی حق بن جاتا ہے۔

گزارش صرف اتنی ہے کہ ہم آپ جو اہل علم لوگ ہیں، ان کا یہ فرض بنتا ہے کہ جو تنقید کی جاتی ہے، اس تنقید کا بغور مطالعہ کر کے اس کا دلیل سے جواب دیں۔ اس دلیل کے بعد قائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ پھر بتایا جائے کہ اصل بات کیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب یہ کہاں اجازت ہے کہ آپ حدود کا قانون اقلیتوں پر نافذ کریں۔ جو قانون اس وقت موجود ہے، اس میں دو تین دفعات اقلیتوں سے متعلق ہیں۔ ان میں یہ کہا گیا ہے کہ پرسنل لا کے متاثرین اگر عیسائی ہوں تو ان کے جو وارث ہوں گے، وہ اپنے پرسنل لا کے تحت آئیں گے۔ ان پر اسلامی قانون لاگو نہیں ہوگا تو یہ خواہ مخواہ کچھ باتیں ایسی ہیں جو محض ناواقفیت کی وجہ سے کی جاتی ہیں۔

قصاص اور دیت میں بہت سی باتیں آئی ہیں، ان پر بھی میرا خیال ہے کہ ان کی تشفی کے لیے بات کرنا لازم ہے۔ سب سے بڑی بات جو دیت کے بارے میں کہی جا رہی ہے۔ کہ کئی کئی سال لوگ دیت کی عدم ادائیگی کی وجہ سے جیلوں میں پڑے رہے۔ ہوا یہ کہ ۱۹۹۸ء میں پشاور ہائی کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں یہ کہا کہ وفاقی وزارت قانون اس پر کوئی طریق کار وضع کرے۔ اور قانون میں جو تضادات ہیں جن کی تشریح نہیں کی گئی ہے۔ اس بارے میں کوئی راہنمائی مہیا کرے۔

سپریم کورٹ نے ۲۷ نومبر کو یہ معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے کیا کہ جو لوگ دیت کی رقم کی ادائیگی نہیں کر سکتے، ان کے بارے میں کونسل یہ دیکھے کہ کیا طریق کار وضع کیا جائے۔ بعض فیصلوں میں ہائی کورٹ نے بیت المال کو کہا کہ آپ ادائیگی کریں کیوں کہ لوگ دیت کی ادائیگی نہیں کر سکتے۔ یہ اسلامی عدل کے تصور کے خلاف ہے کہ ایک آدمی اپنی غربت کی وجہ سے جیل میں پڑا رہے۔ چنانچہ اگر اس نے اپنی دیت ادا نہیں کی تو بیت المال ادا کرے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ اس کے لیے زکوٰۃ فنڈ میں سے ادائیگی کی جائے۔ یہ جو ریفرنس اسلامی نظریاتی کونسل میں کیا گیا، اس بارے میں کونسل نے یہ رائے دی کہ ہائی کورٹ کا فیصلہ غلط ہے۔ روزانہ غفلت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اتنے لوگ مارے جا رہے ہیں اور اگر یہ ہو گیا تو یہ بیت المال پر بڑا بوجھ ہوگا۔ اس لیے یہ فیصلہ صحیح نہیں ہے، اس پر اپیل ہونی چاہیے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ بھی نہیں

ہوسکتا کہ زکوٰۃ فنڈ میں سے دیا جائے ۔اس طرح زکوٰۃ فنڈ میں سے پیسے کم ہوجائیں گے۔اس لیے عدالتوں میں ایسے فیصلوں کے خلاف اپیلیں ہونی چاہییں، چنانچہ اپیلیں دائر ہوگئیں۔

عابد حسین کیس (پی ایل ڈی ۲۰۰۲ صفحہ ۴۸۲) میں ایک جج صاحب نے دیت کے بارے میں کہا کہ یہ اسلامی عدل کے خلاف ہے اور یہ گویا غربت کی سزا ہے۔ مجرم دیت نہیں دے سکا اور اس وجہ سے جیل میں جا پڑا، تو انہوں نے کہا کہ یہ جتنی دفعات ہیں وہ مطلوبہ راہنمائی مہیا نہیں کرتیں اور اس لیے کہا گیا کہ یہ تمام اسلامی قانون کی بنیاد کے خلاف ہیں اور یوں یہ دستور کی خلاف ورزی ہے۔ انہوں نے اسے کالعدم قرار دے دیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ میری نظر میں اس کا حل یہ ہے کہ ۳۴۵ دفعہ فوجداری کے تحت جب کوئی جرمانہ ادا نہ کر سکے، اسے مقرر کردہ سزا کے علاوہ چھ مہینے تک جیل میں رکھا جاسکتا ہے۔ اسے مزید قید میں نہ رکھا جائے بلکہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اور پھر لینڈ ریونیو قانون کے مطابق جرمانہ وصول کرلیا جائے۔ اگر کسی وقت اس کے پاس وسائل جمع ہوجائیں تو دیت بھی وصول کی جائے۔

اس فیصلے کے خلاف دو اپیلیں ۲۰۰۳ء میں اپیل نمبر ۱۹۱ اور اپیل نمبر ۶۷ ہوئی ہیں۔ یہ اپیلیں ۲۰۰۳ء میں سپریم کورٹ میں دائر ہوئیں اور اس فیصلے کا حکم امتناعی جاری نہیں کیا گیا۔ صرف یہ کہا گیا کہ جس نے اپیل کی تھی، اس کو نہیں پکڑا جائے گا۔ اس وقت تک اطلاع یہ ہے کہ اس کے بعد جب باقی لوگوں کو نہیں چھوڑا گیا تو چند ایک نے ہائی کورٹ میں پٹیشن داخل کیں کہ اس فیصلے کے مطابق ان کو رہا کیا جائے، جب فیصلہ ہوگیا تو پھر کیوں نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ ان جج صاحب کے پاس جن کا یہ فیصلہ تھا اس قسم کے مقدمے پیش ہونے بند ہوگئے۔ آج بھی میں نے جیل سے معلوم کیا کہ تو انہوں نے کہا کہ ہم تو رہا نہیں کررہے۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں۔ اس فیصلے کے تحت ہم نے تو کسی کو نہیں چھوڑا۔ ہدایات یہ ہیں کہ ان کو قید میں رکھو۔

اب یہ ایک بہت بڑا انسانی مسئلہ ہے جس کے لیے سوچ درکار ہے۔ میں نے دوسرے ملکوں میں دیکھا کہ سعودی عرب میں، مثال کے طور پر آپ کو پتا ہے کہ رمضان سے پہلے دولت مند لوگ زکوٰۃ اور صدقات کی شکل میں اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں۔ متمول حضرات یہ کرتے ہیں

جیلوں میں جا کر پتا کرتے ہیں کہ ایسے لوگ جو صرف اس وجہ سے بند ہوں کہ پیسے (جرمانہ یا دیت) نہ دے سکتے ہوں تو وہ پیسے دے کر چھڑا لیتے ہیں۔ یہاں بھی جیلوں میں بعض لوگ اس طرح کر رہے ہیں۔ وہ جیل جا کر پیسے دیتے ہیں اور لوگوں کو چھڑا لیتے ہیں۔ ایک دفعہ اخبار میں یہ بھی دیکھا کہ کسی اور ملک میں دیت کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ایک لڑکا جیل میں بند تھا۔ اس نے میڈیا میں اپیل کی تو سعودی شاہی خاندان کے افراد نے اس کو چھڑانے کے لیے اس ملک میں پیسے بھجوائے۔

میرے خیال میں بیت المال کا جو مصرف ہے، وہ اس بنیاد پر ہونا چاہیے کہ لوگوں کو آسانیاں فراہم کی جائیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ متمول لوگوں کی کمیٹیاں ہوں جو اپنے علاقوں کی جیلوں میں دیکھیں کہ کون لوگ ہیں جو دیت کی عدم ادائیگی کی وجہ سے جیلوں میں بند ہیں۔ پھر اگر بیت المال یہ کام کرتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کو روزگار مہیا کرے۔ اور ان کو روزگار دے کر وہ قسطوں میں یا جس طرح بھی ممکن ہو ادائیگی ممکن بنائیں، قانون میں یہ ہے کہ عدالتیں تین سال کی قسطیں مقرر کر سکتی ہیں تا کہ لوگ دیت کی رقم تین سال میں ادا کر سکیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ جب چھوڑا جائے تو وہ اس کے لیے سیکورٹی پیش کرے گا۔ ایسا آدمی جو پیسے ہی نہیں دے سکتا، وہ سیکورٹی کہاں سے لائے گا۔ جب سیکورٹی پر وہ جیل سے باہر نہیں آئے گا تو پیسے کہاں سے کمائے گا۔ اور تین سال کی مدت سے وہ کیسے استفادہ کرے گا جس میں وہ پیسے دے سکے۔

ان سب قانونی تضادات پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ اس لیے ضروری یہ ہے کہ اسے تین سال کا عرصہ دیا جائے اور یہی قانون کا منشا تھا۔ اب تین سال کا عرصہ دینے کے لیے اس سے سیکورٹی مانگنا بھی ظلم ہوگا، یعنی اگر وہ تین سال میں نہیں دے سکتا تو اس کو جیل میں ڈال دو۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قانون پر عمل بہت مشکل کام ہے۔ خاص کر پاکستان میں یہ رواج ہی نہیں کہ ہم قانون پر عمل کریں۔

اس تجزیے کے بعد ان حالات میں میں کچھ تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں:

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے ان لوگوں کی ذہنی ساخت اس راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے جو اس نظام سے متعلق ہیں۔ اس میں پولیس آتی ہے، اس میں جیل انتظامیہ شامل

ہے،اس میں عدالتی عملہ آتا ہے، جج صاحبان وغیرہ، یہ سب اس کا حصہ ہیں۔ان لوگوں کی تربیت کا انتظام ہونا چاہیے۔اسلام آباد میں ایک جوڈیشل اکیڈمی بنائی گئی ہے لیکن اس کا استعمال بھرپور نہیں ہے۔بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی ہے جس میں ججوں کا کورس ہوتا ہے۔لیکن پنجاب کی عدلیہ جو کہ ملک کی بڑی عدلیہ ہے۔اس کورس میں اس کی طرف سے نامزدگی ہی نہیں ہوتی، باقی سارے صوبوں سے ہوتی ہے۔کیونکہ پنجاب والے بڑے پڑھے لکھے لوگ ہیں جو سب کچھ جانتے ہیں۔اس لیے انہیں کسی تربیت کی ضرورت نہیں ہے۔پچھلے چھ سات سال سے جو بھی چیف جسٹس رہا ہے، اس نے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ اس کے ججوں کو بھی تربیت کی ضرورت ہے، ماہرین کی ضرورت ہے، اتنے نئے نئے قوانین آرہے ہیں۔شریعہ کے قانون کو تو چھوڑ یئے، اس کے علاوہ اتنے نئے قوانین آرہے ہیں۔مارکیٹ اکانومی کے تحت سائبر قوانین آگئے، اور بہت کچھ آگیا۔جو قانون ججوں نے ایل ایل بی میں پڑھا تھا اور جو بیچارے اپنے مقدمات سنتے ہیں اور جو انہوں نے علم حاصل کیا، اس میں وہ عقل کل ہیں اور ان کو کسی کی ضرورت نہیں ہے، خاص کر پنجاب عدلیہ کو۔حالانکہ ان سب کی تربیت ہونی چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کی قبل از ملازمت تربیت ہونی چاہیے۔ان کے لیے ریفریشر کورس بھی ہونے چاہئیں جن میں ان کی عملی مشکلات پر بحث ہو۔وہ یہاں آئیں، ماہرین بھی آئیں اور ان کو یہ بتائیں کہ ان مسائل کا یہ حل ہے۔میں آپ سے یہ عرض کروں کہ دنیا اس وقت قیامت کی رفتار سے چل رہی ہے۔برطانیہ کا دیوانی قانون پچھلے چار سال میں اس قدر تبدیل ہو چکا ہے کہ سو سال پرانا قانون ختم ہو کر رہ گیا ہے۔وہاں زبردست تبدیلی آئی ہے اور مقدمہ نمٹانے کا جو طریق کار وہاں پر ہے، اسے انہوں نے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔لیکن میں دعویٰ کرتا ہوں، آج ہمارے کسی جج صاحب سے پوچھ لیجیے کہ وہاں کیا سسٹم ہے، کسی کو معلوم نہیں ہوگا لیکن ہمیں تو علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔آبادی کے لحاظ سے، کئی دوسرے لحاظ سے اور وسائل کے لحاظ سے، سب سے بڑی عدلیہ کا یہ حال ہے۔

اس سلسلے میں پولیس کی بھی تربیت ضروری ہے، عملے کی تربیت ہو کہ تفتیش کیسے کی

جائے؟ نیز ان سب کو اسلام کے قوانین کا مقصد سمجھانے کی ضرورت ہے؟

حدود قوانین میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ جب قوانین اسلامی کا نفاذ ہوا تو کئی اور بھی قانون موجود تھے۔ مارشل لا کا قانون تھا، عام دوسرا قانون تھا، پھر یہ قانون آئے۔ اور پھر ان لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جو پوچھتے تھے کہ پرچہ رجسٹرڈ کرانا ہے تو کون سے قانون کے تحت کرانا ہے۔ یہ نرخ ہیں۔ اس کے تحت کرانا تو اس کے اتنے پیسے ہوں گے۔ اس طرح تو اسلامی قانون کی برکات نہیں مل سکتیں۔ گویا پہلی چیز تربیت ہے اور اس کے بعد دیگر امور آتے ہیں۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب تربیت کے لیے باقاعدہ قانون اور پروگرام بنا دیا جائے۔ یہ کام محض چیف جسٹس کی صوابدید پر نہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ تربیت پر بھیجے یا نہ بھیجے۔ یہ لازماً ہو، جیسے بیوروکریسی کے جتنے لوگ تربیت کے لیے آتے ہیں، وہ قانوناً آتے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ ایک گریڈ سے دوسرے گریڈ میں جانے کے لیے کسی تربیتی کورس میں کامیاب ہوں تبھی ترقی پا سکیں گے۔ آرمی کا یہی قانون ہے لیکن عدلیہ کے لیے کوئی قانون نہیں ہے۔

اس کے بعد جیوریڈیکل ریویو آف لا ہے۔ اس کے لیے وزارت قانون میں ایک خصوصی سیل ہونا چاہیے جس میں سائبر قوانین پر تحقیق ہو۔ میں ملائشیا گیا تو دیکھا ۱۹۸۵ء میں سائبر پر پانچ قانون آ چکے تھے۔ ہمارے ملک میں ۲۰۰۲ء میں صرف ایک قانون سامنے آیا۔ پہلے امجد صاحب وزارت قانون میں تھے ہم تو گزارا کر لیا کرتے تھے۔ اب ان کے بعد کوئی تربیت یافتہ اور ماہر ڈرافٹس مین نہیں ہے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ ڈرافٹ مین شپ کے لیے وزارت قانون ایک دو افراد کو امریکہ اور انگلینڈ بھیج دیا کرتی تھی۔ اب پچھلے سات آٹھ سال سے کسی شخص کو نہیں بھیجا گیا۔ یہ ایسا آرٹ ہے جس کے لیے تجربہ ہونا ضروری ہے، بہت ضروری۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ڈرافٹنگ کرتے ہیں تو انگریزی کی غلطیاں بھی ہمارے ڈرافٹ میں ہوتی ہیں۔ ہماری انگریزی بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔ پھر یہ لوگ بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہماری مادری زبان نہیں ہے۔ اردو ہم لکھ نہیں سکتے، قانون کی موشگافی ہمیں آتی نہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایک بات میں آپ سے اور عرض کر دوں کہ قانونی موشگافیوں کو سمجھنے کے لیے ایک عمر

درکار ہوتی ہے۔ جب ایک قانون بنتا ہے تو اس کی تمام تاریخ کا علم ہونا چاہیے کہ اس کا پس منظر کیا ہے۔ کون کون سے قانون اس سے پہلے آچکے ہیں۔ اتنے قانون جو اس سے پہلے آچکے ہیں، ان کی وجہ سے کس کس قانون پر ضرب پڑے گی۔ جس شخص کو ان تمام عوامل پر کماحقہ عبور نہیں ہوگا، وہ اچھا ڈرافٹس مین نہیں ہوگا۔

اسی طرح ایک ریسرچ سیل ہماری وزارت قانون میں خاص طور پر ہونا چاہیے۔ اس ''خصوصی لا سیل'' کے لیے لوگوں کو تیار کرنا چاہیے۔ ان کو تربیت دی جانا چاہیے تاکہ وہ دیکھ سکیں، قوانین کا جائزہ لے سکیں۔ اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس طرح کا ایک سیل پارلیمنٹ میں بھی ہونا چاہیے۔ اور پھر میں کہوں گا کہ تمام پارلیمنٹیرین کے ساتھ ایک ریسرچ اسکالر ہونا چاہیے، تاکہ جب کوئی قانون آئے تو وہ اس پر رائے دے۔ ظاہر ہے پارلیمٹیرین میں سے بہت سے ایسے ارکان ہیں جو قانون دان نہیں ہیں۔ اگر ان کے پاس ریسرچ اسکالر ہوں جو اس کے لیے قانون کی موشگافیوں پر کچھ روشنی ڈالیں اور ایک وضاحتی نوٹ بنا کر دیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے قوانین نکھر کر سامنے آئیں گے اور ان میں خامیاں کم ہوں گی۔

اس کے بعد جیسا کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے تجویز پیش کی کہ شریعہ اکیڈمی میں بھی ایک سیل تشکیل پانا چاہیے جو ریسرچ اسکالروں پر مشتمل ہو اور وہ ریسرچ اسکالر ان چیزوں کا تجزیہ کریں۔ آج بہت سی تجاویز آئی ہیں، ان کو وہ لوگ دیکھیں۔ مخالفین یا اس کے حق میں باتیں کرنے والے جو جو تجاویز دیں، وہ اس کا تجزیہ کریں اور اس کو جانچیں پرکھیں کہ کون کون سی چیز کتاب وسنت سے ٹکراتی ہے اور کون سی چیز معاون وخادم نہیں ہے۔ اس کے بعد جو وہ سمجھتے ہوں کہ اس میں فلاں فلاں نقص ہے تو اس کے مطابق ایک اور مسودہ تیار کریں جو پارلیمنٹیرین کو بھیجا جائے۔ آپ نے بالکل صحیح بات کی کہ قانون سازی میں امریکن لا ایسوسی ایشن کا بہت عمل دخل رہا ہے۔ اپنی بار ایسوسی ایشن کا میں پچیس سال ممبر رہا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ان کا کام ہے لیکن وہ بھی یہ کام نہیں کر رہے۔ وہاں بھی انحطاط ہے اور دوسرے اداروں میں بھی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہاں بھی ریسرچ سیل ہوں۔ حالانکہ ان کی مختلف کمیٹیاں موجود ہیں۔ پاک بار کی اپنی کمیٹی ہے۔

پھر یہ بات آتی ہے اسلامی قوانین اور کتاب وسنت کے بارے میں ہمارا علم اتنا کم ہے کہ بات کرنے پر بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ قانونی تعلیم کا جو نظام ہے، سب سے پہلے اسے صحیح ہونا چاہیے۔ الحمدللہ! یہ پاکستان کی واحد یونیورسٹی ہے جس کی فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لا میں ہمارا ریگولر ایل ایل بی کا کورس ہے۔ اس میں شریعہ کی تعلیم کافی حد تک معیار کے مطابق ہے، کیونکہ ہمارے اس کورس میں عربی اور انگریزی دونوں ہی ذریعہ تعلیم ہیں جو شرعی علوم کا بنیادی ماخذ ہیں۔ ہمارے شریعہ کے طلباء عربی زبان پر اتنا عبور رکھتے ہیں کہ وہ بنیادی ماخذ کو پڑھ سکتے ہیں، استفادہ کر سکتے ہیں۔ عدلیہ کے جو امتحان ہوتے ہیں، ان میں الحمدللہ ہماری یونیورسٹی کے جو طلباء حصہ لیتے ہیں، وہ کافی حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔ اور اس وقت جو لوگ عدلیہ میں کام کر رہے ہیں، بحیثیت مجموعی ان میں ہمارے طلباء کی تعداد بہت کم ہے لیکن چند سال بعد صورت حال شاید کچھ بہتر ہو جائے۔ ابھی وہ اتنا اثر ورسوخ نہیں رکھتے۔

چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ قانون کی تعلیم میں بھی قرآن وسنت کی بنیادی تعلیم ہونی چاہیے۔ ایک تو اس میں شریعہ کا حجم بڑھنا چاہیے۔ دوسری خرابی ہمارا نظام تعلیم ہے جس میں سو فیصد چوائس ہے۔ یعنی کوئی طالب اگر کسی مضمون کے دس سوال یاد کر کے باقی سب کچھ چھوڑ دے تو پاس ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے ایل ایل بی میں عام ہو رہا ہے۔ اس سے تحقیق کا پہلو متاثر ہوتا ہے چنانچہ اس نظام تعلیم اور امتحانی نظام کو جب تک تبدیل نہیں کریں گے، آپ لوگوں کو تحقیق کی بنیاد پر علم حاصل کرنے کا عادی نہیں بنائیں گے۔ اس وقت تک کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔

یہ میری چند تجاویز اور سفارشات تھیں جو میں آپ جیسے اہل علم حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ خورشید صاحب کے ہوتے ہوئے ہمارے لیے موقع ہے کہ اس پر عملاً بھی اور پارلیمنٹ میں بھی آواز اٹھائی جا سکتی ہے اور دوسرے اداروں میں بھی جہاں پر کچھ شنوائی ہو۔ یہ چیزیں ممکن ہیں۔

ان چند معروضات کے ساتھ میں اجازت چاہتا ہوں۔ خدا حافظ، آپ کا بہت بہت شکریہ!

حصہ دوم

مقالات

دوروزہ قومی کانفرنس

اسلام کا فوجداری قانون: بنیادی تصور اور عملی تطبیق

- شہزاد اقبال شام
- ظفر الحسن جوئیہ
- محمد مطیع الرحمٰن
- مولانا محمد زاہد
- غزالہ غالب خان
- مفتی عبدالقدوس ترمذی
- سید عبدالمالک

ارتکاب زنا (نفاذِ حدود) آرڈیننس ۱۹۷۹ء:

نفاذ کے ۲۵ سال، ایک مطالعہ

شہزاد اقبال شام*

تمہید

فروری ۱۹۷۹ء کو تعزیرات پاکستان کی بعض دفعات کو منسوخ کر کے زنا، شرب خمر، سرقہ اور قذف کے بارے میں اسلامی قانون کے مطابق ایک آرڈیننس کی شکل میں ایک نئی قانون سازی متعارف کرائی گئی۔ اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد گزشتہ دو اڑھائی عشروں میں عدالتی عمل کے نتیجے میں اہم ترین فیصلے سامنے آئے۔ جن پر عمل کر کے ان قوانین میں اگر مناسب تبدیلیاں کر لی جاتیں تو ان میں حسن وخوبی کا اہتمام ہوتا اور یوں پاکستانی قوم ایک پاکیزہ اسلامی معاشرے کی طرف مائل بہ سفر رہتی۔ خوش قسمتی تو یہ ہے کہ بڑے طویل عرصے کے بعد یہ قوانین اپنی بری بھلی شکل میں سامنے آئے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ ان کے نفاذ سے قبل نہ تو وامرھم شوریٰ بینھم کو سامنے رکھا گیا، نہ پارلیمنٹ کے عدم وجود کے باعث ان پر جمہوری انداز کی بحث وتمحیص ہوئی اور نہ ان کے نفاذ سے قبل ان کے مسودات پر اصحاب فکر سے رائے طلب کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان قوانین کے چند منفی پہلوؤں (جن کے نتائج یقیناً خوف ناک حد تک توجہ طلب ہیں) کو بنیاد بنا کر بعض نقطہ ہائے نظر سرے سے ان قوانین ہی کی مخالفت میں کام کر رہے ہیں، حالانکہ اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے تو یہ منفی پہلو نکال دینے سے مسئلے کی نوعیت بڑی حد تک بدل سکتی ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

کسی بھی علمی، تحقیقی، تعلیمی یا تبلیغی مشق کا بالآخر مطمع نظر اسلامی معاشرے کی دنیوی اور اخروی فوز و فلاح ہوتا ہے۔ معاشرے میں کام کرنے والے جملہ عناصر اگر یہ مقصد سامنے رکھیں تو منزل آسان ہوتی ہے لیکن اس مقصد سے ہٹ کر کام کیا جائے تو قعرِ زوال میں گرنے کے امکانات ہر لمحہ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ حدود قوانین صحیفہ آسمانی نہیں کہ ان پر غور و فکر نہ ہو سکے۔ یقیناً ان پر اسلامی تعلیمات اور گزشتہ عدالتی فیصلوں کی روشنی میں غور کرنا اہم ضرورت ہے لیکن بدقسمتی سے گزشتہ کچھ عرصے سے بعض حلقے ان قوانین کو سرے سے ختم کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے اقتدار جیسے ناپائیدار شعلہ مستعجل کی سرپرستی میں ان کوششوں کو کبھی پذیرائی حاصل ہو جائے لیکن اس کا نتیجہ سیاسی ہی نہیں، معاشرتی سطح پر بھی افراتفری کی شکل میں نکلے گا۔ سیاسی سطح پر اس کی واضح مثال الجزائر ہے۔ اللہ کے بندوں کو جب اقتدار ملتا ہے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ پس اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس ملک میں اگر اقتدار کو اس مقصد کے علاوہ استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تو معلوم نہیں کہ اس شعلہ مستعجل کے سرے پر اللہ کی رسی کس قدر طویل ہے لیکن ایک نہ ایک دن یہ کھینچ لی جائے گی۔

حدود اللہ کا مقام

حدود اللہ بہر حال اللہ کی حدود ہیں جن میں مداخلت اللہ کی سلطنت میں مداخلت ہے۔ اللہ کریم نے انسانوں کو لاتعداد امور میں اپنی عقل استعمال کرنے کی اجازت دی۔ بے شمار ناپسندیدہ افعال اور جرائم ایسے ہیں جن کی سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی اور یوں شخصی آزادی کا اہتمام کیا گیا، لیکن کچھ افعال کو حرام قرار دینے کے بعد ان کی سزا اور اس کے متعلقات کے لیے حد کی اصطلاح خود اللہ کریم نے وضع کی۔ زنا، قذف، شرب خمر، سرقہ، حرابہ، ارتداد اور بغاوت حرام افعال ہیں۔ یہ افعال صرف حرام ہی نہیں ہیں، بلکہ ان پر سزائیں بھی خود اللہ نے مقرر فرمادی ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ان افعال پر سزائیں کس قدر اہم ہیں۔ اللہ کی تنبیہ ملاحظہ ہو:

الا ان لکل ملک حمیً وحمی اللہ محارمہ(۲)

''خبردار! ہر بادشاہ کی (کوئی نہ کوئی) چراگاہ ہوتی ہے اور (یاد رکھو) اللہ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں''۔

لفظ حمیٰ عربی ادب میں اپنے مجازی معنوں میں اگرچہ چراگاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن فی الاصل اس کا صحیح ترین معنی علاقہ ممنوعہ (Prohibited area) ہے۔ یہ علاقہ ممنوعہ اللہ کی خاص سلطنت کی حدود بھی ہوسکتا ہے، یہ اس کی خلوت گاہ بھی ہوسکتا ہے اور اس کے علاوہ بھی کچھ ہوسکتا ہے۔ یہاں تک یہی واضح ہوا کہ اللہ کے محارم اللہ کا علاقہ ممنوعہ ہیں۔ ان محارم میں سے کئی محارم کے نزاعات میں قول فیصل کا اختیار اللہ نے انسان کو تفویض کر دیا ہے۔ ملاوٹ کرنا حرام ہے۔ یہ فعل اللہ کے محارم میں سے ایک ہے، لیکن اس پر سزا کا تعین انسان کے فہم پر چھوڑ دیا گیا۔ جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار حرام افعال میں داخل ہے۔ یہ کام کرنے والا اللہ کے علاقہ ممنوعہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کی سرحدی حدود کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار پاتا ہے، لیکن اللہ کریم اپنی سلطنت کی ان سرحدی خلاف ورزیوں پر کچھ نہیں کرتے، بلکہ وہ انسانوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ مرتکبین سے خود نمٹیں۔ یہی وجہ ہے کہ اذان جمعہ کے بعد کاروبار کرنے والے سے نمٹنا اسلامی تاریخ میں بالعموم محتسب کے دائرہ اختیار میں رہا، جو حالات، واقعات اور ماحول کے مطابق اس معاملے سے نمٹتا تھا۔ اللہ کی طرف سے کوئی لگی بندھی سزا اس فعل حرام پر نہیں ہے۔

لیکن غور فرمایئے کہ اللہ کی اس سلطنت کے اندر بعض ممنوعہ علاقے ایسے ہیں جن کی سرحدی خلاف ورزی پر خود اللہ نے الہامی ہدایت کے ساتھ سزا مقرر کر دی ہے۔ ان سرحدی خلاف ورزیوں پر سزا کا اختیار اللہ نے انسانوں کو دینا پسند نہیں کیا بلکہ روز اوّل سے ان کی سزا بھی خود ہی مقرر کر دی ہے۔ لیکن کیا یہ واقعی اللہ کی کوئی ایسی سلطنت ہے جو انسانوں سے لاتعلق ہے؟ کیا اوپر بیان کردہ حدیث میں بادشاہ کا استعارہ واقعتاً اپنے اصل معانی میں استعمال ہوا ہے، جس کی رعایا غریب، مجبور اور مقہور لوگ ہوا کرتے تھے اور نعوذ باللہ وہ بادشاہ جس کی مترفانہ زندگی کے لیے رعایا کولہو کے بیل کی طرح کام کر کے اپنی کمائی بالآخر محاصل کی شکل میں بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش کر دیا کرتی تھی۔ یقیناً عقل یہ بات تسلیم کرنے میں متامل ہے۔ اللہ کریم کا اگر کوئی ممنوعہ علاقہ

موجود ہے تو اس کے امور کلی طور پر مکلفین کے افعال سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس مکلفین کے افعال میں حلال اور حرام کا سود و زیاں خود انہی کو سزاوار ہے۔ ان افعال حرام کے نتائج انسانوں ہی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس طرح ان اساسی افعال حرام پر حدود کا نفاذ اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھ کر انسانوں پر ایک طرح سے شفقت فرمائی ہے۔

حدود اللہ کے بارے میں ان مختصر تمہیدی کلمات کے بعد نفس مضمون پر براہ راست گفتگو کی جاتی ہے۔

حدِ زنا (نفاذِ حدود) آرڈیننس ۱۹۷۹ء پر آنے والی آرا

گزشتہ دو اڑھائی عشروں سے نافذ اس قانون پر اچھی خاصی نقد و جرح ہو چکی ہے۔ اس کے ناقدین اگر معتد بہ تعداد میں ہیں تو مؤیدین بھی یقیناً غالب اکثریت میں موجود ہیں، لیکن یہ کوئی مفید علمی مشق ہرگز نہیں ہے کہ اس قانون کی صرف اس لیے حمایت کی جائے کہ اس میں لفظ ''حدود'' موجود ہے اور نہ یہ دیانت داری ہے کہ مسلم معاشرے میں مسلمانوں جیسے نام رکھنے والے لوگ اسلامی شعائر اور اخلاقی قدروں کو منہدم کریں۔ اسلام روشنی ہے اور یہی روشنی ہے۔ اس کے برعکس جو بھی ہے، تاریکی، جہالت اور ظلمت ہے۔ حدِ زنا آرڈیننس پر گزشتہ پچیس سالوں میں جو آرا سامنے آئی ہیں ان کی درجہ بندی کی جائے تو انہیں تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو یہ ہیں:

۱۔ وہ آرا جو واقعتاً توجہ طلب ہیں،

۲۔ وہ آرا جو ناقص علم پر مبنی ہیں، اور

۳۔ وہ آرا جو مطلقاً بے وقعت ہیں، اگرچہ یہ اثر و رسوخ رکھنے والے حلقوں کی طرف سے آئی ہیں۔ یہ آرا بڑی حد تک این جی او سے متعلق افراد کی طرف سے آئی ہیں۔

آئندہ سطور میں حدود آرڈیننس کے ساتھ ساتھ ان آرا کا مطالعہ پیش نظر ہے۔ یہ وضاحت کرنا مفید ہوگا کہ اس مضمون میں آرڈیننس کے بڑی حد تک یہی تین بنیادی پہلو زیر بحث لائے جائیں گے۔ پولیس کا طریقِ تفتیش، تزکیۃ الشہود اور شہادت سے متعلق دیگر امور الگ سے توجہ کا تقاضا کرتے ہیں اور امید ہے کوئی اور صاحب علم یہ بند باب کھولنے کی کوشش کریں گے۔

پہلی آرا کا تعلق حدِ زنا آرڈیننس کے ناقص پہلوؤں سے ہے۔ یہ وہ میدان ہے جس پر آرڈیننس کے مؤیدین اور ناقدین دونوں متفق ہیں کہ ان میں تبدیلی ہونا چاہیے۔ بہت زیادہ تفصیل میں جائے بغیر اس مضمون میں زنا بالجبر سے متعلق قانون پر گفتگو کافی سمجھی گئی ہے۔

دوسری قسم کی آرا ناقص علم پر مبنی ہیں۔ حدود قوانین پر معاندانہ کام اس تسلسل سے سامنے آرہا ہے کہ اچھے خاصے فہمیدہ افراد بھی سوچ کی ان معاندانہ لہروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ مسلم فیملی لا آرڈیننس ۱۹۶۱ء اور حدِ زنا آرڈیننس کی دو باہم متعارض دفعات کے باعث عورتوں کو حدِ زنا آرڈیننس کے تحت سزا ملنا شروع ہوئی تو اس کی وجہ حدود قوانین پائے۔ حالانکہ اس کی وجہ حدود قوانین نہیں، مسلم فیملی لا آرڈیننس میں متعین سرکاری طریقِ طلاق ہے۔ امید ہے کوئی اور صاحب علم اس پر توجہ کریں گے۔

تیسری قسم کی آرا کا انعطاف جو بڑی حد تک این جی اوز کی طرف سے آئی ہیں، فہمیدہ طبقے کی طرف تو کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ معاندانہ کام کی جہتوں سے باخبر ہوسکے لیکن ان پر علمی تحقیقی کام ممکن نہیں۔ اس مکتب فکر کے لوگوں کے طے شدہ اور لگے بندھے اصول ہیں جن پر نہ بحث کی گنجائش ہے اور نہ علمی دلائل مد ثابت ہو سکتے ہیں۔ نیشنل کمیشن فار دی اسٹیٹس آف ویمن کی قائم کردہ خصوصی کمیٹی کی ایک سفارش ملاحظہ ہو:

> This Special Committee, therefore, wishes to record that the participating Members of the Committee unanimous in arriving at the conclusion that the Hudood Ordinances as enforced are full of lacunae and anomalies and the enforcement of these has brought about injustice rather than justice, which should be the main purpose of the enforcement of Islamic Law. Consequently, by a majority, this Special Committee recommends that all four Hudood Ordinances, 1979 should be repealed and the original laws with regard to the offences mentioned in these Ordinances be restored.(3)

ترجمہ: چنانچہ یہ خصوصی کمیٹی ریکارڈ پر لانا چاہتی ہے کہ کمیٹی میں سے شرکت کرنے والے ارکان متفقہ طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ حدود آرڈیننس جس طرح اپنی موجودہ شکل میں نافذ ہیں، نقائص اور تضادات سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے نفاذ کے باعث انصاف کے بجائے جسے اسلامی قانون کے نفاذ کا بنیادی مقصد ہونا چاہیے، ناانصافی کو فروغ ملا ہے، لہٰذا یہ خصوصی کمیٹی کثرت رائے سے سفارش کرتی ہے کہ چاروں حدود قوانین ۱۹۷۹ء کو منسوخ کر کے ان قوانین (Ordinances) میں مذکور جرائم سے متعلقہ اصل قوانین [پی پی سی کی دفعات] بحال کیے جائیں۔

یہ رپورٹ انہی الفاظ کے ساتھ کسی اور کی طرف سے شائع ہوئی ہوتی تو اس پر نقد اور جرح کا یہاں کوئی موقع نہیں تھا لیکن قومی کمیشن برائے حیثیت نسواں کی قائم کردہ خصوصی کمیٹی کی سربراہ ایک خاتون ریٹائرڈ جسٹس ہیں۔ حدود قوانین کو منسوخ کر کے تعزیراتِ پاکستان کی اصل دفعات بحال کرنے کے مفہوم سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ گفتگو کر لی جائے۔

مذکورہ بالا اقتباس میں آخری جملے کی معنویت مملکت خداداد کو بے پناہ معاشرتی انتشار کی طرف لے جانے کی سفارش ہے۔ اگر تعزیراتِ پاکستان کی اصل دفعات بحال کر دی جائیں تو اس میں زنا کی دو قسموں (Adultery & fornication) میں سے زنا بر زن غیر اس وقت لائق سزا قرار پاتا ہے جب کوئی شخص کسی کی بیوی سے اس کے شوہر کی رضامندی کے بغیر زنا کرے۔

جرم زنا سے متعلق تعزیراتِ پاکستان کی سابقہ مجموعی اسکیم کے اہم نکات یوں ہیں (۴)

۱۔ غیر شادی شدہ عورت کی مرضی سے اس کے ساتھ زنا لائق سزا نہیں ہے،

۲۔ شادی شدہ عورت کے معاملے میں،

(۱)۔ شوہر کی مرضی سے اس کی بیوی سے زنا کوئی جرم نہیں ہے؛ اور

(۲)۔ بیوی کی مرضی نہ ہو لیکن شوہر اس سے پیشہ کروائے تو عورت کے لیے دادرسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ماں باپ بہن بھائیوں میں سے کوئی دادرسی

کا حق نہیں رکھتا۔

اس طرح اگر حکومت کے اس کمیشن کی قائم کردہ اس خصوصی کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد کر دیا جائے تو پوری مملکت خداداد کو اسکنڈے نیویا بنا دینا بہت آسان ہو جاتا ہے جہاں کسی بھی رشتہ دار کو کسی بھی بالغ فرد پر کوئی حق حقوق حاصل نہیں ہوتے اور ہر بالغ شخص اپنی مرضی کی آزادانہ حیوانی جنسی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

مزید برآں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ مذکورہ بالا رپورٹ ہی میں اس نوٹیفیکیشن کی نقل دی گئی ہے جس کے تحت بالفاظ صراحت اس خصوصی کمیٹی کو صرف ارتکاب زنا آرڈیننس ہی پر غور کرنے کا وظیفہ تفویض کیا گیا تھا (۵) لیکن کمیٹی نے از خود یہ طے کیا کہ حدود کے دیگر قوانین پر بھی نظر ثانی کی جائے، حالانکہ حد شرب خمر یا سرقہ سے عورت کا کوئی بالخصوص تعلق بنتا ہی نہیں اور حد قذف کا قانون تو عورت کی ناموس کا وہ اہتمام کرتا ہے جس سے انسانی عقل ابھی تک نامانوس ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ حکومت محکمہ زراعت میں اصلاحات کے لیے کوئی کمیٹی قائم کرے تو کمیٹی از خود طے کر کے سفارشات پیش کرے کہ ٹیکسٹائل ملوں کی مشینری کے پرانے ہونے کے باعث اسے نئی مشینری سے بدل دیا جائے۔ (۶)

کمیشن کی یہ سفارشات اور اس کی دیگر کوششیں عورتوں کے خلاف امتیازی قوانین ختم کرانے کے سلسلے کا حصہ ہیں۔ مذہب سے وابستگی یا عناد کو ذرا دیر کے لیے بالائے طاق رکھتے ہوئے حدود قوانین اور سابقہ قوانین کا موازنہ کرنے پر صورت حال کچھ یوں سامنے آتی ہے۔

اسلامی قانون میں حدِ زنا کا ثبوت

پورے چار عاقل بالغ مسلمان مرد گواہ۔ (۷) (اگرچہ مسلمان اور مرد سے متعلق شرائط پر ایک سے زیادہ مختلف فیہ آرا موجود ہیں) ان میں سے ایک گواہ بھی گواہی سے پھر جائے یا اس کی گواہی مشتبہ ہو جائے تو مرد اور عورت تو بری ہو جاتے ہیں لیکن الزام لگانے والے شخص اور باقی تین گواہوں کو حدِ قذف کی سزا دی جاتی ہے۔ (۸) اس کڑی سزا کا مقصد انسانی وقار اور شرف کا تحفظ ہے۔ یہ انسانی وقار اور شرف اسلامی معاشرے میں عورت کے لیے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اس

لیے اس کے تحفظ کی خاطر ایک آہنی فصیل کا اہتمام کیا گیا جس کو وہی عبور کر سکتا ہے جس کی پشت اسّی دُرّوں کی مار سہہ سکتی ہو۔

سابقہ قانون میں حدِ زنا کا ثبوت

حدِ زنا کا ثبوت حاصل کرنے میں انسانی قانون ابتدا ہی میں اپنی بے چارگی تسلیم کر لیتا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے ایک فیصلے کی عبارت ملاحظہ ہو:

Direct evidence of the fact of adultery can rarely be given. It has to be inferred from circumstances but the cricumstances must be such as to justify the inferrence that sexual intercourse took place.(9)

ترجمہ: زنا کے وقوع پر براہ راست شہادت شاذ و نادر ہی دی جا سکتی ہے۔ اس کا استنتاج حالات و واقعات سے کرنا پڑتا ہے، لیکن حالات و واقعات لازماً ایسے ہوں جن سے منصفانہ طور پر یہ استنباط کیا جا سکتا ہو کہ جنسی عمل کا ارتکاب ہوا ہے۔

تعزیرات پاکستان کی تشریح کرتے ہوئے اس عدالتی وضعی قانون (Judge made law) کی وسعت صرف لاہور ہائی کورٹ کی ماتحت عدالتوں تک نہیں ہے۔ اس سے ملتے جلتے اسی نوعیت کے وضعی قوانین پورے برصغیر پاک و ہند میں نافذ العمل ہیں۔ اسی طرح کا ایک فیصلہ پٹنہ ہائی کورٹ نے دیا جسے بعد میں اس وقت کے پورے ہندوستان کی عدالتوں میں نظیر (Precedent) کی حیثیت حاصل رہی اور ہندوستان کی حد تک آج بھی ہے۔ (۱۰)

وضعی قانون کے سامنے اگلا سوال یہ ہے کہ زنا کے ارتکاب پر گواہی کی نوعیت واقعتاً کیا ہو۔ قانون کا جواب یوں ہے:

Where a married woman and her paramour lived together in adjoining rooms of a hotel and then they lived together in the house of a friend and subsequently travelled in a first class coupe and continued to live together, it could be inferred that

they were guilty of an offence under S. 497 [adultery](11)

ترجمہ: جب کوئی شادی شدہ عورت اور اس کا آشنا کسی ہوٹل کے باہم متصل کمروں میں ٹھہرے ہوں اور پھر وہ دونوں کسی دوست کے گھر ٹھہرے ہوں اور بعد میں انہوں نے درجہ اول کے کوپے میں سفر کیا ہو اور پھر مسلسل اکٹھے رہتے رہے ہوں تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ دفعہ ۴۹۷ کے تحت جرم [زنا] کے مرتکب ہوئے ہیں۔

دونوں نظم ہائے قانون کا موازنہ

وضعی قانون نے جن مفروضات کو بنیاد بنا کر مرد اور عورت کو زانی ثابت کیا، اسلام کے نزدیک فعل زنا ثابت کرنے کے لیے ان واقعات کی کوئی اہمیت نہیں۔ حتیٰ کہ زنا کے کسی مقدمے میں تین گواہ بھرپور گواہی دیں لیکن چوتھا یوں کہے کہ میں نے عورت اور مرد کو ایک لحاف میں باہم یکجا دیکھا تھا تو بقیہ تینوں گواہوں پر حد قذف نافذ کر کے عورت اور مرد کو ہر ممکن طریقے سے بچا لیا جائے گا۔

وضعی قانون کی بنیاد قیاس آرائیاں اور تجزیے ہیں۔

مذکورہ بالا فیصلے کی روشنی میں صورت حال کی منظر کشی یوں کی جا سکتی ہے:

الزام	انگریزی قانون کے تحت	اسلامی قانون کے تحت
۱۔ عورت اور اُس کا آشنا ہوٹل کے دو متصل کمروں میں ٹھہرے۔	زنا کے مرتکب ہوئے۔	زنا سرزد نہیں ہوا، دونوں پاک دامن ہیں۔
۲۔ دونوں کسی دوست کے گھر ٹھہرے۔	زنا کے مرتکب ہوئے۔	زنا کا جرم سرزد نہیں ہوا، دونوں پاک دامن ہیں۔
۳۔ دونوں نے درجہ اوّل کے ایک ہی کوپے میں سفر کیا۔	زنا کے مرتکب ہوئے۔	زنا نہیں، فحاشی ہے۔ اسلامی معاشرت اجازت نہیں دیتی۔
۴۔ اکٹھے کہیں مقیم ہیں۔	زنا کے مرتکب ہوئے۔	اسلامی معاشرت میں یہ ممکن نہیں، یہ فحاشی ہے زنا نہیں۔

مذکورہ بالا تجزیہ اس بات کا آئینہ دار ہے کہ اسلام ہی عورت اور مرد کی عزت کا محافظ ہے۔
انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اخبارات میں واقعات کی چٹخارے دار اشاعت کے ذریعے ''معاشی سرگرمیوں'' (Economic activities) کی نمو کا باعث تو بنتے ہیں لیکن عورت اور مرد کو معاشرے میں چلتی پھرتی لاش بنا دیتے ہیں۔

معاندانہ کام پر ایک طائرانہ نظر

حدود قوانین کے خلاف گزشتہ کئی سالوں سے بعض حلقے تسلسل سے کام کر رہے ہیں لیکن سامنے آنے والی اکثر رپورٹیں ناقص اور ایسی اغلاط سے معمور ہوتی ہیں جن کے باعث ادارے کی علمی سطح کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ حدود آرڈیننس پر قومی کمیشن برائے حیثیت نسواں کی رپورٹ ۲۰۰۳ء کا جائزہ لینے پر اس طرح کی کئی باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ''محصن'' اور ''محصنہ'' کو کسی ایک جگہ ''محسن'' اور ''محسنہ'' لکھا جاتا تو اسے کتابت، پروف وغیرہ کی غلطی شمار کیا جا سکتا تھا لیکن پوری دستاویز کے اندر دواوین میں یہ غلطی تسلسل سے دہرانے سے یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ حدود اللہ جیسے انتہائی حساس موضوع پر رپورٹ مرتب کرنے والے کمیشن کے ذمہ داران میں سے کیا کسی کو ان الفاظ کے معانی اور فرق کا علم نہیں ہے۔(۱۲) اور اگر یہ خواتین و حضرات ان مبادیات ہی سے واقف نہیں ہیں تو ان حساس موضوعات پر کیا ان کا رائے دینا ضروری ہے؟

قومی کمیشن برائے حیثیت نسواں کی یہ رپورٹ اعداد و شمار اور تجزیے کے بجائے مفروضات، اندیشوں اور توقعات پر مبنی ہے۔ یہ نتیجہ مضمون نگار کا نکالا ہوا نہیں ہے بلکہ خود کمیشن کی رپورٹ اس کی گواہی دے رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عملی طور پر یہ سامنے آیا [؟] کہ ان قوانین، خصوصاً زنا اور قذف آرڈیننس اور پھر قصاص اور دیت آرڈیننس کے نفاذ کے بعد ناانصافی کے واقعات میں اضافہ ہوا، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ خواتین پر ہونے والے ظلم وستم کے ہتھیار بن گئے۔ ایسے واقعات تو سینکڑوں ہوں گے کہ جب زنا بالجبر بلکہ اجتماعی زیادتی کا شکار ہونے والی خاتون کو حدود آرڈیننس کے تحت سزا کاٹنا پڑی۔(۱۳)

مندرجہ بالا عبارت "ایسے واقعات تو سینکڑوں ہوں گے" مزید کسی تبصرے کی محتاج نہیں ہے۔

اس پوری رپورٹ میں کمیشن کے ارکان کی صرف آرا دی گئی ہیں۔ حالانکہ کسی کمیشن کی رپورٹ کا بالعموم یہی مطلب ہوتا ہے کہ موقع کی مناسبت سے مستند اعداد و شمار پر انحصار کیا جائے، ان اعداد و شمار کا جامع تجزیہ کیا جائے۔ واقعات کے اسباب و علل کی چھان پھٹک اور موازنے کے بعد رائے دہی کا عمل آتا ہے اور اس طرح کہی گئی بات میں وزن ہوتا ہے۔ لیکن کمیشن کی زیر نظر رپورٹ میں اس قسم کا اہتمام مطلقاً نہیں کیا گیا۔ ملاحظہ ہو:

ان قوانین کا شکار ہونے والی خواتین کی تعداد بڑھتی گئی اور زنا بالجبر کے واقعات میں اضافہ ہوتا گیا۔ (۱۴)

ایک دوسری این جی او کے زیر اہتمام حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب کی عبارت بھی اسی نوعیت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدود آرڈیننس میں موجود گوناگوں خرابیوں کا نتیجہ ہے کہ ملک بھر میں گینگ ریپ کے واقعات میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے۔ (۱۵)

اس چند سطری داعیہ کے ثبوت میں درج ذیل لوازم درکار ہیں:

۱۔ مستند اعداد و شمار

۲۔ اعداد و شمار کا ناقدانہ اور معروضی (نہ کہ موضوعی) تجزیہ

۳۔ ممکن ہے یہاں پہنچ کر کچھ ثابت کیا جا سکتا ہو لیکن یہ ثبوت اس وقت تک اہل علم کو قبول نہیں ہوگا جب تک اس کا موازنہ دیگر چیزوں سے نہ کیا جائے، مثلاً سوال یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے نفاذ کے پہلے سال سے پچیسویں سال تک زنا بالجبر میں کتنا اضافہ ہوا؟ جواب آتا ہے، دوگنا۔ یہ جواب کسی اخبار کے قاری کو گمراہ کرنے کے لیے حتمی ہے، عالم کی تسلی کے لیے کافی نہیں۔ عالم کا اگلا سوال یوں ہوتا ہے "ان پچیس سالوں میں آبادی میں کس قدر اضافہ ہوا"۔ جواب آتا ہے، دوگنا۔ اب اسکالر کسی حد تک کہہ سکتا ہے کہ حتمی نتیجہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے نفاذ سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ لیکن اگر پہلے سوال کا جواب دوگنا

کے بجائے پانچ گنا آئے تو اسکالر کا کام اور بڑھ جاتا ہے۔اب اسے دنیا کے دو ایک ایسے دیگر ممالک کا جائزہ بھی لینا ہوگا جہاں حدود آرڈیننس نافذ نہ ہو، تاکہ ایسے واقعات کے مشترک اسباب تلاش کیے جائیں۔

اب سوال یوں ہوگا ''پاکستان میں حدود آرڈیننس کے نفاذ کے پہلے سال سے پچیسویں سال تک فرانس یا جرمنی میں زنا بالجبر کے واقعات میں کتنا اضافہ ہوا؟''۔ اگر جواب وہی پانچ گنا آئے تو یہ نتیجہ نکالنا درست ہوگا کہ ان واقعات میں اضافے کا سبب حدود آرڈیننس نہیں کچھ اور ہے۔ یوں تحقیق کا رخ حدود آرڈیننس کے بجائے ان عوامل کی طرف ہو جائے گا جن کا تعلق دیگر عمرانی علوم سے ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا رپورٹ اور کتاب اس طرح کے اہتمام سے یکسر خالی ہیں۔ادھر کتاب کے مؤلف کا دعویٰ ہے کہ یہ غیر جانب دارانہ تحقیق ہے۔

ہندوستانی محققین کا طریق کار

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں یہاں آکر ضروری ہو جاتا ہے کہ قرب و جوار کا جائزہ بھی لے لیا جائے اور دیکھا جائے کہ اپنے جیسے ایک دوسرے ملک میں جرائم کی صورت حال کیا ہے اور ان کے اسباب کیا ہیں؟

پڑوسی ملک ہندوستان کا فوج داری قانون — باستثنائے حدود اور قصاص و دیت — لفظی و معنوی اعتبار سے بہت بڑی حد تک پاکستانی قانون جیسا ہے۔ وہاں زنا بالرضا کوئی جرم نہیں۔ اس لیے وہاں کا ماحول اور بود و باش اس اعتبار سے پاکستان سے بالکل مختلف ہے۔ قانونی طور پر جنسی تعلقات کی جو آزادی وہاں پائی جاتی ہے وہ کسی بھی یورپی ملک سے کم نہیں ہے۔ لیکن مقامی روایات اور اسلام کے اثرات کے باعث عملاً یہ ملک مکمل طور پر یورپی ممالک جیسا تو نہیں لیکن وہاں پاکستان سے کئی گنا زیادہ جنسی آزادیاں موجود ہیں۔ اس کے باوجود وہاں پر خواتین سے زیادتی کے واقعات میں گزشتہ چند برسوں میں بہت قابل گرفت حد تک اضافہ ہو چکا

ہے۔ڈاکٹر جیکب اور ڈاکٹر جیمز کی ایک مشترکہ تحقیق کے مطابق وہاں زنا بالجبر کے واقعات میں ہوش ربا حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ان کی کتاب ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی اور اس میں ۹۵-۱۹۹۱ء تک کے اعداد و شمار سرکاری دستاویزات کے حوالے سے موجود ہیں۔جن کے مطابق اس وقت ہندوستان میں ہر ۳۸ منٹ میں زنا بالجبر کا ایک واقعہ پیش آتا ہے اور ۱۹۹۱ء کے مقابلے میں ۱۹۹۵ء میں ان واقعات میں ۴ء۴۰ فی صد تک اضافہ ہوا جو سالانہ ۰۸ء۸ فیصد بنتا ہے۔(۱۶)

کتاب کے مولفین اس صورت حال کا تجزیہ یوں کرتے ہیں:(۱۷)

لڑکیاں اور عورتیں زنا بالجبر، جنسی تجارت (Flesh trade)، چلتی پھرتی قحبہ گری (Mobile prostitution) اور اجتماعی آبروریزی (Relay rape) کا نشانہ کیوں بنتی ہیں؟ عورتوں کے خلاف ایسے جرائم کا ایک سبب، شکار بننے والی عورتوں کی اپنی شرکت اور ان کا عاقبت نااندیشانہ رویہ ہوا کرتا ہے۔دیکھا گیا ہے کہ عورتیں/لڑکیاں جرائم کے لیے ہمہ وقت تیار (Crime-prone) افراد کو ان کاموں کے لیے مدعو کرتی ہیں، ترغیب دیتی ہیں، ورغلاتی ہیں، پیش قدمی کرتی ہیں، یا حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔اور جب جرم کا نشانہ بنتی ہیں تو جرائم کے مرتکبین کے خلاف شور مچانا شروع کر دیتی ہیں۔سماجی ماہرین اور ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ روایات اور زندگی کے اصول درہم برہم کرنے کے معاملے میں بصری وسائل، فلمیں اور ٹی وی سیریل وغیرہ کچے ذہنوں والی لڑکیوں کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں اور گہرے مضمرات کے حامل ہیں۔(۱۸)

زنا بالجبر کے واقعات میں اضافے کی یہ ایک وجہ ہے۔ڈاکٹر جیکب اور ڈاکٹر جیمز کے خیال میں، اس فعل بد کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ زنا بالجبر کا نشانہ بننے والی خواتین معاشرے میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھی جاتیں لیکن تعلیم یافتہ خواتین میں جرأت پیدا ہوئی ہے کہ وہ حالات کا سامنا کریں اور ایسے کسی واقعے پر خاموش نہ رہیں بلکہ اس کا سامنا کریں۔اس رویے کی وجہ سے پولیس کو زنا بالجبر کے واقعات کی اطلاعات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ان اطلاعات میں اضافے کا اثر لازماً اعداد و شمار پر بھی پڑتا ہے۔(۱۹)

لیکن اعداد وشمار کے موثر تجزیے کے بعد مولفین نے دو دلچسپ اسباب ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

جرم کا نشانہ بننے والی خواتین کی تعداد [اب بھی] بلاشک وشبہ اپنی جنس مخالف کے بالمقابل کسی بھی دوسرے ملک' کمیونٹی' عہد اور قانون کے مقابلے میں بے حد کم ہے۔ چنانچہ کسی ایسے جرم کی صورت میں جس کا نشانہ کوئی عورت بنے' معاشرے میں ایسی چیخ وپکار مچتی ہے کہ عوام اور ذرائع ابلاغ بالعموم اس سے چشم پوشی نہیں کرتے۔ دونوں جنسوں کے باہم اختلاط سے روکنے والی روایتی رکاوٹوں کی بسا اوقات خلاف ورزی اس اضافے کی وجہ پائی گئی۔ دونوں جنسوں کے آزادانہ اختلاط والے ماحول کے غلط استعمال کا کون زیادہ ذمہ دار ہے' عورت یا مرد؟ ماہرین عمرانیات کے خیال میں دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ دونوں ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جس سے قربت' قربت نظر انداز کرنے' انفعالی قربت' تعاون' شمولیت' جذبات برانگیختہ کرنے' لبھانے اور رجھانے کا احساس ہوتا ہے۔ اور باہمی تعلقات میں ان کے دیدہ ونادیدہ اثر ونفوذ کے سامنے وہ دونوں بے بس ہو جاتے ہیں۔ اور جب کوئی غلط کام ہو جاتا ہے تو لوگوں کی عادت ہے کہ مرد ہی کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، حتی کہ وہ سب کچھ معاف اور نظر انداز کر دیتے ہیں جو جرائم کی دعوت دینے یا انہیں انگیخت کرنے کے لیے عورت کر چکی ہوتی ہے۔ (۲۰)

ڈاکٹر جیمز اور ڈاکٹر جیکب جنسی جرائم کی ایک اور وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

جنسی اقدار اس حد تک روبہ زوال ہو چکی ہیں کہ ہر قسم کی جنسی برگشتگی کے عمل میں ملوث لوگوں میں کسی قسم کا ''احساس گناہ'' موجود ہی نہیں ہے۔ (۲۱)

ایک نباض کی طرح یہ دونوں فاضل محققین اس سارے عمل کا سبب یوں سامنے لاتے ہیں:

اس عرصے میں آزادروی کی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ہندوستان صارفین کا ایک ملک بن چکا ہے، چنانچہ اکثر اشیا کے حصول کے لیے ''جنسی لین دین'' ایک ذریعہ بن چکا ہے۔ خواتین کے تعاون سے اکثر مرد اس جنسی ''لین دین'' کے لیے لڑکیوں اور عورتوں کو بھرتی

کرتے ہیں۔(۲۲)

چنانچہ پاکستان میں اہل علم کے لیے یہ ایک سلگتا ہوا سوالیہ نشان موجود ہے کہ کیا بعض چنیدہ عورتوں کا حدود قوانین کو فوراً ختم کر دینے کے لیے حد سے بڑھا ہوا اضطراب اور خواتین کو گھروں سے نکالنے کے لیے صاحبان اقتدار کی حد سے بڑھی ہوئی بے چینی کے پسِ دست عالمی سرمایہ دار کا دماغ تو کام نہیں کر رہا؟ کیا یہ لوگ کسی بیرونی کمان دار کے احکام پر لیفٹ رائٹ تو نہیں کر رہے؟

ایک دوسرے صاحب علم ڈاکٹر آر سی مشرا نے ہندوستان میں جرائم کی صورت حال کا تجزیہ کم وبیش اسی طرح کیا ہے۔ ان کی کتاب مستند سرکاری اعداد و شمار سے مزین ہے۔ ان اعداد و شمار کا عمدہ تجزیہ کیا گیا ہے۔ تجزیے کے بعد نتائج نکالے گئے ہیں۔(۲۳)

ہندوستان کے یہ اہل علم مستند اعداد و شمار اور ٹھوس تجزیے کے بعد نتیجہ نکالتے ہیں اور اہل علم کا یہی طریقہ ہوا کرتا ہے۔ ادھر پاکستان میں حدود قوانین کے ناقدین اور مؤیدین دونوں اس تکلف میں نہیں پڑتے۔ سرکاری سطح پر قائم اور وسائل سے مالا مال ادارے کے کچھ خواتین و حضرات ایک ہوٹل میں جمع ہو کر بس آرا دیتے ہیں، یہ آرا لکھ لی جاتی ہیں اور یوں کمیشن کی رپورٹ مرتب ہو جاتی ہے۔

خواتین سے متعلق دونوں ممالک میں جرائم کا تقابلی جائزہ

زنا بالرضا(Fornication)اور زنا برزن غیر (Adultery) کو چھوڑ کر ہندوستان اور پاکستان میں قانونی صورت حال یکساں سطح کی ہے۔ دونوں کا موسم، رہن سہن، اور ان کے باشندوں کا معیار زندگی کم وبیش ایک جیسا ہے۔ اس لیے ذیل میں ان دونوں ممالک میں زنا اور خواتین سے متعلق جرائم کا ایک تقابلی جائزہ دیا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی حد تک مستند اعداد و شمار ۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۵ء کے سالوں کے دستیاب ہو سکے ہیں۔ اس لیے تقابلی جائزے میں پاکستان سے متعلق بھی انہی پانچ سالوں کے مستند اعداد و شمار سے موازنہ کیا گیا ہے۔ دونوں ممالک میں سرکاری اعداد و شمار جمع کرنے والے ایک ہی طرح کے ادارے ہیں۔ اس لیے اس تقابل کے مآخذ یکساں ہیں۔

ہندوستان میں خواتین سے متعلقہ جرائم

جرم	۱۹۹۱ء	۱۹۹۲ء	۱۹۹۳ء	۱۹۹۴ء	۱۹۹۵ء	۱۹۹۱-۹۵ء میں کمی / بیشی کا تناسب
زنا بالجبر (بالرضا نہیں)	۹،۷۹۳	۱۱،۱۱۲	۱۱،۲۴۲	۱۲،۳۵۳	۱۲،۷۵۴	۴۰٫۴ % اضافہ
اغوا / اغوا بالجبر	۱۲،۳۰۰	۱۲،۰۷۷	۱۱،۸۳۷	۱۲،۹۹۸	۱۴،۰۶۳	۱۴٫۳ % اضافہ
کم جہیز لانے پر قتل	۵،۱۵۷	۴،۹۶۲	۴،۸۱۷	۴،۹۳۵	۵،۰۹۲	۱٫۳ % کمی

ماخذ: ڈاکٹر جیمز اور ڈاکٹر جیکب نے یہ اعداد و شمار وہاں کے سرکاری ادارے، نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو، گورنمنٹ آف انڈیا کے حوالے سے دیے ہیں۔ (۲۴)

پاکستان میں خواتین سے متعلقہ جرائم

جرم	۱۹۹۱ء	۱۹۹۲ء	۱۹۹۳ء	۱۹۹۴ء	۱۹۹۵ء	۱۹۹۱_۹۵ میں کمی / بیشی کا تناسب
زنا بالجبر / بالرضا	۱،۴۸۲	۱،۶۵۶	۱،۵۶۴	۱،۶۳۹	۱،۶۰۶	۸٫۴ % اضافہ
اغوا / اغوا بالجبر	۶،۳۱۴	۶،۶۰۲	۶،۲۸۴	۶،۹۴۶	۶،۸۰۳	۷٫۷ % اضافہ
کم جہیز لانے پر قتل	کوئی رپورٹ درج نہیں ہوئی					

ماخذ: پاکستان میں جرائم سے متعلق اعداد و شمار تیار کرنے والا حکومت پاکستان کا ادارہ اولاً بیورو آف پولیس ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ کہلاتا تھا۔ اور اس نے ۸۰ ۔ ۱۹۴۷ء تک کے اعداد و شمار پر رپورٹ تیار کی جس کے بعد کوئی رپورٹ سامنے نہیں آئی۔ اس وقت حکومت کا یہ ادارہ نیشنل پولیس بیورو کہلاتا ہے۔ زیر نظر اعداد و شمار بیورو نے اپنے خط F.No.8/5/2003-SRO مورخہ ۱۰ مئی ۲۰۰۵ء کے ذریعے مضمون نگار کو فراہم کیے جس کے لیے مضمون نگار بیورو کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر محمد شعیب سڈل کا بے حد ممنون ہے۔

ایک ضروری وضاحت

پاکستان میں حدود آرڈیننس کے اجرا کے بعد اب پولیس زنا اور زنا بالجبر کو ایک ہی عنوان

کے تحت رکھتی ہے۔اس طرح اگر کسی جگہ چھاپہ مار کر حد زنا (بالرضا) کا مقدمہ درج کیا جائے یا کسی عورت کی طرف سے زنا بالجبر کی رپورٹ درج کرائی جائے، تو اعداد و شمار مرتب کرتے وقت ہر دو صورتوں میں جرم کی نوعیت ''زنا'' ہی لکھی جاتی ہے۔اس طرح یہ معلوم کرنا بے حد دشوار ہے کہ مذکورہ بالا اعداد و شمار میں ان دونوں جرائم کا تناسب کتنا ہے۔لیکن بر بنائے احتیاط کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا اعداد و شمار میں سے زنا بالجبر کا تناسب زیادہ سے زیادہ پچیس فیصد تک ہی ہو سکتا ہے۔یہ تناسب نصف کی شرح تک بڑھا لیا جائے تو بھی یہ شرح ہندوستان کے مقابلے میں بے حد کم ہے۔ اور اگر تمام اعداد و شمار کو زنا بالجبر سمجھا جائے تو ہندوستان میں زنا بالجبر اور پاکستان میں زنا کی تمام شکلوں کو ملا کر بھی صورت حال یوں بنتی ہے:

ہندوستان اور پاکستان کا موازنہ

جرم	۱۹۹۱	۱۹۹۵	کمی بیشی کا تناسب
صرف زنا بالجبر (ہندوستان)	۹،۷۹۳	۱۳،۷۹۴	۴۰،۴ % اضافہ
زنا کی تمام شکلیں (پاکستان)	۱،۴۸۲	۱،۶۰۶	۷،۷ % اضافہ

حدود آرڈیننس میں زنا بالجبر کا مسئلہ

حدود آرڈیننس میں زنا بالجبر کی اطلاع دینے پر متاثرہ عورت سے چار گواہوں کی طلبی کوئی معمولی اور نظر انداز کر دینے کے لائق مسئلہ نہیں ہے۔ یہ آرڈیننس مارشل لا دور میں نافذ ہوا، اس لیے یہ معلوم کرنا بڑی حد تک ناممکن ہے کہ اس ظالمانہ فعل کو زنا کیوں سمجھا گیا اور اس کے لیے متاثرہ عورت سے چار گواہ طلب کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔اگر قانون سازی کا جمہوری طریقہ اختیار کیا گیا ہوتا، تو ابتدائی مرحلے ہی میں متعلقہ مجلس قائمہ یہ سوال اٹھا سکتی تھی، ورنہ چھان پھٹک کے کسی نہ کسی مرحلے میں اس قانون سازی کا یہ ناقص پہلو سامنے آ جاتا۔اچانک نافذ ہونے والے اس قانون کا یہ حصہ غیر معمولی توجہ چاہتا ہے۔

اس قانون کے تحت اگر کوئی مرد یا عورت نکاح صحیح کے بغیر، کسی مرد یا عورت کی خواہش کے خلاف یا رضامندی کے بغیر، یا مظلوم کو ہلاکت یا ضرر کا خوف دلا کر اس کی رضامندی سے جنسی فعل کا ارتکاب کرے، یا فاعل کو علم ہو کہ مظلوم کے ساتھ اس کا نکاح صحیح نہیں جبکہ مظلوم کا خیال ہو کہ فاعل کے ساتھ اس کا نکاح صحیح ہو چکا ہے تو یہ زنا بالجبر ہے۔(۲۵)

زیر نظر مضمون میں اس قانون کے انتہائی اہم پہلوؤں کا مطالعہ پیش نظر ہے۔اس لیے زنا بالجبر کی قانونی تعریف پر گفتگو کیے بغیر اگر اس قانون کے تحت زنا بالجبر مستوجب حد کے ثبوت تلاش کیے جائیں تو وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی مجاز عدالت کے سامنے ملزم کا اعتراف،

۲۔ کم از کم چار بالغ مسلمان مرد گواہ جن کے تزکیۃ الشھود کے بعد عدالت کو یہ اطمینان ہو کہ وہ راست باز افراد ہیں اور گناہ کبیرہ سے بچتے ہیں۔(۲۶)

زنا بالجبر کے لیے ثبوت کا یہ دوسرا انداز نہ تو رسالت مآب کے عہد میں دیکھا گیا، نہ خلفائے راشدین کے عدالتی فیصلوں میں اس کا تقاضا کیا گیا اور نہ اسلامی تاریخ کے کسی دور میں زنا بالجبر کے وقوع پر ایسا ثبوت مانگا گیا۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس پر اہل علم بالاتفاق یک زبان ہیں کہ زنا بالجبر، زنا کی کسی قسم میں سے نہیں ہے۔ زنا بالجبر میں ظاہر ہے، مظلوم کی رضا نہیں ہوتی۔اس لیے اس سے زنا کا فعل منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ جب زنا کی نسبت مظلوم کی طرف نہ کی جا سکے تو حدود آرڈیننس کا یہ وہ پہلو ہے جس پر اس کے ناقدین اور مؤیدین دونوں متفق ہیں۔

حدود آرڈیننس کے معماروں نے زنا بالجبر کی ترکیب میں لفظ ''زنا'' کے اشتراک کو دیکھ کر اسے زنا سمجھ لیا۔ اس لفظ کا حدود آرڈیننس میں آنا بے خبری اور لاعلمی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس لفظ کی ساخت پر گفتگو کر لی جائے۔

زنا بالجبر کی لغوی ماہیت

''زنا بالجبر'' کی ترکیب پر معمولی سا غور کرتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مکمل طور پر عربی الاصل ترکیب ہے۔ اس کے حروف والفاظ میں اور اس کی ساخت میں کوئی غیر عربی عنصر دکھائی

نہیں دیتا۔ لفظ ''زنا'' خالصتاً عربی الاصل ہے۔ قرآن وسنت میں اس لفظ کی برادری کے دیگر الفاظ جگہ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ ''بالجبر'' بھی مکمل عربی ترکیب ہے۔ لیکن کیا عرب دنیا میں، علوم اسلامیہ کی عربی امہات کتب میں، متقدمین ومتاخرین میں سے کسی نے یہ ترکیب کہیں استعمال کی ہے؟ کیا ایک عام عرب اس ترکیب سے مانوس ہے؟ کیا عرب ممالک کے تعزیری قوانین میں کہیں یہ ترکیب دیکھنے پڑھنے کو ملتی ہے؟

ادھر اردو ادب میں یہ ترکیب بڑی کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ کسی بھی مستند لغت میں اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا تو دشوار ہے کہ اردو ادب میں اسے سب سے پہلے کس نے متعارف کرایا، لیکن ''اردو لغت بورڈ'' (ترقی اردو بورڈ) کی اردو لغت میں اساتذہ کی تحریروں کے انتخاب کے ساتھ الفاظ وتراکیب کے معانی ومفاہیم مندرج ہیں۔ زنا بالجبر کی ذیل میں زمانی ترتیب سے ۱۹۲۸ء اور ۱۹۶۰ء کے دو حوالے ملتے ہیں۔ اس اعتبار سے قدیم ترین حوالہ یوں ہے:

زنا بالجبر: کسی عورت سے زبردستی بدکاری کرنے کا عمل۔ ''ظالم پر طینت بزدل یونانی سپاہیوں نے خود اپنی ہی یونانی بہنوں سے زنا بالجبر بھی کیا تھا''۔ (۱۹۲۸ء، حیرت، مضامین، ۱۱۳)۔ (۲۷)

اس کے باوجود یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ یہ لفظ مرزا حیرت سے قبل اساتذہ میں سے کسی نے استعمال نہیں کیا۔ لیکن مجرد لفظ ''زنا'' کا استعمال تلاش کرنے میں اصحاب لغت نے جس قدر اہتمام کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً یہ لفظ ۱۷۴۶ء میں ''قصہ مہر افروز ودلبر'' میں استعمال ہوا۔ اس لیے کسی قدر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ زنا بالجبر کی ترکیب ۱۹۲۸ء سے قبل اساتذہ کے علاوہ شاید کسی نے استعمال نہیں کی۔ اور اساتذہ میں سے مرزا حیرت ہی اس کے بانی وموجد معلوم ہوتے ہیں۔ (۲۸)

فقہ اسلامی میں زنا بالجبر کی اصطلاح

جدید عربی ادب اور معاصر فقہ اسلامی میں یہ ترکیب اپنے قانونی معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ اس کیفیت کے اظہارِ بیان کے لیے آج کل ''الاغتصاب'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی

ہے جس کا لغوی معنی جبراً اور ناروا طریقے پر کسی شے کا حصول ہے۔ ڈاکٹر رواس قلعہ جی کی لغت میں اس کا لغوی معنی یوں دیا گیا ہے:

الغصب : اخذ الشيء قهر اً و ظلماً ۔(۲۹)

جبراً اور ظالمانہ طریقے پر کسی شے کا حصول

لغت کی ترتیب کے مطابق یہ اس کا لغوی اور اساسی معنی ہے۔ آگے چل کر اس کی تفصیل میں بلا اذن صاحب المال، کسی مال متقوم کے حصول کے ساتھ اس کا ایک اصطلاحی مفہوم یوں ہے:

اغتصب المرأة : زنا بها كرها (Rape)۔(۳۰)

(اس نے) عورت کو زبردستی اٹھالیا: اس (عورت) سے زبردستی زنا کیا۔

یہی معنی سعدی ابوحبیب نے اپنی لغت میں بیان کیا ہے۔(۳۱)

اغتصاب کا ثلاثی مجرد "غصب" ہے جو اردو میں معروف ہے۔ اردو میں اس کا وہی مفہوم ہے جو اردو دان طبقے میں مروج ہے۔ یہ لفظ ثلاثی مجرد کی شکل میں قرآن میں بھی وارد ہوا ہے:

وَ كَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْباً. (۳۲)

آگے ایک بادشاہ (کا علاقہ) تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

زنا بالجبر (Rape) کے لیے آج کل عربی میں غصب کی توسیعی ساخت، اغتصاب کی اصطلاح مستعمل ہے۔ یہ لفظ افتعال کے وزن پر ہے۔ لغت عرب کے مطابق جب کسی ثلاثی مجرد کو کسی باب میں منتقل کیا جائے تو نیا لفظ دو مفاہیم کا حامل ہو جاتا ہے۔ ایک مفہوم تو ثلاثی مجرد کا اپنا مفہوم ہوتا ہے۔ دوسرا مفہوم نئے باب کے خصائص کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ افتعال کے باب میں نفوذ اور اثر پذیری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس طرح ثلاثی مجرد جب اس باب کے وزن پر آئے تو اس میں اثر پذیری اور نفوذ دونوں شامل ہو جاتے ہیں۔ یوں اغتصاب سے لغوی مراد کسی کی مطابقت کرنا ہے۔ باب کے خصائص کی وجہ سے مفہوم یہ ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر اثر انداز ہو رہا ہے اور لفظ غصب کے اصل معانی کی وجہ سے اثر انداز ہونے کا عمل قہراً اور ظلماً ہے۔ ان دونوں معانی کو جمع کر کے اصطلاحاً اسے زنا بالجبر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں فاعل (بالعموم مرد)

کسی مفعول (بالعموم عورت) کی مرضی و رغبت (Will & consensuality) کے خلاف اس (کی عصمت) پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اسلامی قانون کی اس بیّن اصطلاح سے لاعلمی کا نتیجہ حدود قوانین پر منفی انداز میں پڑنے کی شکل میں نکلا۔ یہ چار قوانین ۱۹۷۹ء میں ایک آرڈیننس کی شکل میں متعارف کرائے گئے۔ گمان غالب ہے کہ سرکاری انداز کار کے مطابق مقتدر کی ہدایت پر وزارت قانون کے مسودے کو کابینہ کی منظوری کے بعد صدارتی آرڈیننس کی شکل میں نافذ کر دیا گیا۔ پارلیمنٹ نہ ہونے کے باعث ان قوانین پر غور نہ ہو سکا۔ اور مسودے کی تشہیر نہ ہونے کے باعث معاشرے کے اصحاب دانش کی فکر ان قوانین میں نہ سموئی جا سکی۔ لیکن ان قوانین کی منظوری کے بعد جب بحث و نظر کا در وا ہوا تو عمل کے میدان میں ان کے کمزور پہلو کھل کر سامنے آئے۔

زنا بالجبر پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

زنا بالجبر کے اس طویل لغوی اور فقہی تعارف کا مقصد اہل علم کے سامنے یہ مقدمہ پیش کرنا تھا کہ جنسی عمل میں کسی فریق کی مرضی، رضا مندی اور رغبت سرے سے نہ ہو، وہاں اس سے گواہی طلب کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ کوئی شخص کسی نقد رقم کا لین دین کرے تو لازم ہے کہ وہ گواہی کے اہتمام کے ساتھ یہ کام کرے۔ کہیں نکاح کی تقریب منعقد ہو رہی ہو تو ضروری ہے کہ اس میں گواہ بلائے جائیں۔ لیکن گھر میں اکیلی عورت ہو، مجرم چپکے سے دیوار پھاند کر اس پر حملہ آور ہو، محلے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، وہاں چار عاقل، بالغ، مسلمان مرد اور تزکیۃ الشہود کے عمل سے گزار کر پاک صاف قرار دیے جانے والے گواہوں کا وجود عورت کیسے ثابت کرے؟

قانون مرتب کرنے والے قانون مرتب کر کے ایک طرف ہو گئے۔ اب اسلامی اقدار اور اسلام کے مؤیدین تنقید کا نشانہ بنتے ہیں، حالانکہ فقہ اور علوم اسلامیہ کا علم رکھنے والے افراد ابتدا ہی سے اس صورت حال کے مخالف رہے ہیں۔

حدود آرڈیننس کے اس حصے اور کچھ دیگر امور کی اسلامی حیثیت کو وفاقی شرعی عدالت میں

۱۹۸۳ء میں چیلنج کر دیا گیا تھا۔ عدالتی طریق کار سے گزر کر عدالت نے جو تنقیح طلب امور نکالے وہ یہ تھے:

۱۔ حدود کی سزاؤں کے نفاذ میں عورتوں کی شہادت کا مقام

۲۔ زنا بالجبر کی حیثیت

۳۔ جرم زنا کے لیے تعزیری سزا کا جواز

زیر نظر گفتگو سے صرف تنقیح دوم کا تعلق ہے۔ عدالت نے کتاب وسنت، آثار اور فقہا کے اقوال کا سہارا لے کر زنا بالجبر پر بحث کرتے ہوئے ابتداءً یہ نتیجہ نکالا:

تاہم ایک بات اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے اور اس پر کسی کا اختلاف نہیں کہ مستغیثہ (زنا بالجبر کا شکار عورت) کی دادرسی کے لیے جو اصول ہے' وہ اس نظام کی سختیوں اور حدود وقیود سے مشروط نہیں جو عام حالات میں پیش آنے والے واقعات کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ محض فنی وجوہات کی بنا پر کسی مستحق فریادی کو انصاف سے محروم کرنے اور بھیڑیوں کے حوالے کرنے اور دادرسی کے بجائے قذف کے تحت پٹوانے کو تو عام انسانی فطرت بھی گوارا نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ اسے شریعت اسلامیہ کے حکیمانہ' مشفقانہ اور رحیمانہ نظام کی طرف منسوب کیا جائے۔ چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ زنا بالجبر کے واقعات حقیقتاً اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ اور محاربہ کے ہم معنی ہیں۔ اور ان کے ساتھ اسی صورت میں نمٹنا ہے۔ کسی کے مال پر ڈاکہ ڈالنا، اگر اس محاربہ کی تعریف میں شامل ہے تو کسی کی عزت لوٹ لینا اس میں کیوں شامل نہیں ہو سکتا۔ آخر ایک انسان کے پاس عزت وعفت سے بڑا سرمایہ [کیا ہو سکتا ہے] اور یوں کسی کی عصمت دری کرنے سے زیادہ فساد اور کیا ہو سکتا ہے؟ (۳۴)

عدالت کا یہ استنتاج نصوص اور فقہی آرا پر طویل مباحثے کے بعد سامنے آیا۔ اس مباحثے میں ملک کے کہنہ مشق وکلا اور جید علما کو شریک کیا گیا تھا۔ خلاصہ کلام کے عنوان سے عدالت یوں رقم طراز ہے:

زنا بالجبر، زنا کے عام مقدمات سے مختلف نوعیت کا جرم ہے اور ہماری رائے میں یہ فساد فی الارض اور حرابہ کی سنگین قسم ہے، لہٰذا اس کے اثبات کے لیے زنا کے مطلوبہ نصاب شہادت کے بجائے حرابہ کا نصاب درکار ہے۔ (۳۴)

عدالت کا فیصلہ ان الفاظ میں ہے:

صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان سے گزارش ہے کہ یکم فروری ۱۹۹۰ء تک مذکورہ دفعات میں مجوزہ ترمیمات کرنے کے لیے مناسب اقدام عمل میں لائے جائیں۔ بصورت دیگر مذکورہ تاریخ کے بعد مذکورہ بالا دفعات کے غیر شرعی حصے قابل نفاذ نہ ہوں گے اور شرعی قوانین پر عمل ہوگا۔ (۳۵)

موجودہ قانونی اور واقعاتی صورت حال اور اس کے ثمرات

وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں حدود قوانین میں ترامیم کے لیے یکم فروری ۱۹۹۰ء کی حتمی تاریخ دی تھی، بصورت دیگر اس قانون کے متعلقہ حصے غیر موثر ہو جاتے۔ لیکن وفاقی حکومت نے دستور پاکستان میں دی گئی گنجائش کا سہارا لے کر اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ میں اپیل کر دی۔ اس اپیل کو تادم تحریر آج سولھواں سال ہے۔ دستور کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کرتے ہی فیصلے پر عمل درآمد کرنا معطل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدود آرڈیننس عملی طور پر اسی طرح نافذ العمل ہے جس طرح اس فیصلے سے قبل تھا۔ بالفاظ دیگر زنا بالجبر کے مقدمات میں مستغیثہ سے چار مسلمان، عاقل، بالغ، مسلمان مرد اور تزکیۃ الشہود کے عمل سے گزرے ہوئے گواہ درکار ہوتے ہیں۔ ان میں ذرا کمی واقع ہو جائے تو عورت پر قذف کی حد نافذ کی جاسکتی ہے۔

یہ معاملے کا عمومی، قانونی اور نظری زاویہ ہے۔ دوسری طرف دلچسپ بات یہ ہے کہ ملکی اخبارات میں تسلسل سے ایسی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ عصمت دری کے الزام میں پولیس نے ملزم گرفتار کر کے تفتیش شروع کر دی، اجتماعی زیادتی کے ملزمان گرفتار کر لیے گئے، مکان کی چار دیواری پھاند کر عورت پر بری نیت سے حملہ آور ہونے والے کے خلاف مقدمہ درج کر کے ملزم

گرفتار کرلیا گیا۔تازہ ترین خبر ملاحظہ ہو:

قصبہ مرید میں دو افراد کی لڑکی سے زیادتی۔(ر۔ب) نے پولیس کو بتایا کہ وہ کھیتوں میں رفع حاجت کے لیے گئی تو ولایت شاہ، ملازم حسین اور ایک تیسرے آدمی نے جس کا وہ نام نہیں جانتی اسے پکڑ لیا۔۔۔وہ اس کے ساتھ زبردستی زیادتی کرتے رہے۔۔۔صدر پولیس نے حدود آرڈیننس کا مقدمہ درج کر کے ایک ملزم گرفتار کرلیا جبکہ دوسرے کی تلاش جاری ہے۔(۳۶)

اب ذہن میں سوال آتا ہے کہ جب زنا بالجبر کا الزام لگانے پر حدود آرڈیننس کے تحت عورت سے عاقل، بالغ، مسلمان اور تزکیۃ الشہود کے عمل سے گزرے ہوئے چار گواہ درکار ہوں تو یہ مقدمات کیسے درج ہوتے ہیں، ملزم کس بنا پر گرفتار کیے جاتے ہیں اور عدالتیں کس قانون کے تحت انہیں سزائیں دیتی ہیں؟ اس سوال کا جواب ذرا مشکل نہیں ہے۔اور خود حدود آرڈیننس ہی کے تحت یہ تمام کارروائی کی جاتی ہے۔حدود آرڈیننس ملاحظہ ہو:

ترجمہ:(ا) جو کوئی ایسے زنا یا زنا بالجبر کا ارتکاب کرے جو مستوجب حد نہ ہو، یا سیکشن ۸ میں مذکورہ ثبوت کی کسی شکل کے مطابق کوئی ثبوت دستیاب نہ ہو اور سزائے قذف مستوجب حد نہ دی گئی ہو، یا جس کے لیے اس آرڈیننس کے تحت حد زنا نافذ نہ کی جا سکتی ہو، وہ لائق تعزیر ہوگا۔(۳۷)

ذیلی سیکشن میں اس جرم کی سزا مذکور ہے جو زیادہ سے زیادہ دس سال قید با مشقت مع تیس کوڑوں کے ساتھ ساتھ مالی جرمانہ بھی ہو سکتی ہے۔

اس سیکشن کے تحت واقعاتی عملی صورت حال اس صورت حال سے کلیتاً مختلف ہے جس پر غیر سرکاری تنظیموں، نمائندگان متنورین اور عورتوں کی تنظیموں کے لیے کام کرنے والوں نے گزشتہ اڑھائی عشروں سے واویلا مچا رکھا ہے۔

صحیح صورت حال یہ ہے کہ حدود آرڈیننس ہی کے تحت زنا بالجبر کے واقعات کی اطلاع نہ صرف پولیس کو دی جاتی ہے بلکہ مطلوبہ خصائص کے حامل چار گواہ طلب کیے بغیر پولیس عدالتوں

میں چالان بھی پیش کرتی ہے اور عدالتیں مقدمے کی نوعیت کے مطابق مرتکبین کو سزائیں بھی دیتی ہیں۔ اس بات کے ثبوت کے لیے حدود آرڈیننس کے سیکشن ۱۰ پر عدالتوں کے متعدد ایسے فیصلے متعلقہ قانونی مجلّات میں دیکھے جا سکتے ہیں جن میں کہیں تو صرف عورت کی گواہی پر انحصار کر کے ملزم کو سزا دی گئی اور کہیں واقعاتی شواہد کی بنیاد پر ملزم کو مجرم گردانا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت کا ایک فیصلہ ملاحظہ ہو:

زنا بالجبر۔ شہادت مغویہ۔ قول کہ ''زنا کے معاملے میں عورت کی شہادت معتبر نہیں'' درست نہیں۔ اگر اس قول کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس کا مطلب فقط یہ ہوگا کہ عورت کی شہادت پر کسی زانی یا زانیہ پر رجم یا سو کوڑوں کی حد جاری نہیں ہو سکتی اور یہ مطلب نہیں کہ عورت کی شہادت کسی درجے یا قرینے کے اعتبار سے بھی قابل اعتنا نہیں اور یہ تعزیری سزا کے نفاذ میں بھی اثر انداز یا متعلق نہیں ہو سکتی۔ (۳۸)

چنانچہ ان دونوں سیکشنوں کو ملا کر پڑھنے سے صورت حال یوں سامنے آتی ہے کہ اگر زنا بالجبر کے مقدمے میں عورت چار عاقل، بالغ، مسلمان اور تزکیۃ الشہود کے عمل سے گزرے ہوئے گواہ پیش کر دے تو ملزم پر حد جاری ہوگی۔ لیکن گواہی کا یہ مطلوبہ نصاب نامکمل ہو تو حدود آرڈیننس کے سیکشن ۱۰ کے تحت ملزم کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ اس طرح ملزم کے بچ نکلنے یا عورت سے چار گواہ طلب کرنے کا الزام، سوائے الزام کے کچھ نہیں ہے۔

حقیقی صورت حال وہی ہے جو گزشتہ سطور میں ہندوستانی اہل علم کے حوالے سے بیان کی جا چکی ہے۔ ڈاکٹر جیمز اور ڈاکٹر جیکب کے نتائج تحقیق بالکل درست ہیں کہ صارفین کے اس ملک (ہندوستان) میں اشیا کے لین دین میں عورت کا استعمال (Flesh trade) ایک وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان میں یہ صورت ایک سطح پر تو بالکل ویسی ہے لیکن ایک دوسری سطح پر حدود آرڈیننس ان ''تجارتی آزادیوں'' کی راہ میں ایک بہت بڑا روڑا ہے۔ یہ رکاوٹ دور کرنے کے لیے دلچسپیاں رکھنے والے (Stakeholders) ممالک اور کثیر القومی تجارتی ادارے سیاسی اور مالیاتی سطح پر وسیع پیمانے پر سرمایہ کاری کر چکے ہیں۔ پاکستان میں امن وامان بالخصوص زنا بالجبر

کے واقعات سے کئی ممالک کا سیاسی مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ غیر سرکاری تنظیموں کے بے پناہ مالیاتی مفادات ہوتے ہیں۔ بلوچستان کی ایک خاتون ڈاکٹر شازیہ اور پنجاب کی ایک خاتون مختار مائی کے ساتھ زیادتی ہونے پر دلچسپی رکھنے والے حلقوں کا ردعمل ملاحظہ ہو:

برطانیہ نے ڈاکٹر شازیہ اور ان کے شوہر کو سیاسی پناہ دے دی۔ برطانوی حکومت کے ذرائع کا کہنا ہے کہ دونوں میاں بیوی کو فی الحال ایک ہوٹل میں عارضی رہائش دی گئی ہے۔ (۳۹)

دوسری خبر اس طرح ہے:

مختار مائی کو کینیڈا کی شہریت دینے کی پیش کش، ملکی وقار مجروح نہیں ہونے دوں گی، مختار مائی۔ (۴۰)

اسی کے تسلسل میں ایک اور خبر:

مختار مائی پر حکومتی پابندیاں افسوس ناک ہیں، امریکا۔ امریکی سفارت کاروں کا مختار مائی سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ اس کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر مایوس ہیں، کرسٹینا روکا۔ (۴۱)

مندرجہ بالا ''عالمی واقعے'' پر سپر پاور کے اس ردعمل کے بعد ایک اور خبر ملاحظہ ہو:

مختار مائی کا نام ای سی ایل سے خارج، وزیر اعظم سے ٹیلی فون پر اظہار تشکر۔ (۴۲)

اور آخر کار رئیس المتنورین کو خود میدان میں آنا پڑا:

زیادتی کی شکار خواتین کی عالمی کانفرنس بلاؤں گا، صدر پرویز۔

بعض مفاد پرست عناصر مختار مائی کی نیک نیتی سے مدد کے بجائے پاکستان کو بدنام کرنے کے مقاصد رکھتے تھے۔ [اس لیے اس کا نام ای سی ایل میں شامل کرنا پڑا]۔ (۴۳)

اس مقدمے کی تفصیل یہ ہے کہ مختار مائی نامی ایک خاتون اجتماعی زیادتی کا شکار ہوئی تو غیر سرکاری تنظیموں کی بن آئی۔ اس معاملے کو ذرائع ابلاغ میں بہت اچھالا گیا۔ غیر سرکاری تنظیموں نے اس عورت کو ہندوستان اور اسپین کے دورے کرائے اور ملکی وقار کو وہ وہ نقصان پہنچائے کہ خود روشن خیال حکومت کو اس عورت کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کرنا پڑا۔ اس پر عالمی سطح پر

دوبارہ شدید ردعمل ہوا تو بالآخر حکومت پاکستان کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ اس سانحے کے بارے میں خود حکومتی حلقوں کی طرف سے جس قسم کی معلومات کا انکشاف ہوا ہے، اس سے متعلق ایک خبر ملاحظہ ہو:

مختار مائی کروڑ پتی بن چکی، اپنی کہانی کے ذریعے مزید دولت کمانا چاہتی ہے۔ (پارلیمانی سیکرٹری کابینہ ڈویژن)

آگے چل کر اس خبر کی تفصیل میں پارلیمانی سیکرٹری برائے کابینہ ڈویژن ڈاکٹر فردوس عاشق نے کہا ہے:

''مختاراں مائی اس وقت سولہ کروڑ روپے کی مالک بن چکی ہے جو اس کے اکاؤنٹ میں پڑے ہیں اور اب وہ ایک شاہانہ زندگی گزار رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مختاراں مائی کیس میں ابھی اس بات کا یقین کرنا باقی ہے کہ اس کی کہانی کے پیچھے کیا اسباب ہیں۔ بظاہر اس نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو کمرشلائز کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ دنیا سے بہت مال بٹور رہی ہے۔۔۔ وہ مظلوم عورت جس کے پاس انصاف کے حصول کے لیے وسائل نہیں تھے۔ آج شاہانہ زندگی کیسے گزار رہی ہے۔ اس نے دو پرائیویٹ خواتین ملازمت پر رکھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک کی تنخواہ دس ہزار روپے اور دوسری کی سولہ ہزار روپے ہے۔۔۔ مختاراں مائی کو اس لیے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کیا گیا کہ وہ ملک سے باہر جا کر پاکستان کا چہرہ مسخ کرنا چاہتی تھی اور اپنی کہانی کو کمرشلائز کر کے مزید دولت کمانا چاہتی تھی۔ (۴۴)

یہ محترمہ پارلیمانی سیکرٹری، حزب اختلاف کی رکن نہیں بلکہ سرکاری حکمران پارٹی کی ممبر ہیں اور سرکاری موقف کی وضاحت کر رہی تھیں۔ ''سولہ کروڑ اس کے اکاؤنٹ میں پڑے ہیں'' سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس عورت کو استعمال کرنے والی تنظیموں اور اداروں نے کیا کچھ کمایا ہوگا۔

ناموس زن کی خاطر کام کرنے والی تنظیموں کے اس چہرے کی یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے جو

کبھی کبھی عوام پر منکشف ہو جاتی ہے۔ ''بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم'' کے عوض کروڑوں اربوں کے ثمرات ان لوگوں کے لیے کسی خسارے کا سودا نہیں ہے۔

ادھر خود امریکا کی حالت یہ ہے کہ صرف عراق، کویت اور افغانستان میں امریکی فوج کی ۹۱ خواتین نے اپنے ساتھی فوجیوں کے ہاتھوں زیادتی کی شکایات کیں۔ نیوی میں ایسے ۱۲ اور ائیر فورس میں ۳ واقعات ہوئے۔ تربیتی اکیڈمی میں ۵۴ لیڈی افسروں نے دوران تربیت جنسی زیادتیوں کی شکایت کی۔ امریکی فوج کی کیپٹن جینفر میچر تین سالوں میں تین دفعہ زیادتی کا شکار ہو چکی ہے اور جب اس نے شکایت کی تو دادرسی کے بجائے ملزم کو ترقی مل گئی۔ خاتون میجر بیتھ جیمسن کے ساتھ کویت میں اس کے ایک افسر نے زیادتی کی۔ تحقیق کے بعد بریگیڈیئر جنرل کے سی میکلن ملزم کے خلاف فیصلہ دے چکی ہیں لیکن ملزم کے خلاف کارروائی نہیں ہوئی۔ یہ امریکی فوج کی صورت حال ہے۔

دوسری طرف عام زندگی میں ایف بی آئی کے مطابق ۲۰۰۳ء میں ۱۹۳،۲۳۳ امریکی خواتین زیادتی کا شکار ہوئیں۔ (۴۵)

ان حالات میں اعلیٰ امریکی عہدے دار کی مختاراں مائی کے معاملے میں حد سے متجاوز غیر معمولی دلچسپی کو تہتک کے سوا کس رویے سے معنون کیا جا سکتا ہے؟

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا ناقدانہ جائزہ

وفاقی شرعی عدالت کا زیر نظر فیصلہ حدود اللہ کے تحفظ کی ایک اچھی کوشش ہے۔ کسی قانون میں سے سقم دور کرنا، قانون بنانے والوں کے ذمے ہی نہیں ہوتا، قانون کی حمایت اور مخالفت کرنے والے بھی کم از کم مشترک نکات کی حد تک خرابیاں دور کرنے کے یقیناً مکلّف ہوتے ہیں۔ یہ کہہ دینا کہ وہ این جی او، یا فلاں مغرب زدہ طبقہ حدود قوانین کی مخالفت کر رہا ہے، کافی نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ان قوانین کی مخالفت کے محرکات اور محور تلاش کر کے ان پر توجہ دی جائے، بلکہ یہاں تک کہہ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ زنا بالجبر پر موجودہ قانون سازی کی مخالفت

میں اگر کوئی شخص یا تنظیم بغض معاویہ کے باعث کام کر رہا ہو تو بھی حب علی کے کیمپ میں بیٹھے اصحاب فکر کو اس پر توجہ کرنا چاہیے کہ جو کام ان کے کرنے کا تھا، وہ دوسرے لوگ کیوں کر رہے ہیں۔

اس غفلت کا نتیجہ کیا نکلا؟ حدود آرڈیننس کے تمام مثبت پہلوؤں سے اعراض کر کے اس کے مخالفین جگہ جگہ اس کے منفی پہلوؤں کو اچھالتے ہوئے سرے سے حدود اللہ کو در یا برد کرنے کے مطالبات کر رہے ہیں۔ چنانچہ عام آدمی تو ایک طرف رہا، اچھے خاصے فہمیدہ اور سوجھ بوجھ رکھنے والے اہل علم بھی حدود قوانین کی مخالفت کرتے پائے گئے۔ ان حالات میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بنچ اگر اس کے خلاف اپیل کی سماعت شروع کر کے اسے بحسن وبخوبی نمٹا دے تو حدود قوانین کے مخالفین کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہے گا۔

لیکن یہ مسئلے کا ایک پہلو ہے۔ فی الحقیقت وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ بھی بڑی توجہ اور نکتہ سنجی کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا خوش آئند اور روشن پہلو تو یہ ہے کہ اس نے اسلامی تعلیمات کے بالکل عین مطابق زنا بالجبر کو زنا کی قسم قرار نہیں دیا۔ لیکن عدالت کا یہی فیصلہ اس لحاظ سے گہری توجہ چاہتا ہے کہ عدالت نے زنا بالجبر کو حرابہ کیوں قرار دیا۔

کیا زنا بالجبر حرابہ کی قسم ہے؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے طویل عدالتی عمل سے گزر کر زنا بالجبر کو زنا کی قسم قرار نہیں دیا بلکہ اسے حرابہ میں شمار کیا ہے۔ فیصلے کے آخری حصے میں عدالت کا حکم ان الفاظ میں ہے:

۴۴۔ حکم: للہذا ہم:۔۔۔۔

(ب) اور ساتھ ہی شریعت پٹیشن نمبر ۱۴/ا کے ۱۹۸۳ء، شریعت پٹیشن نمبر ۲/ا یل ۱۹۸۵ء کے بعض حصوں سے اتفاق کرتے ہوئے زنا آرڈیننس کی دفعات ۸ اور ۹(۴) میں حسب ذیل ترمیمات کا حکم دیتے ہیں:

(ا) صرف زنا کے لیے ''چار بالغ مسلمان مرد'' کا نصاب برقرار رکھتے ہوئے زنا بالجبر کی

سزائے حد کے لیے دفعہ نمبر ۸ میں الگ حصہ بڑھا کر نصاب شہادت ''دو بالغ مسلمان مرد'' رکھا جائے۔ جو دفعہ۔ ۸ (ب) میں مذکور صفات کے حامل ہوں۔ (۴۶)

وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ لکھتے وقت جس استدلال کا سہارا لیا تھا، وہ بہت منطقی اور مجموعی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا لیکن عدالتی استشہاد کے حوالے سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ محل نظر ہے اور نظر ثانی کا تقاضا کرتا ہے۔ عدالت نے زنا بالجبر کو حرابہ قرار دے کر اسے پھر حدود ہی میں شمار کیا ہے۔ اس سے صرف یہ فرق پڑا ہے کہ گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو کر دو رہ گئی ہے۔ عدالت نے گواہوں کے خصائص میں کوئی تبدیلی تجویز نہیں کی۔ اس طرح زنا بالجبر کے معاملے میں وفاقی شرعی عدالت نے کوئی جوہری تبدیلی متعارف نہیں کرائی۔

اس میں شک نہیں ہے کہ بعض علما نے جبر و تشدد، لوٹ مار، ڈاکا زنی اور نسل کشی کے ساتھ عصمت دری کو بھی حرابہ میں شمار کیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی اسی سے استدلال کیا ہے۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت کے حد درجہ احترام کے ساتھ ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جن آیات کی تفسیر کی بنیاد پر زنا بالجبر کو حرابہ قرار دیا گیا ہے، ان آیات میں نفس مضمون زنا بالجبر نہیں ہے، مثلاً سورہ بقرہ میں زمین میں فساد برپا کرنے والے اس شخص کا ذکر ہے جو اقتدار ملنے پر بعض افعال خبیثہ کا ارتکاب کرتا ہے جن میں نسل کشی شامل ہے۔ (۴۷) سورہ مائدہ (۴۸) میں اللہ اور اس کے رسول کے باغیوں کے تذکرے میں علما نے بغاوت اور فساد فی الارض میں عصمت دری کو شامل کیا ہے۔ (۴۹) ابن العربی تو مفسرین کے قول کے مطابق حرابہ کو کفر قرار دیتے ہیں۔ (۵۰)

علما نے انسانی فطرت کی درست منظر کشی کی۔ جو شخص یا گروہ قرآنی آیات کے مصداق زمین میں فساد پھیلاتا ہے اس کے افعال خبیثہ کی فہرست میں عصمت دری یا زنا بالجبر یقیناً داخل ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اولاً حرابہ کی کیفیت نظر آئے پھر اس کیفیت کے وجود کے ساتھ ہی جو جو فعل بد نظر آئے گا اسے حرابہ ہی میں شمار کیا جائے گا۔ بدقسمتی سے وفاقی شرعی عدالت نے جزئیہ لے کر اسے کلیہ بنا دیا۔ فی الحقیقت مذکورہ آیات میں زنا بالجبر کا تذکرہ نہیں جو جزئیہ ہے بلکہ نفس مضمون حرابہ ہے جو کلیہ ہے۔ حرابہ کا وجود ثابت ہوتے ہی اس کے ذیل میں آنے والے جملہ

افعال حرابہ میں شمار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اس فعل کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حرابہ کی صورت میں زنا بالجبر

۲۔ مجرد زنا بالجبر

زنا بالجبر کی حرابہ والی ایک شکل تو وہ ہے جسے فقہا نے مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں بیان کیا۔ عہد حاضر میں ڈاکو ڈکیت، لوٹ مار کرنے والے اور گروپوں کی شکل میں عصمت دری کرنے والے حرابہ کی تعریف میں یقیناً آ سکتے ہیں۔ معاشرے میں اجتماعیت ظاہر کرنے والے عوامی مقامات پر زنا بالجبر کا ارتکاب بھی ریاستی قانون سازی کے ذریعے حرابہ کی تعریف میں آ سکتا ہے جیسے دفاتر، ہسپتال، ہوسٹل وغیرہ۔ اور اس کی تعزیری سزا کے لیے عدالتی اطمینان کی حد تک ثبوت کافی ہو سکتا ہے، جیسے کسی بھی قسم کی گواہی، ڈی این اے ٹیسٹ، لیبارٹری ٹیسٹ اور دیگر واقعاتی شواہد۔ لیکن مجرد زنا بالجبر کو حرابہ قرار دینا مذکورہ بالا آیات کی تفسیر کے حسب حال نہیں ہے۔ کیونکہ اس فعل کے ارتکاب کے وقت حرابہ کی وہ کیفیت موجود نہیں ہوتی جو ان آیات میں اللہ کریم نے بیان فرمائی ہے۔ بلکہ اس کا مرتکب یا تو نفسانی خواہشات کے آگے سپر ڈال چکا ہوتا ہے، یا کسی انتقامی جذبے سے مغلوب ہو کر اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ ان دونوں کیفیات کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دینا خاصے غور و فکر کا متقاضی ہے۔

اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ حرابہ پر قدرے تفصیل سے غور کر لیا جائے۔

حرابہ کی کیفیت

حرابہ در حقیقت فساد فی الارض کی ایک شکل ہے۔ اس کا مصدر حرب ہے۔ جس کا معنی جنگ ہے۔ آیت محاربہ میں یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کی علت فِی الْاَرْضِ فَسَادًا موجود ہے۔ آیت پر سرسری سی نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ گروہ یا اجتماعی شکل کا فساد فی الارض کرتے ہیں۔ غور فرمائیے۔ قرآن میں سرقہ کا ذکر آیا تو منفرد کا (۵۱)، زانی کا ذکر آیا تو منفرد کا (۵۲)، حدیث میں ارتداد کا ذکر آیا تو منفرد کا (مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ) (۵۳)، لیکن آیت

محاربہ میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا جو گروہ پر دلالت کرتا ہے۔

اس آیت میں دوسری اہم بات اللہ اور اس کے رسول سے جنگ ہے، جو فساد فی الارض کی ایک کیفیت ہے۔ یہ واضح ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا مطلب ریاست کے خلاف جنگ ہے۔ اس داعیہ کی تائید آیت میں جمع کا صیغہ کر رہا ہے۔ امام قرطبی اس آیت کے شان نزول میں کئی اسباب بیان فرماتے ہیں۔ ایک یہ کہ آیت اہل کتاب میں سے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جس کے ساتھ رسول اللہ کا معاہدہ تھا۔ ان لوگوں نے معاہدہ توڑ کر شاہ راہوں پر ڈکیتیاں شروع کر دیں۔ ایک دوسرے قول کے تحت یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک اور رائے کے مطابق یہ آیت ان مسلمان باغیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے شاہ راہوں پر ڈکیتیاں شروع کر دی تھیں۔ (۵۴)

کچھ بھی ہو اس آیت میں فرد کی بجائے گروہ پیش نظر ہے۔

جب یہ لوگ فساد فی الارض کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کام میں کئی افعال شامل ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کا مال و اسباب لوٹنا، راستے بند کر کے خوف کی کیفیت پیدا کر دینا، لوگوں کو قتل کرنا، نسل کشی، عورتوں کی عصمت دری کرنا، غرضیکہ فساد فی الارض کے ذیل میں ہر وہ فعل آ جاتا ہے جو ریاست کے خلاف جنگ کے راستے پر لے جائے۔

فساد فی الارض کی ایک کیفیت سورہ بقرہ میں بھی موجود ہے، (۵۵) جس کے تحت کھیتوں کو برباد کرنا اور نسل انسانی کو ہلاکت میں ڈالنا بھی فساد فی الارض کی شکلیں ہیں۔ اس طرح یہ افعال بھی حرابہ میں داخل ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عصمت دری جسے ہم حرابہ میں شامل کرنا چاہیں' اس کے لیے حرابہ کی کیفیت درکار ہے، مثلاً خفیہ طریقے سے لوگوں کا مال چرانا حرابہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حرابہ کی کیفیت موجود نہیں۔ انتقامی جذبے سے مغلوب ہو کر کسی کو قتل کرنا حرابہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حرابہ کی کیفیت نہیں ہے۔ اسی طرح مجرد زنا بالجبر یا انفرادی طور پر کسی کی عصمت دری بھی حرابہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حرابہ کی کیفیت موجود نہیں۔ اگر مجرد زنا بالجبر کو حرابہ قرار دیا جائے تو عملاً اس

کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کیفیت حرابہ کے بغیر سرزد ہونے والے ہر فعل کا فاعل محارب قرار پائے جانے کی بنیاد پر حد حرابہ کا سزاوار ٹھہرے گا، مثلاً نسل انسانی کو ہلاکت میں ڈالنے والا بھی مستوجب حد حرابہ ہوگا جیسے حمل ضائع کرنے والی ڈاکٹر، نرس، دائی وغیرہ۔

اس بیان کی تائید مابعد کی آیت بھی کر رہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ توبہ کر لیں انہیں یہ سزائیں (قتل، سولی، ہاتھ پاؤں کاٹنا) نہ دی جائیں۔ اس طرح زنا بالجبر کو حرابہ قرار دینے سے یہ پیچیدگی پیدا ہوتی ہے کہ توبہ کرنے والوں کے لیے عفو کا راستہ کھلا ہوتا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت نے حدود آرڈیننس میں مذکور زنا بالجبر کو حرابہ قرار دیا۔ اس زنا بالجبر کے خصائص اور نتائج کے تحت کسی ایسے شخص کی مرضی کے خلاف زبردستی جنسی فعل کا ارتکاب بھی حرابہ ہے جس کے ساتھ فاعل کا نکاح صحیح نہ ہو۔ چنانچہ کم سن بچی کے ساتھ اسلامی شریعت میں نکاح صحیح ہوتا ہے۔ لیکن مسلم فیملی لا آرڈیننس کے تحت سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ (۵۶) اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسلامی شریعت کے تحت نکاح صحیح کے تحت کیا جانے والا جنسی فعل زنا بالجبر قرار پائے جانے کی بنیاد پر مستوجب حد حرابہ ہوا کرے گا اور اس کے لیے یا تو مرتکب کا اقرار درکار ہوگا، یا دو عاقل بالغ عادل مسلمان مردوں کی گواہی درکار ہوا کرے گی۔ اور یوں دنیا کی نظر میں یہ ایک مضحکہ خیز صورت حال ہوگی۔

زنا بالجبر جسم انسانی کے خلاف جرم ہے

حرابہ کی مجرد خصوصیت پر حد حرابہ کا نفاذ لاتعداد پیچیدگیوں کا سبب بن سکتا ہے۔ نسل انسانی کو ہلاکت میں ڈالنے والے جملہ خواتین وحضرات — ڈاکٹر، نرسیں، دائیاں — بھی کیوں نہ حد حرابہ میں لائے جائیں۔ کسی گاؤں میں ایک شخص کے دوسرے کو زخمی کر دینے پر دوسرے کا کوئی عزیز پہلے کے کھیتوں کو آگ لگا دے تو اول الذکر سے محض قصاص یا دیت لے لی جائے گی لیکن آگ لگانے والا حد حرابہ کی زد میں کیوں نہ لایا جائے۔

چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ مجرد زنا بالجبر —— انتقامی جذبے یا نفسانی خواہش کے زیر اثر —— نہ تو

حرابہ کی شکل ہے اور نہ اسے زنا میں شمار کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس کا مرتبہ ومقام وہی ہے جو حدود آرڈیننس کے متعارف کرانے سے قبل تعزیرات پاکستان میں زنا بالجبر کا تھا کہ جب اسے ''جسم انسانی کے خلاف جرائم'' میں شمار کیا جاتا تھا۔(۵۷) پس کہا جا سکتا ہے کہ زنا بالجبر کی اس دوسری قسم کا شمار حدود میں کرنا محل نظر ہے۔ یہ جسم انسانی کے خلاف عمومی جرائم میں سے ایک سنگین جرم ہے جس کے ثبوت کے لیے وہی شواہد ہوتے ہیں جو عدالتی اطمینان کے لیے کافی ہوں جیسے بلا استثنا جنس و مذہب عام لوگوں کی گواہی اور دیگر اسالیب تفتیش، تاہم تعزیرات پاکستان میں اس فعل کی سزا میں موت کی سزا کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ سنت نبوی سے ثابت ہے۔ امید ہے اہل علم اس پر مزید غور کریں گے۔

حدود آرڈیننس: حقائق اور افسانے

گزشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک سرکاری ادارے کی رپورٹ بابت حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں اعداد و شمار کے بغیر کچھ مفروضات پر مبنی آرا دی گئی ہیں۔ حدود آرڈیننس پر یہ رپورٹ اس کمیٹی نے مرتب کی تھی جس کی سربراہی ہائی کورٹ کی ایک ریٹائرڈ خاتون جج کے پاس تھی۔ ایک این جی او نے حدود آرڈیننس پر رپورٹ مرتب کرانے کے لیے ایک کہنہ مشق محقق کی خدمات حاصل کیں۔ لیکن چوٹی کے ایک ادارے کی مرتب کردہ رپورٹ اور ایک کہنہ مشق محقق کی مرتب کردہ کتاب مفروضات اور قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔

اسی طرح حدود آرڈیننس کا دفاع کرنے والی ایک این جی او' ویمن ایڈ ٹرسٹ نے کچھ اعداد و شمار دے کر یہ رائے دی:

> جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جیلوں میں ۸۰ فی صد سے ۹۰ فی صد خواتین کے خلاف' حد زنا آرڈیننس کے تحت مقدمات درج ہوتے ہیں یہ درست نہیں ہے بلکہ اگلے صفحے پر دیے گئے اعداد و شمار اسے مبالغہ آرائی پر مبنی قرار دیتے ہیں۔(۵۸)

اس ٹرسٹ نے اگلے صفحے پر ستمبر ۲۰۰۳ء میں پاکستان کی صرف تین جیلوں میں خواتین قیدیوں کی صورت حال دی۔ اس کے فوراً بعد صرف جولائی ۲۰۰۳ء میں صوبہ سرحد کے صرف آٹھ

منتخب اضلاع میں خواتین قیدیوں کے بارے میں تفصیلات دی گئی ہیں۔

ویمن ایڈ ٹرسٹ اس لحاظ سے نیشنل کمیشن برائے حیثیت نسواں اور عورت فاؤنڈیشن سے ایک قدم آگے ہے کہ اس نے اعداد و شمار کی بنیاد پر اپنا موقف بیان کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن بدقسمتی سے اس نے اعداد و شمار کا کوئی ماخذ نہیں بتایا، اس لیے اسے لائق استناد قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ اگر ان اعداد و شمار کو مستند سمجھ لیا جائے تو بھی ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ چند منتخب اضلاع کے متعلق معلومات کو کیوں بنیاد بنایا گیا ہے۔ ملک کی تین بڑی جیلوں میں خواتین قیدیوں پر معلومات کے لیے ستمبر ۲۰۰۳ء کا مہینہ چنا گیا' جبکہ صوبہ سرحد کے چند منتخب اضلاع میں خواتین قیدیوں پر معلومات کے لیے جولائی ۲۰۰۳ء کا مہینہ لیا گیا ہے۔ اس طرح کام میں تسلسل اور یکسانیت نہ ہونے کے باعث اس سارے عمل کو لائق اعتنا قرار دینا خاصا دشوار کام ہے۔

اس کے علاوہ اخبارات میں کالم نویسوں اور مضمون نگاروں نے بلا دلیل اور من گھڑت اعداد و شمار دے کر صورت حال بری طرح مسخ کر رکھی ہے۔ اس سے عام آدمی تو ایک طرف رہا' اچھے خاصے سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی یہ کہتے پائے گئے ہیں کہ حدود آرڈیننس کی وجہ سے عورتوں پر ظلم میں اضافہ ہوا ہے اور حدود آرڈیننس کا زنا بالجبر والا حصہ اس صورت حال کا ذمہ دار ہے۔ یہ صورت حال تشویش ناک ہونے کے ساتھ ساتھ افسوس ناک بھی ہے۔ معلوم نہیں حدود آرڈیننس کی مخالفت میں بلا دلیل بات کرنے والے خواتین وحضرات معمولی فائدے کے لیے اخروی فوز وفلاح کو کیوں داؤ پر لگائے بیٹھے ہیں۔

چنانچہ اس موقع پر ضروری ہے کہ زنا بالجبر سے متعلق مستند ترین اعداد و شمار دیے جائیں، تاکہ حقیقی صورت حال سامنے آئے۔ یہ اعداد و شمار حکومت پاکستان کے اس ادارے کے مرتب کردہ ہیں جو اسی کام پر مامور ہے۔ حکومت پاکستان اور دنیا بھر کے ادارے انہی اعداد و شمار پر انحصار کرتے ہیں۔ دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ پاکستان کا موازنہ کرتے وقت یہی اعداد و شمار سامنے رکھے جاتے ہیں۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں جرائم کی صورت حال اس طرح ہے:

پاکستان میں زنا بالجبر کے واقعات (۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۰ء)

نمبر شمار	سال	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان	میزان
۱	۱۹۴۷ء	۲۰۳	۴۴	۵۴	۳	۳۰۴
۲	۱۹۴۸ء	۲۶۰	۳۹	۵۴	۶	۳۵۹
۳	۱۹۴۹ء	۴۰۰	۴۶	۷۱	۴	۵۲۱
۴	۱۹۵۰ء	۲۷۱	۵۷	۷۱	۳	۴۰۲
۵	۱۹۵۱ء	۲۵۳	۵۵	۷۰	۷	۳۸۵
۶	۱۹۵۲ء	۲۵۳	۴۶	۳۵	۴	۳۳۸
۷	۱۹۵۳ء	۲۷۲	۵۶	۶۶	۲	۳۹۶
۸	۱۹۵۴ء	۲۶۸	۵۴	۷۷	۴	۴۰۳
۹	۱۹۵۵ء	۲۷۱	۵۰	۶۴	۲	۳۸۷
۱۰	۱۹۵۶ء	۲۴۸	۷۵	۷۸	۱	۴۰۲
۱۱	۱۹۵۷ء	۲۳۰	۵۸	۴۸	۴	۳۴۰
۱۲	۱۹۵۸ء	۲۶۵	۸۹	۵۰	۱	۴۰۵
۱۳	۱۹۵۹ء	۲۹۸	۶۴	۵۹	۲	۴۲۳
۱۴	۱۹۶۰ء	۲۴۹	۶۱	۵۱	۱	۳۶۲
۱۵	۱۹۶۱ء	۳۲۰	۷۶	۵۵	۲	۴۵۳
۱۶	۱۹۶۲ء	۲۳۲	۶۲	۶۱	۶	۳۶۱
۱۷	۱۹۶۳ء	۲۹۱	۶۴	۵۲	۳	۴۱۰
۱۸	۱۹۶۴ء	۲۱۵	۵۱	۴۲	۳	۳۱۱

نمبر شمار	سال	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان	میزان
۱۹	۱۹۶۵ء	۲۶۲	۶۷	۳۶	۳	۳۶۸
۲۰	۱۹۶۶ء	۲۶۷	۵۸	۴۶	۳	۳۷۴
۲۱	۱۹۶۷ء	۲۶۸	۶۲	۴۷	۱	۳۷۸
۲۲	۱۹۶۸ء	۳۰۶	۶۲	۳۶	۶	۴۱۰
۲۳	۱۹۶۹ء	۴۱۰	۱۰۵	۴۷	۶	۵۶۸
۲۴	۱۹۷۰ء	۳۵۴	۱۰۰	۴۸	۷	۵۰۹
۲۵	۱۹۷۱ء	۴۶۴	۱۲۱	۳۹	۱۲	۶۳۶
۲۶	۱۹۷۲ء	۴۱۹	۱۱۱	۲۸	۱۴	۵۷۲
۲۷	۱۹۷۳ء	۴۳۱	۹۵	۴۴	۱۷	۵۸۷
۲۸	۱۹۷۴ء	۳۸۵	۸۵	۳۹	۳	۵۱۲
۲۹	۱۹۷۵ء	۴۰۸	۱۲۲	۳۰	۷	۵۶۷
۳۰	۱۹۷۶ء	۴۵۹	۱۲۶	۵۱	۷	۶۴۳
۳۱	۱۹۷۷ء	۴۷۵	۱۰۸	۶۳	۶	۶۵۲
۳۲	۱۹۷۸ء	۶۴۸	۱۴۶	۹۵	۵	۸۹۴
۳۳	۱۹۷۹ء	۵۱۴	۱۵۶	۹۸	۹	۷۷۷
۳۴	۱۹۸۰ء	۵۶۶	۱۳۷	۱۲۳	۱۳	۸۳۹

Source:Crime in Pakistan, Ministry of Interior, Bureau of Police Research and Development Govt. of Pakistan,1981,P-51

پاکستان میں زنا/زنا بالجبر کے واقعات (۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۴ء)

حدود آرڈیننس کے نفاذ کے بعد زنا اور زنا بالجبر کو پولیس ایک ہی زمرے میں رکھتی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس طرح عصمت دری کے واقعات بڑھا چڑھا کر پیش کیے جاتے ہیں کیونکہ ان میں زنا بالرضا بھی شامل ہوتا ہے۔

نمبر شمار	سال	اسلام آباد	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان	میزان
۱	۱۹۸۱ء	۲۱	۸۶۷	۱۰۵	۹۸	۱۰	۱۱۰۱
۲	۱۹۸۲ء	۲۶	۱۱۳۰	۱۰۹	۸۷	۸	۱۳۶۰
۳	۱۹۸۳ء	۲۵	۱۲۸۷	۹۳	۱۱۱	۱۱	۱۵۲۷
۴	۱۹۸۴ء	۲۳	۱۲۸۳	۱۰۸	۱۳۵	۵	۱۵۵۴
۵	۱۹۸۵ء	۲۰	۱۲۱۶	۱۳۰	۱۲۸	۱۸	۱۵۱۲
۶	۱۹۸۶ء	۱	۱۳۲۶	۱۱۴	۹۸	۱۸	۱۵۵۷
۷	۱۹۸۷ء	۲۲	۱۲۵۳	۱۱۶	۱۰۹	۱۸	۱۵۱۸
۸	۱۹۸۸ء	۲۵	۱۳۱۳	۱۲۴	۱۰۶	۹	۱۵۷۷
۹	۱۹۸۹ء	۳۵	۱۲۶۹	۱۳۱	۸۹	۲۳	۱۵۴۷
۱۰	۱۹۹۰ء	۳۰	۱۰۱۹	۱۱۰	۸۳	۲۰	۱۲۶۲
۱۱	۱۹۹۱ء	۴۶	۱۱۸۲	۱۲۰	۱۱۵	۱۹	۱۴۸۲
۱۲	۱۹۹۲ء	۳۴	۱۳۶۷	۱۵۷	۹۰	۸	۱۶۵۶
۱۳	۱۹۹۳ء	۳۹	۱۲۵۳	۱۸۸	۷۰	۱۴	۱۵۶۴
۱۴	۱۹۹۴ء	۳۴	۱۳۵۰	۱۴۸	۹۷	۱۰	۱۶۳۹

نمبر شمار	سال	اسلام آباد	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان	میزان
۱۵	۱۹۹۵ء	۴۱	۱۲۹۰	۱۵۷	۸۹	۲۹	۱۶۰۶
۱۶	۱۹۹۶ء	۴۲	۱۴۰۷	۲۶۹	۹۳	۱۸	۱۸۲۹
۱۷	۱۹۹۷ء	۴۳	۱۸۱۳	۲۱۵	۱۳۷	۷۳	۲۲۸۱
۱۸	۱۹۹۸ء	۶۱	۱۷۶۷	۲۰۱	۱۴۸	۵۹	۲۲۳۶
۱۹	۱۹۹۹ء	۵۶	۱۹۰۰	۲۳۵	۱۲۹	۳۰	۲۳۵۰
۲۰	۲۰۰۰ء	۵۴	۱۳۴۱	۲۹۶	۳۱۰	۷۴	۲۰۷۵
۲۱	۲۰۰۱ء	۵۷	۱۴۸۸	۳۵۰	۱۳۷	۷۰	۲۱۰۲
۲۲	۲۰۰۲ء	۴۶	۱۵۴۹	۲۲۲	۱۷۲	۴۰	۲۰۲۹
۲۳	۲۰۰۳ء	۵۰	۱۸۴۱	۲۴۳	۱۴۶	۶۲	۲۳۴۲
۲۴	۲۰۰۴ء	۵۶	۱۸۵۸	۲۴۷	۱۳۹	۶۵	۲۳۶۵

Source:National Police Bureau, Interior Division, Govt. of Pakistan, ltrNo.F.No.8/5/2003-SRO Dated 10 May 2005.

زنا/زنا بالجبر کے واقعات کا تناسب باعتبار آبادی

نمبر شمار	سال (آبادی)	زنا بالجبر کے واقعات	ایک لاکھ کی آبادی میں تناسب
۱	۱۹۴۷(۳۰ملین)	۳۰۴	۱٫۰۱
۲	۱۹۵۱(۳۳٫۷۴ملین)	۳۸۵	۱٫۱۴
۳	۱۹۶۱(۴۲٫۸۸۱ملین)	۴۵۳	۱٫۰۵
۴	۱۹۷۱(۶۵٫۳ملین)	۶۳۶	۰٫۹۷
۵	۱۹۸۱(۸۳٫۷۸ملین)	۸۳۹	۱٫۰۰

نمبر شمار	سال (آبادی)	زنا بالجبر کے واقعات	ایک لاکھ کی آبادی میں تناسب
۶	۱۹۹۵ (۱۳۰.۲ ملین)	۱۱۰۱	۱.۲۳
۷	۱۹۹۸ (۱۳۰.۵ ملین)	۲۲۳۶	۱.۷۱
۸	۲۰۰۴ (۱۴۶.۱۶ ملین)	۲۳۶۵	۱.۶۱

مأخذ: نمبر شمار ۱ تا ۵ کی آبادی ''کرائم ان پاکستان'' سے لی گئی ہے۔ نمبر شمار ۶ تا ۷ کی آبادی اسٹیٹسمین ایئر بک ۲۰۰۴ء سے لی گئی ہے۔ (۵۹) نمبر شمار ۸ کی آبادی ملکی آبادی میں ۲% سالانہ اضافے کی بنیاد پر ہے۔

ان گوشواروں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ پاکستان میں زنا بالجبر کی شرح ہر دور میں کم وبیش یکساں رہی ہے۔ اور اگر ڈاکٹر جیمز اور ڈاکٹر جیکب کے نظریے کے مطابق مندرجہ ذیل دو نکات سامنے رکھے جائیں تو پاکستان کی حد تک زنا بالجبر کے واقعات میں کمی واقع ہوئی ہے:

۱۔ زنا بالجبر کے واقعات پر ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی چیخ و پکار

۲۔ عورت کے شعور میں اضافے کے باعث ان واقعات کی اطلاعات میں اضافہ

یہ بھی یاد رہے کہ ۲۰۰۴۔۱۹۸۱ء کے اعداد و شمار میں زنا بالرضا بھی شامل ہے۔ اسے نکالنے سے زنا بالجبر کا تناسب مزید کم ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام

۱۔ اس مطالعے کے نتیجے میں کہا جا سکتا ہے کہ حدود آرڈیننس کے باعث زنا بالجبر کے واقعات میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر زنا بالجبر سے متعلق قانون کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنا دیا جائے تو عورتوں کی طرف سے پولیس کو اطلاع دینے کے واقعات میں قدرے اضافہ ہو سکتا ہے کیونکہ جس مستغیثہ سے چار گواہ طلب کیے جائیں، گواہوں کے منحرف ہونے کے امکانات بھی موجود ہوں، گواہوں کے منحرف ہونے پر عورت پر حد قذف کا خدشہ ہو، عام حالات میں دادرسی کے لیے اس عورت کے کہیں جانے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

۲۔ زنا بالجبر کسی صورت میں بھی زنا کی قسم نہیں ہے۔ اس پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ موجود

ہے جس کی روشنی میں مندرجہ ذیل میں کوئی ایک قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۱) حکومت پارلیمنٹ میں ازخود ایک بل پیش کر کے قانون سازی کے ذریعے حدود آرڈیننس کے سیکشن ۶، سیکشن ۸، سیکشن ۹ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی روشنی میں ترمیم کرائے۔

(۲) حکومت اٹارنی جنرل کے توسط سے سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس سے درخواست کرے کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف حکومت کی اپیل مفاد عامہ کے پیش نظر جس قدر جلد ممکن ہو، نمٹائی جائے اور پھر اس کی روشنی میں قانون سازی ہو۔

۳۔ وفاقی شرعی عدلت نے زنا بالجبر کو حرابہ کی شکل قرار دیا۔ یہ فیصلہ نظر ثانی کا تقاضا کرتا ہے۔ زنا بالجبر حرابہ کا نتیجہ (Outcome) ہے، نہ کہ فی نفسہ حرابہ ہے۔ یہ جزئیہ ہے جو اپنے کل کے ساتھ ہی حرابہ کہلا سکتا ہے۔ اس طرح حرابہ کے کئی اور نتائج (Outcomes) کو بھی حرابہ قرار دینا پڑے گا جو متعدد ضمنی پیچیدگیوں کا باعث بنے گا۔

۴۔ مسلم فیملی لاآرڈیننس کے تحت سولہ سال سے کم عمر لڑکی سے نکاح، نکاح صحیح (Valid) نہیں ہوتا۔ ادھر حدود آرڈیننس کے تحت نکاح صحیح کے بغیر جنس مخالف کی رضامندی کے برعکس کی جانے والی جنسی مباشرت زنا بالجبر ہے۔ وفاقی شرعی عدالت ایسی مباشرت کو حرابہ قرار دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ صغیرہ کے ساتھ نکاح (مثلاً ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں) شرعاً تو صحیح ہو گا لیکن خاندانوں میں ناچاقی کی صورت میں ایسے نکاح کے بعد جنسی مباشرت کو مرد کے خلاف استعمال کر کے اس پر حد حرابہ نافذ کرائی جاسکے گی۔

۵۔ اس مطالعے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ وطن عزیز میں معروضی مطالعے کا اہتمام کسی بھی سطح پر ایسا نہیں ہے جسے قابل ذکر کہا جاسکتا ہو۔ سرکاری سطح پر قائم کمیشن کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ حکومتی ادارے ایک دوسرے سے بہت تعاون کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود قومی کمیشن برائے حیثیت نسواں نے اپنی سالانہ رپورٹ میں تحقیق کا مطلقاً اہتمام نہیں کیا، بلکہ کچھ خواتین وحضرات آراء دے کر فارغ ہو گئے۔ کمیشن کے ذمے جو کام تفویض کیا گیا تھا، کمیشن نے ان حدود سے تجاوز کیا جس کا اسے اختیار نہیں دیا گیا تھا۔ یہ علم نہیں ہو سکا کہ کمیشن قانون حد قذف

کی تنسیخ کا مطالبہ کیوں کر رہا ہے، حالانکہ قذف کا قانون خواتین کی ناموس کا محافظ ہے۔ یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ قانون حد شرب خمر کی تنسیخ کا مطالبہ حیثیت نسواں کمیشن کی طرف سے کیوں آیا، جبکہ ملک میں شرب خمر کے سلسلے میں خواتین کی تعداد اتنی نہیں ہے جسے درخور اعتنا سمجھا جائے۔ اس کے مرتکبین عام طور پر بڑی حد تک مرد ہی ہوا کرتے ہیں۔ حیثیت نسواں کمیشن قانون حد شرب خمر کی تنسیخ کا کیوں مطالبہ خواں ہے؟ امید ہے کوئی اور صاحب نظر اس طرف توجہ کریں گے۔

حدود آرڈیننس کے حمایت کناں اداروں کی رپورٹیں بھی معروضیت سے خالی ہیں۔

۶۔ حدود آرڈیننس پر آنے والی اکثر رپورٹیں اپنے اپنے نقطۂ نظر کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتی نظر آتی ہیں۔ زیر بحث موضوع پر مغربی ممالک کے اہل علم کی کوششوں کا جائزہ لینے پر احساس ہوا کہ ان لوگوں کی جملہ کوششوں کا محور ''تلاش حق'' کے سوا کچھ نہیں ہوتا، مثلاً زنا بالجبر کے مرتکبین کے لیے اولاً وہ لوگ عمر کے اعتبار سے زمرے بناتے ہیں۔ ماحول کو سامنے رکھتے ہیں۔ موسم کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔ ماہرین نفسیات سے تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وقوعے کے وقت درجہ حرارت تک کو سامنے رکھتے ہیں اور یوں اپنے فہم کی حد تک نتیجہ نکال کر ذمہ داری ادا کر دیتے ہیں۔ وطن عزیز میں ان عوامل کو سامنے رکھنے کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ پہلے زنا بالجبر کے واقعات میں اضافہ فرض کیا جاتا ہے پھر اس کی صرف ایک وجہ بیان کی جاتی ہے اور وہ حدود آرڈیننس ہے۔ حالانکہ نوے کی دہائی سے سیٹلائٹ کے ذریعے مختلف تہذیبوں کے ٹی وی چینل کی نشریات تک ہر کسی کی رسائی ہو چکی ہے۔ کیبل ٹی وی نے سستی تفریح کے نام پر ملکی اخلاقی اقدار کے منافی نشریات کو عام کر دیا ہے۔ کمپیوٹر پر چلنے والی مخرب اخلاق سی ڈی اور انٹرنیٹ پر ہر نوع کی ویب سائٹوں نے لوگوں کی سوچ اور فکر میں منفی انداز کی انگیخت میں اضافہ کیا ہے۔ کارپوریٹ کلچر اختلاط مرد وزن کا نمائندہ بن کر سامنے آچکا ہے۔ ہندوستان کے محققین ان سب عوامل کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ تعجب اس بات پر ہے کہ حدود آرڈیننس پر پاکستان کی کسی رپورٹ میں ان عوامل کا تذکرہ نہیں ہے، حالانکہ ہندوستان کے اہل علم انہی عوامل کو اخلاقی قدروں کے انہدام کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

۷۔ اس مطالعے، اخباری رپورٹوں اور حدود آرڈیننس میں عالمی طاقتوں کی غیر معمولی دلچسپی اور اس کی تنسیخ کے لیے اربوں روپے کی سرمایہ کاری کرنے والی تنظیموں کا کام سامنے رکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ حدود آرڈیننس کے سقم اس قدر گھمبیر نہیں ہیں جس قدر ان کو اچھالا جاتا ہے۔ منفی قوتوں کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ زنا بالجبر کا ایک واقعہ لے کر دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات امریکی کابینہ تک کو اس میں شریک کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور یوں پاکستانی ارباب اختیار غیر معمولی دباؤ میں آ کر غیر منطقی کام کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا نکالا جا سکتا ہے کہ یہ تمام کوششیں پاکستان کو اس کے محور — قرآن و سنت — سے ہٹانے کے سلسلے کی دیگر کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے نہ کہ ناموس زن پیش نظر ہے۔

اس مختصر مضمون میں حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے انہی چند پہلوؤں پر گفتگو ممکن ہو سکی ہے۔ امید ہے اہل علم ان دیگر پہلوؤں پر توجہ دیں گے جن کی نشان دہی اس مضمون میں کی گئی ہے۔

حوالہ جات

1- *Offence of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance*, 1979 (VII of 1979)

۲- حافظ ابوالحسین مسلم القشیری بن الحجاج (۲۶۱ھ)، مسلم: **صحیح مسلم**، کتاب المساقاة، باب اخذ الحلال وترک الشبہات

3- *Report on Hudood Ordinances 1979, 2003*, National Commission on the Status of Women, Government of Pakistan, 39, St. 56, F-6/4, Islamabad, p. 39

4- *The Pakistan Penal Code* (XLV of 1860)

5- *Report on Hudood Ordincnce 79; ibid*, p. 110

6- *Ibid*, p-1-39

۷- سورہ النساء ۴:۱۵

۸- سورہ النور ۲۴:۴

9- *PLD 1962* Lah.558

10- *AIR 1928 Pat.* 375 (DB).

11- *PLD 1962* Lah. 558

۱۲- حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ پر کمیشن کی رپورٹ ۲۰۰۳ء، ایضاً ص ۱۲-۱۵

۱۳- ایضاً، ص ۱

۱۴- ایضاً، ص ۱

۱۵- ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی، حدود آرڈیننس کتاب وسنت کی روشنی میں، عورت فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۲۴۵

16- Kattakayam, Jacob John, Dr, and Vadackumchery, James, Dr: *Crime and Society (Current Issues and Trends)*, A.P.H. Publishing Corporation,New Delhi,1999, p.119

۱۷- ڈاکٹر جیمز پولیس، جرائم اور جرمیات کے موضوعات پر دو درجن کتب کے مؤلف ہیں۔ وہ ہندوستان کے اسٹیٹ پولیس ٹریننگ کالج کے فیکلٹی ممبر ہیں۔ کریمنا لوجی کے موضوع پر آپ اتھارٹی ہیں اور دنیا بھر کی یونیورسٹیوں اور سرکاری تحقیقی اداروں میں آپ درجنوں توسیعی خطبات دے چکے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر جیکب سوشیالوجی کے موضوع پر ہندوستان بھر میں اتھارٹی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں متعدد توسیعی خطبات دے چکے ہیں۔ کئی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ یونیورسٹی آف کیرالا میں فیکلٹی آف سوشیالوجی کے ممبر ہیں۔ ان حضرات کے تجزیے معروضیت کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۸- جیمز، ایضاً، ص ۱۲۷

۱۹- ایضاً، ص ۱۲۶

۲۰- ایضاً، ص ۱۲۸

۲۱- ایضاً

۲۲- ایضاً، ص ۱۲۸

23- Mishra , RC, Dr: *Crime Trends and Criminal Justice*, Authors Press, New Delhi, 2001

۲۴- جیمز ایضاً، ص ۱۲۰

25- *Offence of Zina (Enforcement of Hudood)Ordinance*, VII of 1979, Section 6.

26. Ibid., s.8

۲۷۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد یازدہم: اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ) کراچی ۱۹۹۰ء مادہ ''زنا'' ص ۱۶۰

۲۸۔ کسی عبارت کا اصل متن ہی اس کے مفہوم کے موافق یا مخالف بطور شہادت پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا متن ہو، یا احادیث مبارکہ کی عبارتیں، کسی ملک کا دستور ہو یا وہاں کا وضعی قانون، اہمیت اصل عبارت ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ رہا ترجمہ اور تشریح تو یہ اس کی تفہیم و تصریح میں تو مدد و معاون ہو سکتے ہیں لیکن انہیں اصل یا اصل کا قائم مقام متصور نہیں کیا جاتا اور نہ عدالتیں ان کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کے نتیجے میں اسلام جب عربی بولنے والے بلاد و امصار سے نکل کر دنیائے عجم اور دیگر علاقوں میں پہنچا تو دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ ایک مسئلہ قرآن کا فہم حاصل کرنے سے متعلق بھی سامنے آیا۔ یہی وہ عہد تھا جب قرآن کے ترجمے اور اس کے مرتبے اور مقام کا سوال سامنے آیا۔ علما کی طویل بحثوں کے بعد دیگر زبانوں میں قرآن کا ترجمہ تو جائز قرار دے دیا گیا لیکن شدت کے ساتھ یہ صراحت کر دی گئی کہ قرآن کا اصل عربی متن ہی قرآن ہے، اس کا ترجمہ نہ تو اس کا نعم البدل ہے اور نہ قائم مقام۔

اس فیصلے (Ruling) پر علما کا اجماع واقع ہو چکا ہے۔ یہ فیصلہ عقلی و نقلی دلائل ہی سے مزین نہیں، اس کے ساتھ تاریخی حقائق بھی زندہ حقیقت تھے۔ پہلی آسمانی کتب میں تحریف تمام اہل کتاب اور مسلمانوں کے مابین ایک سلگتا ہوا مسئلہ رہا ہے۔ ان کتب میں تحریف کسی ایک شکل کے ذریعے وارد نہیں ہوئی تھی، تاہم اس کی ایک شکل ان کتب کے مختلف ترجمے تھے۔ عبرانی، سریانی اور یونانی زبانوں میں ان کتب کے متن موجود تھے جو ایک سے دوسری زبان میں ترجمے کے باعث وقت کے مختلف حصوں میں مختلف شکلیں اختیار کرتے رہے۔ اور یوں تحریف اپنی دیگر شکلوں کے ساتھ ساتھ ترجمے کے ذریعے بھی ان مقدس آسمانی کتب میں در آئی۔

فقہائے اسلام نے جب قرآن و حدیث کے اصل الفاظ ہی سے استخراج کو شعار بنایا تو اس عمل میں اصل اہمیت تو نصوص ہی کو حاصل تھی لیکن گمان غالب ہے کہ گزشتہ آسمانی کتب میں تحریف سے متعلق تاریخی حقیقتیں بھی علما کی نظروں سے اوجھل نہیں رہی ہوں گی۔ امت کے ایک جسد واحد ہونے کا جو عالمگیر تصور ہر خواندہ اور ناخواندہ مسلمان کے ذہن میں جاگزیں ہے، اس کی ایک وجہ علوم اسلامیہ میں عربی زبان کا بطور اصل ہونا ہے۔ ''بطور اصل'' کی ترکیب بھی یہاں زبان کی تنگی کے باعث استعمال کی گئی ہے کیونکہ یہ ترکیب ظاہر کرتی ہے کہ اصل کے ساتھ اس کی کوئی نہ کوئی فرع بھی ہو سکتی ہے۔ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عربی زبان اس باب میں اول بھی ہے اور آخر بھی۔ یہی اصل ہے اور یہی اپنی اصل کی فرع بھی۔ 'کوزہ، کوزہ گر اور گلِ کوزہ' سب کچھ یہ خود ہی ہے۔

اس لسانی حقیقت سے ذرہ بھر کی روگردانی لوگوں کی زندگیوں میں وہ تموج پیدا کرتی ہے کہ انسانی عقل اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ زیرنظر عبارت میں بظاہر ایک معمولی سی قانونی تحریف اہل علم کے سامنے لانا ہے جس نے گزشتہ ربع صدی سے ملک کے قانونی، عدالتی، سیاسی اور علمی حلقوں میں غدر مچا رکھا ہے۔ بدقسمتی سے یہ تحریف ترجمے کے باعث نہیں بلکہ اصطلاح کی وجہ سے ہوئی۔

۲۹۔ محمد رواس قلعہ جی، معجم لغة الفقهاء، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی

۳۰۔ قلعہ جی، ایضاً

۳۱۔ سعدی ابوحبیب، القاموس الفقهي، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی

۳۲۔ سورہ کہف ۱۸: ۷۹

33- *PLD 1989 FSC 95*, Paragraph 26

۳۴۔ ایضاً، پیراگراف (ج) ۴۲

۳۵۔ ایضاً، پیراگراف (ج) ۴۵

۳۶۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۳۰ جون ۲۰۰۵ء، ص ۴

۳۷۔ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء، سیکشن ۱۰

38 *PLD 1982 FSC 113*

۳۹۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۱۹ جون ۲۰۰۵ء ص ۸

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ایضاً، ۱۵ جون ۲۰۰۵ء، ص ۸

۴۲۔ ایضاً، ۱۶ جون ۲۰۰۵ء، ص اول، تین کالمی خبر

۴۳۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۳۰ جون ۲۰۰۵ء، ص اول، تین کالمی خبر

۴۴۔ ایضاً، ۲۰ جون ۲۰۰۵ء، ص ۲

۴۵۔ ایضاً، ادارتی صفحہ، میروالا سے امریکا تک، حامد میر

۴۶۔ ایضاً، پیراگراف ۴۴ (۱)(۱)

۴۷۔ سورہ بقرہ ۲: ۲۰۵

۴۸۔ سورہ مائدۃ ۵: ۳۳

۴۹۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربي، احکام القرآن (تحقیق علی محمد البجاوی)، دارالفکر، ج ۲ ص ۵۹۷

۵۰- ابن العربی، ایضاً، ص ۵۹۴

۵۱- سورہ مائدہ ۵:۳۸

۵۲- سورہ نور ۲۴:۴

۵۳- محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بخاری (۲۵٦ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، دارالطباعۃ العامرہ، استنبول

۵۴- ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی (٦٧١ھ)، الجامع لاحکام القرآن، دارالکتاب العربی، بیروت، ۲۰۰۰ء، ج ٦، ص ۱۴۲-۱۴۳

۵۵- سورہ بقرہ ۲:۲۰۵

56- *Muslims Family Laws Ordinance 1961*,Section12

57- *Pakistan Penal Code , ibid* section 375-376

۵۸- حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء اعتراضات کی حقیقت 'ویمن ایڈ ٹرسٹ، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۳۸

59- *The Statesman's Year-Book* MACMILLAM REFERENCE Ltd, London, 2003

کتابیات

اردو عربی

۱- بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، دار الطباعۃ العامرہ، استنبول

۲- ابو حبیب، سعدی، القاموس الفقھی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی

۳- ابن العربی، ابی بکر محمد بن عبداللہ، احکام القرآن (تحقیق علی محمد البجاوی)، دار الفکر، ج ۲

۴- ابی عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی، (۶۷۱ھ)، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲۰۰۰ء ج ۶

۵- قلعہ جی، محمد رواس، ڈاکٹر، معجم لغۃ الفقھاء، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۶- مسلم، حافظ ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری (۲۶۱ھ)، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب اخذ الحلال وترک الشبہات

۷- ہاشمی، محمد طفیل، ڈاکٹر، حدود آرڈیننس کتاب وسنت کی روشنی میں، عورت فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء

۸- اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد یازدہم، اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ) کراچی ۱۹۹۰ء

۹- حدزنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء اعتراضات کی حقیقت' ویمن ایڈ ٹرسٹ، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء

۱۰- حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء پر کمیشن کی رپورٹ، قومی کمیشن برائے حیثیت نسواں، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء

ENGLISH

11- Kattakayam, Jacob John, Dr, and Vadackumchery, James, Dr, *Crime and Society(Current Issues and Trends)*, A.P.H.Publishing Corporation,New Delhi,1999.

12- Mahmood, Shaukat, *The Pakistan Penal Code*, Vol. III, Legal Research Centre, Lahore, 1989.

13- *AIR 1928* Pat. 375 (DB)

14- *Crime in Pakistan*, Ministry of Interior, Bureau of Police Research and Development Govt. of Pakistan,1981

15- *Muslims Family Laws Ordinance 1961*

16- National Police Bureau, Interior Division, Govt. of Pakistan, ltr No.F.No.8/5/2003-SRO of 10 May 2005

17- *Offence of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance*, 1979 (VII of 1979)

18- *The Pakistan Penal Code* (XLV of 1860)

19- *PLD 1962* Lah.558

20- *PLD 1989* FSC 95

21- *The Statesman's Year-Book,* 140th ed. MACMILLAM REFERENCE Ltd, London,2003

22- *Report on Hudood Ordinances 1979*, 2003, National Commission on the Status of Women,Government of Pakistan,Islamabad.

اخبار

۲۳۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی، مختلف شمارے مطابق حوالہ جات

حدزنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء: ایک جائزہ

ظفر الحسن جوئیہ *

تعارف

نسل انسانی کی تخلیق، بقا اور تسلسل کا براہ راست انحصار عورت اور مرد کے درمیان ازدواجی تعلقات پر ہے۔ اگر اس تعلق میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو پوری انسانیت معرض خطر میں پڑ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر معاشرے نے اس تعلق کو باقاعدہ بنانے کے لیے قواعد وضوابط بنائے ہیں اور رسوم و روایات کو رواج دیا ہے۔ اسلام نے بھی خاندان کو معاشرے کی بنیادی اکائی قرار دیتے ہوئے اس کے لیے تفصیلی احکامات بیان کیے ہیں۔ اسلام نکاح سے ماورا کسی بھی قسم کے جنسی تعلق کو ممنوع قرار دیتا ہے اور اسے معاشرے کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے ہوئے اسے مطلقاً حرام قرار دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل:۳۲)

ترجمہ: زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت برا رستہ ہے۔

نیز فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (سورہ النور:۲)

---

* ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، ریسرچ فیلو، ویمن ایڈ ٹرسٹ پاکستان

ترجمہ: زانی عورت اور زانی مرد ہر ایک کو سو کوڑے مارو

جرم زنا کو حرام قرار دیتے ہوئے اس پر سخت ترین سزا تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ فرد اور معاشرے کو ان قباحتوں سے بچانا چاہتی ہیں جو اس فعل کا لازمی نتیجہ ہیں۔ یہ نتائج مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

۱۔ زانی اپنے آپ کو امراض خبیثہ کے خطرے میں مبتلا کرتا ہے اور اس طرح وہ نہ صرف اپنی جسمانی قوتوں کی اجتماعی افادیت میں نقص پیدا کرتا ہے بلکہ معاشرے اور نسل کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ بعض امراض وہ ہوتے ہیں جو نسل درنسل منتقل ہوتے ہیں۔

۲۔ زانی کے لیے ان اخلاقی کمزوریوں سے بچنا ناممکن ہے جن کا اس کے کردار میں پیدا ہونا اس فعل کا لازمی نتیجہ ہے۔ بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خودغرضی، خواہشات کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور بے وفائی جیسی برائیاں زانی میں پیدا ہو جاتی ہیں اور اگر کسی معاشرے میں یہ برائیاں عام ہو جائیں تو ان کی سب سے پہلی زد خاندان کے استحکام اور خوشیوں پر پڑتی ہے جو کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہے اور پھر وسیع تر سطح اس معاشرے کا آرٹ و ادب، تفریحات اور کھیل، علوم وفنون، فوجی خدمات اور نظام تہ و بالا ہو کر رہ جاتے ہیں۔

۳۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایک جوان مرد کو "تفریح" کا حق حاصل ہے، وہ گویا ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ معاشرے میں جسم فروش عورتوں کا طبقہ مستقل طور پر موجود رہنا چاہیے۔

۴۔ معاشرے میں زنا کے عام ہونے سے نکاح کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ جس معاشرے میں ذمہ داریاں قبول کیے بغیر خواہشات نفس کی تسکین کے مواقع حاصل ہوں، وہاں افراد نکاح کر کے اپنے سر بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ کیوں ڈالیں گے۔

۵۔ زنا کے عام ہونے سے معاشرے کو ایک بڑی تعداد میں بن باپ کے بچے ملتے ہیں جن کا خیر مقدم کرنے کے لیے نہ ماں تیار ہوتی ہے نہ باپ، اور نہ معاشرہ انہیں قبول کرتا ہے۔ وہ ایک مطلوب چیز کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ناگہانی مصیبت کی حیثیت سے والدین کے درمیان آتا

ہے۔اسے باپ کی محبت اور وسائل میسر نہیں ہوتے۔ایسے بچے ناقص اور نامکمل انسان بن کر ابھرتے ہیں اور معاشرے کے لیے ایک بوجھ بن جاتے ہیں۔

٦۔ زنا کے ذریعے ایک خودغرض انسان جس عورت کو ایک بچے کی ماں بنا دیتا ہے، اس عورت کی زندگی ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جاتی ہے اور اس پر ذلت اور نفرت عامہ کا ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے کہ جیتے جی وہ اس کے بوجھ کے نیچے سے نہیں نکل سکتی۔ایک جائز بچے کی ماں اور ایک ناجائز بچے کی ماں کو معاشرہ کبھی بھی مساوی درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور حقیقت میں وہ مساوی ہو بھی کیسے سکتی ہیں۔(۱)

فقہا نے قرآن وسنت کی روشنی میں معاشرے کو زنا کاری سے بچانے کے لیے باقاعدہ قوانین بنائے جو ہر دور میں قانون ساز اداروں اور عدالتوں کی رہنمائی کے لیے موجود ہے۔

برصغیر پاک وہند میں قیام پاکستان سے بہت پہلے ۱۸۳۷ء میں انڈین لاکمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے صدر نشین لارڈ میکالے تھے۔لارڈ میکالے کوئی قانون دان نہیں تھے بلکہ ان کا زیادہ وقت سیاست اور ادب کی نذر ہو جاتا تھا لیکن مجموعہ تعزیراتِ ہند (Indian Penal Code) ان کا تصنیف کردہ ہے جو کہ مختلف ضروری مراحل سے گزرنے کے بعد ٦ اکتوبر ۱۸٦۰ء میں منظور ہوا اور یکم جنوری ۱۸٦۲ء کو برصغیر پاک وہند میں نافذ ہوا۔جب پاکستان بنا تو آزادیٔ ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء کی دفعہ ۱۸ کی ذیلی دفعہ (۳) کے تحت مجموعہ تعزیراتِ ہند ہی کو معمولی تبدیلیوں کے بعد مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے نام سے پاکستان کے فوجداری قانون کے طور پر اپنا لیا گیا۔

۱۹۷۳ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔اسلامی نظریاتی کونسل نے قوانین کو اسلامیانے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔کونسل ہی کی سفارشات پر عمل درآمد کرتے ہوئے حکومت وقت نے دیگر قوانین کی طرح جرم زنا کے حوالے سے قانون سازی کی اور تعزیراتِ پاکستان کی متعلقہ دفعات کو منسوخ کرتے ہوئے ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو حدزنا آرڈیننس کو ملک میں جاری ونافذ کیا۔

ا۔ آرڈیننس کی دفعات کا مختصر تعارف

اس آرڈیننس کی کل ۲۲ دفعات ہیں ان میں سے تین دفعات اصطلاحات کی تشریح پر مشتمل ہیں۔ دفعہ ۲ میں بالغ، حد، شادی، محصن اور تعزیر کی تعریف کی گئی ہے جبکہ دفعہ ۴ اور ۶ میں زنا اور زنا بالجبر کی تعریفات کی گئی ہیں۔ دفعہ ۵ حد کی سزا کے بارے میں ہے۔ دفعہ ۷ نابالغ کی سزا کے بارے میں ہے۔ دفعہ ۸ زنا اور زنا بالجبر کے ثبوت کے لیے معیار شہادت بیان کرتی ہے۔ دفعہ ۱۰ تعزیری سزائیں بیان کرتی ہے۔ دفعہ ۱۱، ۱۲ اور ۱۶ اغوا کی سزاؤں کے بارے میں ہیں۔

دفعہ ۱۳ اور ۱۴ عصمت فروشی کی غرض سے مردوں و عورتوں کی خرید و فروخت سے متعلق ہیں۔

دفعہ ۱۵ دھوکا دہی سے زنا کے ارتکاب پر سزا کو بیان کرتی ہے۔

اس آرڈی نینس کی چار دفعات ایسی ہیں جن میں اس آرڈی نینس کی دفعات کے حوالے سے طریق کار یا ضابطہ وضع کیا گیا ہے۔ دفعہ ۹ ملزم کے اعتراف سے انحراف اور گواہ کی گواہی سے انحراف کی صورت میں طریق کار بیان کرتی ہے۔ دفعہ ۱۷ میں سنگ ساری یا کوڑوں کی سزا کے اجرا کا طریق کار بیان کیا گیا ہے۔

دفعہ ۱۹ میں تعزیرات پاکستان کی اُن دفعات کا تذکرہ ہے جن کا اطلاق اس آرڈی نینس پر بھی ہوگا، نیز اُن دفعات کی فہرست دی گئی ہے جو اس آرڈی نینس کے نافذ العمل ہونے کے بعد منسوخ تصور ہوں گی۔

دفعہ ۲۰ میں بیان کیا گیا ہے کہ مقدمے کا اندراج، تفتیش، عدالت میں سماعت وغیرہ کے لیے وہی طریق کار اختیار کیا جائے گا جو ضابطہ فوجداری میں دیا گیا ہے، تاہم اس آرڈی نینس کے تحت مقدمہ سیشن کورٹ میں چلے گا اور اپیل وفاقی شرعی عدالت میں دائر ہوگی۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ضابطہ فوجداری کی کون کون سی دفعات کا اطلاق اس آرڈیننس پر نہیں ہوگا۔

دفعہ ۲۱ جج کے مسلمان ہونے کے بارے میں ہے۔

دفعہ ۲۲ ان مقدمات کو آرڈی نینس کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے جن کا ارتکاب اس کے نفاذ سے پہلے ہوا تھا۔

۲۔ترامیم

اپنے نفاذ سے اب تک پچیس سالوں میں اس قانون میں چار ترامیم ہو چکی ہیں جن کی تفصیل آئندہ سطور میں ہے۔

۱۹۸۰ء میں حدزنا آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ میں ترمیم کرتے ہوئے یہ طے کر دیا گیا کہ اس آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ کے تحت درج ہونے والے کسی بھی مقدمے کی سماعت سیشن کورٹ میں ہوگی اور ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۰ کے تحت بااختیار مجسٹریٹ کی عدالت میں نہیں ہوگی۔ مزید یہ کہ جس تحصیل کی حدود میں جرم کا ارتکاب ہوگا اس کے تحصیلی ہیڈکوارٹر میں یہ مقدمہ چلایا جائے گا۔ نیز سیشن کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل وفاقی شرعی عدالت میں ہو سکے گی۔(۲)

۱۹۹۷ء میں حدزنا آرڈیننس کی دفعہ ۱۰ کی ذیلی دفعہ (۳) میں ترمیم کرتے ہوئے زنا بالجبر کے جرم میں کم ازکم چار سال قید کی سزا کی حد مقرر کر دی گئی، نیز ذیلی دفعہ (۴) کا اضافہ کرتے ہوئے گینگ ریپ کی صورت میں ہر ملزم کے لیے موت کی سزا مقرر کی گئی۔(۳)

یہ امر یہاں قابل ذکر ہے کہ حدزنا آرڈیننس میں دفعہ ۵ اور ۶ میں بطور حد سو کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ جبکہ دفعہ ۷، ۱۰ تا ۱۶ اور دفعہ ۱۸ میں بطور تعزیر کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ لیکن Abolition of Punishment of Whipping Act 1996 کے ذریعے سوائے حد کی سزا کے کوڑوں کی سزا کو بطور سزا ختم کر دیا گیا ہے، لہٰذا اب سوائے حد کے کوڑوں کی سزا کسی جرم میں نہیں دی جا سکتی۔

مذکورہ ایکٹ کی دفعہ ۳ کے مطابق ''ماسوائے ان مقدمات کے جن میں کوڑوں کی سزا بطور حد مقرر ہے، کسی بھی دیگر قانون، اصول یا ضابطے میں دی گئی کوڑوں کی سزا منسوخ تصور ہوگی''۔

عبدالرزاق بنام سرکار کے عنوان سے ایک مقدمے میں ایک ملزم کو جس نے ۹/۱۰ سالہ بچی کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کیا تھا جرم ثابت ہونے پر عدالت نے بطور تعزیر پچیس سال قید بامشقت اور تیس کوڑوں کی سزا سنائی۔ ہائی کورٹ نے بھی اس سزا کو برقرار رکھا لیکن تیس کوڑوں کی سزا مذکورہ بالا ایکٹ کی وجہ سے ختم کرنا پڑی۔(۴)

حال ہی میں ضابطہ فوجداری میں دفعہ ۱۵۶۔بی کا اضافہ کیا گیا ہے جس کے مطابق حد زنا آرڈیننس کی دفعہ ۵ یا ۱۰ کے تحت زنا بالرضا کے مقدمات میں ایس پی سے کم درجے کا کوئی پولیس افسر مقدمے کی تفتیش نہ کر سکے گا، نیز عدالت کی پیشگی اجازت کے بغیر ملزم گرفتار بھی نہیں کیا جائے گا۔(۵)

یہاں رجم کے حوالے سے وفاقی شرعی عدالت کے دو فیصلوں کا تذکرہ بھی مفید رہے گا۔ ۱۹۸۱ء میں ایک مقدمہ 'حضور بخش بنام وفاق پاکستان' کی سماعت کے دوران وفاقی شرعی عدالت کے ایک پانچ رکنی بنچ نے جو کہ جسٹس صلاح الدین، جسٹس آغا علی حیدر، جسٹس آفتاب حسین، جسٹس ذکاء اللہ لودھی اور جسٹس کریم اللہ درانی پر مشتمل تھا، نے مقدمہ 'حضور بخش بنام وفاق پاکستان' کی سماعت کے دوران ایک کے مقابلے میں چار کے اکثریتی فیصلے سے یہ رائے دی کہ رجم اسلامی تعزیری سزا ہے، حد نہیں ہے، لہٰذا ۳۱ جولائی ۱۹۸۱ء تک حد زنا آرڈیننس کی دفعہ ۵ اور ۶ میں تبدیلی کر دی جائے۔(۶)

۱۹۸۲ء میں آئین پاکستان کی دفعہ ۲۰۳ سی میں ذیلی دفعہ (۳-اے) کا اضافہ کیا گیا اور وفاقی شرعی عدالت کے آٹھ میں سے زیادہ سے زیادہ تین جج کا علما ہونا جو اسلامی قانون سے اچھی طرح واقف ہوں ضروری قرار دیا گیا۔

مذکورہ ترمیم کے بعد مذکورہ بالا فیصلے پر نظر ثانی کے لیے حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت میں نظر ثانی کی درخواست دائر کی جس کی سماعت چھ ججوں پر مشتمل ایک بنچ نے کی۔ جس میں جسٹس آفتاب حسین، جسٹس ظہور الحق، جسٹس چودھری محمد صدیق، جسٹس ملک غلام علی، جسٹس پیر محمد کرم شاہ، جسٹس محمد تقی عثمانی شامل تھے۔ اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر وفاقی شرعی عدالت نے مقدمے کی سماعت کے دوران فریقین کے فاضل وکلا کے علاوہ ملک کے ممتاز علما، دانشوروں اور ماہرین قانون کو دعوت دی کہ وہ اس مسئلے پر عدالت کی مدد فرمائیں۔ چنانچہ مولانا طاہر القادری، مولانا محمد اشرف خان، جناب ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ، علامہ سید محمد رضی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا سبحان محمود، مولانا قاضی سعد اللہ، محمد اسلم اور ڈاکٹر محمود احمد غازی نے عدالت سے

تفصیلی خطاب کیا اور ان کے علاوہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مولانا صلاح الدین یوسف اور مولانا محمد یوسف قریشی نے تحریری صورت میں اپنے نتائج فکر پیش کیے۔ اس بنچ نے ۹۰ صفحات پر مشتمل فیصلہ دیا اور ایک کے مقابلے میں پانچ کے اکثریتی فیصلے سے نظر ثانی کی درخواست قبول کرتے ہوئے پہلے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا اور یہ رائے دی کہ حد زنا آرڈیننس کی دفعہ ۵ اور ۶ میں دی گئی رجم کی سزا اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ (۷)

۳۔ سابقہ قانون سے موازنہ

حد زنا آرڈی نینس جب ۱۹۷۹ء میں نافذ ہوا تو اس کی دفعہ (۳)۱۹ کے مطابق تعزیرات پاکستان کی دفعات ۳۶۶، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۶، ۴۹۳، ۴۹۷ اور ۴۹۸ منسوخ کر دی گئیں جبکہ دفعہ ۳۶۷ کے یہ الفاظ "یا کسی فرد کا غیر فطری فعل" حذف کر دیے گئے۔ ذیل میں ہم موجودہ اور سابقہ دونوں قوانین کی بعض اہم دفعات کا موازنہ پیش کر رہے ہیں۔ اس مطالعے اور موازنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ سابقہ قانون کے مطابق عورت کو زنا کے جرم میں ملزم قرار نہیں دیا جا سکتا تھا بلکہ صرف مرد ہی ملزم قرار پاتا تھا۔ موجودہ قانون کے تحت اگر وہ جرم کا ارتکاب باہمی رضامندی سے کرتے ہیں تو دونوں ملزم قرار پاتے ہیں۔

سابقہ قانون کے تحت صرف زنا کی مرتکب عورت کا خاوند مدعی بن کر دوسرے شخص کے خلاف مقدمہ درج کرا سکتا تھا۔ موجودہ قانون میں کوئی بھی شہری مدعی ہو سکتا ہے۔

سابقہ قانون کے مطابق صرف کسی دوسرے کی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا جرم تھا بالفاظ دیگر زنا بذات خود کوئی جرم نہیں تھا بلکہ وہ اس لیے جرم تھا کہ کسی دوسرے کے حق میں مداخلت کی گئی ہے۔ موجودہ قانون کسی بھی عورت کے ساتھ ارتکاب زنا کو جرم قرار دیتا ہے۔

سابقہ قانون کے مطابق اگر اس فعل کا ارتکاب عورت کے شوہر کی مرضی یا ملی بھگت سے کیا جاتا یا یہ فعل زنا بالجبر کے زمرے میں نہ ہوتا تو یہ کوئی جرم نہیں تھا۔ موجودہ قانون کے مطابق یہ مطلقاً جرم ہے، چاہے اس میں خاوند کی مرضی شامل ہو یا نہ ہو۔

سابقہ قانون کے مطابق اگر کوئی شخص کسی غیر شادی شدہ عورت، بیوہ یا مطلقہ کے ساتھ اس فعل کا ارتکاب کرتا تو اس کا یہ فعل زنا کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔ موجودہ قانون کے مطابق یہ جرم ہے چاہے، اس کا ارتکاب کسی شادی شدہ یا غیر شادی شدہ فرد کے ساتھ کیا جائے۔

سابقہ قانون میں اس جرم کی سزا ۵ سال قید یا جرمانہ یا دونوں تھیں۔ موجودہ قانون کے مطابق حد کی صورت میں اس کی سزا سنگ ساری کے ذریعے موت یا سو کوڑے ہیں اور تعزیر کی صورت میں ۱۰ سال قید با مشقت، ۳۰ تک کوڑے اور جرمانہ مقرر کی گئی ہے۔

سابقہ قانون میں زنا بالرضا کا جرم قابل راضی نامہ تھا۔ اگر مدعی ملزم کو معاف کر دیتا تو مقدمہ خارج کر دیا جاتا تھا۔ موجودہ قانون کے مطابق یہ جرم نا قابل راضی نامہ ہے۔

سابقہ قانون میں زنا بالرضا کا جرم قابل ضمانت تھا یعنی ملزم گرفتار ہوتے ہی ضمانت پر رہا کر دیا جاتا تھا۔ موجودہ قانون میں یہ نا قابل ضمانت ہے اور صرف مخصوص حالات میں ملزم ضمانت پر رہا کیا جا سکتا ہے۔

سابقہ قانون کے تحت صرف مرد زنا بالجبر کا ملزم ہو سکتا تھا۔ موجودہ قانون میں مرد اور عورت میں سے کوئی بھی ملزم ہو سکتا ہے۔

سابقہ قانون کے مطابق زنا بالجبر کی سزا عمر قید یا ۱۰ سال تک قید اور جرمانہ تھی۔ موجودہ قانون کے مطابق حد کی صورت میں زنا بالجبر کی سزا شادی شدہ شخص کے لیے سنگ ساری کے ذریعے سزائے موت اور غیر شادی شدہ کے لیے سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا ہے۔ اگر کسی وجہ سے زنا بالجبر میں حد جاری نہ ہو سکتی ہو تو تعزیراً ایسے شخص کو سزائے قید دی جائے گی جو ۴ سال سے ۲۵ سال تک ہو سکتی ہے، نیز اسے ۳۰ تک کوڑے بھی مارے جائیں گے۔ اسی طرح اگر زنا بالجبر کا ارتکاب دو یا دو سے زیادہ افراد باہم صلاح مشورے سے کرتے ہیں تو ایسے تمام افراد کو سزائے موت دی جائے گی۔

سابقہ قانون کی دفعہ ۳۶۶ عورت کو زنا کاری کی غرض سے اغوا کرنے کے بارے میں تھی جسے من وعن نقل کرتے ہوئے دفعہ ۱۱ بنا دیا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے اس کی سزا ۱۰ سال

تک قید تھی لیکن اب اسے بڑھا کر عمر قید اور ۳۰ تک کوڑوں اور جرمانے کی سزا کر دیا گیا ہے۔

سابقہ قانون یعنی تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۷۲ اور ۳۷۳ کو من وعن نقل کرتے ہوئے اس آرڈیننس کی دفعہ ۱۳ اور ۱۴ اپنا دیا گیا ہے، تاہم اس میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ دفعہ ۳۷۲ اور ۳۷۳ کا اطلاق ۱۸ سال کی عمر تک کے افراد کی خرید وفروخت پر ہوتا تھا۔ موجودہ دفعہ میں یہ حد ختم کر دی گئی ہے۔ اب کسی بھی عمر کی عورت کی عصمت فروشی کی غرض سے خرید وفروخت یا کرایہ داری جرم تصور ہوگا۔ سابقہ قانون میں سزا ۱۰ سال قید اور جرمانہ تھی جسے بڑھا کر عمر قید، ۳۰ تک کوڑوں کی سزا اور جرمانہ کر دیا گیا ہے۔ نیز دفعہ ۳۷۲ کی وضاحت ۲ کے یہ الفاظ ''یا ایسا تعلق جو شادی تو نہیں کہلا سکتا لیکن کسی کے شخصی قانون یا کسی طبقہ کی روایات یا جہاں دونوں کسی مختلف طبقات سے تعلق رکھتے ہوں تو مختلف طبقات اسے شادی جیسا تعلق تسلیم کرتے ہوں''۔ حذف کر دیے گئے ہیں۔

سابقہ قانون کی دفعات ۳۷۲ اور ۳۷۳ کے بغور مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس قانون کے تحت عصمت فروشی کو تحفظ حاصل تھا۔ کوئی بھی شخص جو قحبہ خانہ چلاتا تھا یا عصمت فروشی کی غرض سے خواتین کو خریدتا یا بیچتا تھا یا کرائے پر لیتا یا دیتا تھا تو اسے قانونی تحفظ حاصل تھا۔ اس کا یہ فعل جرم صرف اس صورت میں قرار پاتا تھا اگر وہ ۱۸ سال سے کم عمر خواتین کو اپنے اس ناجائز دھندے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اگر وہ ۱۸ سال سے زیادہ عمر کی خواتین کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتا تو یہ کوئی جرم نہ تھا۔ لیکن موجودہ قانون میں خواتین کی عفت وعصمت کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور ان کے تقدس کو بحال کرتے ہوئے عصمت فروشی کی غرض سے کسی بھی خاتون کی خرید وفروخت اور کرایہ داری کو جرم قرار دیتے ہوئے نسبتاً سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان دفعات کے تحت طوائف کے طور پر استعمال کی جانے والی عورت ملزمہ نہیں ہوتی بلکہ قحبہ خانہ چلانے والا ملزم ہوتا ہے۔

سابقہ قانون کی دفعہ ۴۹۳ کو من وعن نقل کرتے ہوئے موجودہ قانون کی دفعہ ۱۵ اپنا دیا گیا ہے۔ یہاں بھی خواتین کے ساتھ دھوکا دہی کے ذریعے زیادتی کرنے والے شخص کی سزا ۱۰ سال سے بڑھا کر ۲۵ سال قید با مشقت، ۳۰ تک کوڑے اور جرمانے کی سزا کر دی گئی ہے۔

سابقہ قانون کی دفعہ ۴۹۸ کو من وعن نقل کرتے ہوئے حدزنا آرڈیننس کی دفعہ ۱۶ بنا دیا گیا ہے۔ اس دفعہ میں بھی کسی عورت کو بہلا پھسلا کر اغوا کرنے والے شخص کی سزا ۲ سال یا جرمانہ یا دونوں سے بڑھا کرے سال تک قید ۳۰ تک کوڑے اور جرمانہ کر دی گئی ہے۔

مسائل ومشکلات (عدالتی فیصلوں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

یوں تو تمام حدود قوانین گزشتہ پچیس سالوں سے گرما گرم بحث کی زد میں ہیں لیکن جس قانون پر سب سے زیادہ بات ہوئی ہے وہ حدزنا آرڈیننس ہے۔ ذیل میں ہم اس آرڈیننس کے چند اہم پہلوؤں پر عدالتی فیصلوں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بحث کریں گے۔

ا۔ نفاذ حد کے لیے کڑی شرائط

یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں آج تک کبھی حدزنا آرڈی ننس کی دفعہ ۵ کے تحت حد کی سزا نافذ نہیں ہوئی جبکہ پوری اسلامی تاریخ میں معدودے چند واقعات میں حد کی سزا نافذ کی گئی، لہٰذا اس طرح کی قانون سازی کا کیا فائدہ جو عملی طور پر نافذ نہ کی جائے۔ دراصل اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شریعت کا مطمح نظر ہرگز یہ نہیں کہ لوگ بار بار جرم کریں اور بار بار سزا بھگتیں، بلکہ حد کی سزا دراصل ایک انسدادی تدبیر ہے تاکہ معاشرے میں بے حیائی اس حد تک نہ پھیل سکے کہ لوگ اس جرم کا ارتکاب اس طرح کھلم کھلا کریں کہ چار گواہ بھی دستیاب ہو جائیں۔ مغرب میں جہاں یہ انسدادی تدبیر موجود نہیں ہے، وہاں حالت یہ ہے کہ لوگ علی الاعلان زنا کاری کا ارتکاب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جہاں چار نہیں بلکہ سینکڑوں گواہ میسر ہو سکتے ہیں لیکن کوئی قانون ایسا نہیں جو انہیں اس کھلی بے حیائی سے باز رکھنے کے لیے آگے بڑھے۔

۲۔ سزا کے لیے بلوغت کا معیار

حدزنا آرڈیننس کی دفعہ ۵ اور ۱۰ کے مطابق ہر عاقل بالغ شخص جو جرم زنا کا ارتکاب کرے گا، وہ ان دفعات میں دی گئی سزا کا مستحق قرار پائے گا۔ اس پر مندرجہ ذیل اعتراضات کیے جاتے ہیں:

ا۔ پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں عموماً ۹/۸ سال کی عمر کی بچیاں بھی بلوغت کی عمر کو

پہنچ جاتی ہیں جو جسمانی طور پر تو بے شک بالغ ہوتی ہیں لیکن ذہنی طور پر اتنی پختہ نہیں ہوتیں کہ اس جرم کی نوعیت اور اس کے نتائج کو سمجھ سکیں۔ ایسی معصوم بچیوں کو ان دفعات کے تحت سزا دینا سوچ بچار کا تقاضا کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ فطری طور پر ایک بچی جلدی بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتی ہے تو وہ بچے کی نسبتاً جلد سزا کی مستحق قرار پاتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا امتیازی سلوک ہے جو عورت کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔

ان اعتراضات کے حوالے سے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ کسی بھی قانون کا بنیادی مقصد معاشرے کو جرائم سے پاک کرنا اور افرادِ معاشرہ کو ان جرائم کے ارتکاب سے باز رکھنا ہے۔ جامع اور نقائص سے پاک قانون وہی ہو سکتا ہے جو جرم کے ارتکاب کی تمام امکانی صورتوں کا راستہ روکنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسمانی طور پر بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد کوئی بھی بچہ یا بچی جنسی خواہش پورا کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لیے ایسا کوئی قانون موجود ہونا چاہیے جو انہیں اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھ سکے۔ اگر ہم زنا کو حرام سمجھتے ہیں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ عمر کی کسی خاص حد تک اس کا اجازت نامہ جاری کر دیا جائے۔ اگر کسی معاشرے میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں تو یہ اُس معاشرے کے قانونی نظام میں ایک سقم ہے جسے بہر حال دور کیا جانا چاہیے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بچیاں جسمانی طور پر تو بالغ ہو جاتی ہیں لیکن ذہنی طور پر اتنی پختہ نہیں ہوتیں کہ جرم کی نوعیت اور اس کے نتائج کو سمجھ سکیں۔ اس سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ انہیں سزا سے مستثنیٰ قرار دینے کو عمومی اصول نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ اس طرح کم عمر بچے جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائیں گے۔ تاہم عدالتوں کی یہ مستقل ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ ملزم ذہنی طور پر کتنا پختہ ہے اور ہر مقدمے کی نوعیت کے مطابق کیا کسی ملزم کو سزا میں رعایت دی جا سکتی ہے یا اسے سزا سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہی بات تعزیرات پاکستان دفعہ ۸۳ میں بھی بیان ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

سات سے بارہ سال تک عمر کا بچہ جو اتنی پختہ سوچ کا مالک نہ ہو کہ اپنے رویے کی نوعیت اور اس کے نتائج اچھی طرح سمجھ سکے، اگر کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ جرم تصور نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا دفعہ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۷ سال سے ۱۲ سال تک عمر کا بچہ صرف اس صورت میں فوجداری مسئولیت سے مستثنیٰ ہے۔ جب عدالت مطمئن ہو کہ وہ اتنی پختہ سوچ کا مالک نہیں ہے کہ اپنے رویے کی نوعیت اور اس کے نتائج کو اچھی طرح سمجھ سکے۔ اسی طرح جو بچہ ۱۲ سال سے زیادہ عمر کا ہے وہ فوجداری مسئولیت سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اسے جرم کے ارتکاب پر سزا دی جائے گی۔

حد زنا آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ میں تعزیرات پاکستان کی ان دفعات کی ایک فہرست دی گئی ہے جن کا اطلاق حد زنا آرڈیننس پر بھی ہوگا۔ تعزیرات پاکستان کی مذکورہ بالا دفعہ یعنی دفعہ ۸۳ کو بھی اس فہرست میں شامل کیا جانا چاہیے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اسے امتیازی سلوک ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ بلوغ کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک بچی یا بچہ اس جرم کے ارتکاب کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں، لہٰذا اس جرم کے ارتکاب کا راستہ روکنے کے لیے ضروری ہے کہ قانون سازی موجود ہو۔ اس بات کو ہم اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مثال کے طور پر اگر یہ قانون بنایا جائے کہ لڑکا ہو یا لڑکی ۱۲، سال کی عمر سے قبل سزا سے مستثنیٰ ہوں گے تو ایسی صورت حال میں اگر کوئی بھی لڑکا یا لڑکی اس جرم کا ارتکاب ۱۲ سال کی عمر سے قبل کرتے ہیں تو اس کا سدباب کیسے ممکن ہوگا؟ یہ اس قانون میں موجود ایک سقم کہلائے گا، نیز ایک قانونی مسئلے کو خواہ مخواہ خواتین سے امتیازی سلوک قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

۳۔ حد زنا آرڈی نینس میں عورت کی گواہی

حد زنا آرڈی نینس کی دفعہ ۸ (ب) کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں ایک غلط

فہمی پائی جاتی ہے کہ حدود کے مقدمات میں عورت کو گواہی کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے جو عورتوں کے ساتھ شدید ناانصافی اور امتیازی سلوک ہے۔ اگر ایک عورت کو کسی ایسی جگہ پر ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے جہاں صرف عورتیں گواہ موجود ہیں تو ایسی صورت میں ظالم شخص صرف اس لیے سزا سے بچ جائے گا کہ کوئی مرد گواہ دستیاب نہیں۔

حالانکہ حد زنا آرڈی نینس میں عورتوں کو گواہی کے حق سے محروم نہیں کیا گیا بلکہ خواتین بطور گواہ عدالتوں میں پیش ہوتی ہیں اور ان کی گواہی کی بنیاد پر سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ آج تک کسی خاتون کو کسی بھی عدالت میں محض اس بنا پر گواہی دینے سے نہیں روکا گیا کہ وہ عورت ہے۔ حد زنا کے ہر مقدمے میں لیڈی ڈاکٹر بطور گواہ عدالتوں میں پیش ہوتی ہیں اور ان کی گواہی کی بنا پر سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ ایسے مقدمات کی تعداد بے شمار ہے جن میں محض عورت کی اکیلی گواہی ہی پر سزائیں دی گئیں۔ اس کی صرف چند مثالیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں:

ایک مقدمہ 'محمد علی بنام سرکار' میں ۹/۸ سال کی بچی سے زنا بالجبر کا ارتکاب کرنے والے ملزم کو عمر قید، ایک لاکھ روپے جرمانہ اور تیس کوڑوں کی سزا صرف خواتین کی عینی گواہیوں کی بنیاد پر سنائی گئی۔(۸)

ایک اور مقدمہ 'محمد اقبال عرف بالا بنام سرکار' میں زنا بالجبر کی شکار تیرہ سالہ بچی اور اس کی دس سالہ سہیلی کی گواہی پر ملزم کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔(۹)

اسی طرح ایک اور مقدمہ 'محمد نعیم بنام سرکار' میں چھٹی جماعت کی طالبہ کی گواہی پر تین ملزموں کو پچیس پچیس سال قید بامشقت اور تیس تیس کوڑوں کی سزا سنائی گئی تھی۔(۱۰)

اسی طرح 'عبیدالرحمن بنام سرکار' میں ایک شخص نے اپنی تیرہ سالہ بھانجی کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کیا اور اس کی اکیلی گواہی پر ملزم کو پچیس سال قید بامشقت اور محمود سٹیڈیم رحیم یار خان میں سرعام تیس کوڑے مارنے کی سزا دی گئی۔(۱۱)

وفاقی شرعی عدالت نے اسی موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے ایک مقدمہ 'رشیدہ پٹیل بنام وفاق پاکستان' میں درج ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام اپنے منفرد معاشرتی نظام میں خواتین کو بار شہادت سے حتی الوسع بری الذمہ رکھنا چاہتا ہے۔ ایک عورت کی گھریلو ذمہ داریاں اس قدر متنوع اور ہمہ گیر ہوتی ہیں کہ شہادت کے لیے بار بار حاضری شاید اس کے اہل خانہ کے لیے بار گراں، اولاد کے لیے باعث زحمت اور محارم کے لیے دوران سفر معیت کے پیش نظر موجب مشقت ثابت ہو۔ خود اس کے لیے کچہریوں کی آمد ورفت، الجھنوں، پریشانیوں اور ناقابل اجتناب اضطراب کا باعث بنے، مخالف وکلا کی جرحیں، بھری عدالت کے سامنے غیر مردوں میں نشست و برخاست اور اظہار و بیان وغیرہ اس کے لیے ذہنی کوفت کا موجب بنے، اس لیے عام حالات میں انہیں قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (تم اپنے گھروں میں رہو) پر عمل پیرا رہنا ہے، تاکہ احترام نسوانیت میں ذرہ بھر فرق بھی نہ آنے پائے، تاہم خصوصی حالات میں اگر کوئی واقعہ (بشمول حدود وقصاص) صرف ان کی موجودگی ہی میں درپیش ہو اور کوئی مرد موجود نہ ہو، یا ان کی تعداد ان کے بغیر مطلوبہ نصاب شہادت کے مطابق نہ ہو، یا وہ واقعہ اندرون خانہ ہی وقوع پذیر ہوا ہو، تو ایسی صورتوں میں ان کو شہادت سے روکنا، ان کی گواہی کو ناجائز سمجھتے رہنے پر اصرار کرنا اور ایسے مقدمات میں سرے سے ان کو ساقط الاعتبار ٹھہرانا نہ قرآن مجید کے عمومی احکام سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ اس کے مثالی نظام عدل سے اور نہ اسوہ حسنہ اور عہد خلافت راشدہ سے اس کی تائید کی جاسکتی ہے۔ خاص طور پر ان اداروں میں جہاں صرف خواتین کام کرتی یا رہائش پذیر ہوتی ہیں۔ (مثلاً گرلز ہوسٹل، نرسنگ ہوم، ویمن سنٹر وغیرہ) یا ان اوقات میں جب ان کے مرد گھروں میں موجود نہ ہوں، اگر اس قسم کے جرائم کا ارتکاب ہو تو ایسی صورت میں اثبات جرم کا کیا طریقہ ہوگا؟ یہ سوال اس لیے اہم ہے کہ ایسے مقامات جہاں صرف خواتین ہی گواہ ہوں یا صرف غیر مسلم موجود ہوں، اس جرم کے ارتکاب کی شہادت دینے کون آئے؟ بہر حال ہمارے نزدیک مخصوص حالات میں خواتین کی گواہی حدود وقصاص سمیت سب معاملات میں لی جاسکتی ہے، البتہ ایسی شہادتوں پر حد کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اور صرف تعزیری سزا کے لیے انہیں

قبول کیا جائے گا۔(۱۲)

اب سوال یہ ہے کہ حد کی سزا یعنی سنگ ساری اور سو کوڑوں کی سزا آخر عورتوں کی گواہی پر کیوں نہیں دی جاسکتی۔ وفاقی شرعی عدالت نے اس پر روشنی ڈالی ہے:

چونکہ حدود کی سب سزائیں بہت ہی سبق آموز اور عبرت انگیز ہیں، اس لیے ان کے اثبات کی شرائط کو "ارحم الراحمین" جل شانہ کے بنائے ہوئے ضابطے میں خاصا سخت رکھا گیا ہے، تاکہ یہ ہولناک سزائیں محدود اور مثالی رہیں۔ اور صرف اس وقت دی جاسکیں جب جرم ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر حیثیت میں ثابت ہو، سب گواہ تزکیۃ الشہود کے معیار کے مطابق ہوں اور ان کی شہادت 'ضلال' اور 'نسیان' سے محفوظ ہو، ان کی گواہی میں ذاتی نفع و نقصان کا کوئی جذبہ، دین وملت کے اختلاف اور باہمی عداوت کا ذرا سا شائبہ بھی نہ ہو اور ارتکاب جرم کی چشم دید گواہی دیں، اور اپنی شہادت کے ذریعے اس جرم کے ارتکاب اور مجرم یا مجرموں کی بلاشبہ تعیین ثابت کردیں۔(۱۳)

ویسے بھی اس آرڈیننس کے تحت حد کی سزا آج تک پاکستان میں ایک مرتبہ بھی نافذ نہیں کی گئی، لہٰذا عملی طور پر اس کا کوئی منفی اثر پاکستانی معاشرے پر نہیں ہے۔

۴۔ تزکیۃ الشہود

حدزنا آرڈیننس کی دفعہ ۸ میں گواہوں کے لیے یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ وہ تزکیۃ الشہود کی شرائط پوری کرتے ہوں۔ "تزکیۃ الشہود سے مراد تفتیش کا وہ طریقہ ہے جو عدالت یہ معلوم کرنے کے لیے اختیار کرتی ہے کہ کیا گواہ عادل ہے یا غیر عادل اور کیا اس کی گواہی قابل قبول ہے یا نہیں۔ دراصل تزکیہ عدالت کی ذمہ داری ہے تاکہ اپنے آپ کو ایک فاسق کی گواہی سے بچا سکے"۔(۱۴)

لیکن قانون میں تزکیۃ الشہود کا کوئی متعین طریق کار وضع نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس حوالے سے ججوں کی تربیت کا کوئی خاطر خواہ انتظام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تزکیۃ الشہود کی شرط پر عمل درآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر کسی مقدمے میں باقی شرائط پوری ہو بھی جائیں تو ملزم حد کی سزا سے

صرف اس لیے بچ جاتا ہے کہ گواہوں کو تزکیۃ الشہود کے معیار پر پرکھا ہی نہیں گیا۔ایک مقدمہ 'نذیر احمد بنام سرکار' میں چار گواہوں کی گواہی کے باوجود حد کی سزا صرف اس لیے نہ دی جا سکی کہ گواہوں سے متعلق تزکیۃ الشہود کی لازمی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی تھی۔(۱۵)

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تزکیۃ الشہود کی کارروائی کا متعین طریق کار وضع کیا جائے اور خاص طور پر اس حوالے سے ججوں کی تربیت کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔ اگرچہ ایک مقدمہ ''ثناء اللہ بنام سرکار'' میں وفاقی شرعی عدالت نے تزکیۃ الشہود پر تفصیلی بحث کی ہے لیکن انہوں نے بھی اس کا کوئی متعین طریقہ وضع نہیں کیا۔

۵۔ چار گواہوں کی شرط

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے اندر سے چار گواہ طلب کرو۔

اسی طرح سورہ نور کی آیت ۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُهَدَآءَ ٥

ترجمہ: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں پھر اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کریں۔

ان آیات میں واضح طور پر زنا کے الزام کے لیے چار گواہوں کی شرط کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جو فرد چار گواہوں کے بغیر ایسا کوئی الزام عائد کرتا ہے تو اس کے لیے قذف کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں زنا کے الزام میں درج ہونے والے کسی مقدمے میں چار گواہوں کا ذکر نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود ملزموں کو تعزیری سزائیں دی جاتی ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت ایک مقدمے میں یہ توجہ دلا چکی ہے کہ ''اگر بیان مستغیث سے پتا چلے کہ چار عینی گواہوں نے جرم زنا نہیں دیکھا، تو ایف آئی آر میں جرم درج کرتے وقت ''اغوا برائے زنا کاری'' جیسے

الفاظ لکھنا بالکل غلط ہے۔ مطلوبہ چار گواہوں کے بغیر ان الفاظ کا الزام حد قذف کا موجب بن سکتا ہے۔ اگر معتبر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہے تو جرم زنا ثابت نہ ہوگا، تاہم عدالت اپنے صواب دیدی اختیارات کی روشنی میں فحاشی، بدکاری وغیرہ کے جرم میں تعزیری سزا دینے کی مجاز ہے۔ مزید یہ کہ اگر معتبر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو مستغیث کو بھی قذف کی سزا ہوگی۔ اس لیے تمام متعلقہ لوگوں کو ہدایات جاری کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ایسے حالات میں ابتدائی رپورٹ درج کراتے وقت ''زنا'' کے الفاظ کے بجائے دوسرے محتاط الفاظ ''بے حیائی، بدفعلی، بدکاری'' وغیرہ درج کیا کریں۔

حد زنا آرڈیننس کی دفعہ (۴) ۹ کے مطابق اگر گواہ چار سے کم رہ جائیں تو بھی زنا کی تعزیری سزا دی جا سکتی ہے۔ حالانکہ یہ سورۃ النور کی آیت ۴ اور ۱۵ کی نصوص کے خلاف ہے جن میں ایسے افراد کو کاذب، فاسق اور مردود الشہادت قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اس دفعہ کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کے لیے اس میں اس طرح سے ترمیم درکار ہے کہ چار سے کم گواہ رہ جانے کی صورت میں عدالت زنا سے کسی کم تر جرم یعنی فحاشی وغیرہ کی تعزیری سزا دے سکے۔ (۱۶)

ایک اور مقدمہ 'عبدالقیوم بنام سرکار' میں عدالت نے یہ قرار دیا ہے کہ جب تک جرم زنا کے ارتکاب کے چار گواہ دستیاب نہ ہوں تو کسی پر زنا کا الزام عائد نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی خدا کا خوف رکھنے والا ایسا بُرا فعل دیکھ بھی لیتا ہے تو اسے عام نہیں کرنا چاہیے۔ شریعت میں یہ اتنا سنجیدہ معاملہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر چار گواہ پیش کیے بغیر ایسا الزام لگاتا ہے تو اسے اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور مستقبل میں اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ (۱۷)

لہٰذا دفعہ ۱۰ کے تحت بھی زنا بالرضا کا مقدمہ درج کرتے وقت چار گواہوں کی شرط ضروری قرار دی جائے، تاکہ مذکورہ بالا آیات کا منشا ان کی اصل روح کے مطابق پورا ہو سکے۔

۶۔ زنا بالجبر اور زنا بالرضا دو مختلف جرائم

دفعہ ۸ (ب) میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں جرائم کو ایک ہی ترازو میں تولا گیا ہے اور زنا بالجبر کو زنا بالرضا کی ایک ذیلی قسم قرار دیتے ہوئے دونوں کے لیے ایک ہی معیار شہادت مقرر کیا

گیا ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اس آرڈی نینس کی دفعہ ۴ زنا بالرضا کی تعریف بیان کرتی ہے اور دفعہ ۶ (۱) زنا بالجبر کی۔ ان دونوں دفعات کے بغور مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ دونوں جرائم اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہیں اور شریعت اسلامی کی رو سے ان دونوں میں مندرجہ ذیل بنیادی فرق ہیں:

اولاً یہ کہ زنا بالرضا خالصتاً اللہ کے حق کی خلاف ورزی ہے جبکہ زنا بالجبر میں اللہ کے حق کے ساتھ بندوں کا حق بھی مجروح ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ زنا بالرضا جیسا کہ لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ رضامندی کا فعل ہے جبکہ زنا بالجبر میں ایک مجرم شخص عورت کی ذات، عزت اور شرف پر براہ راست حملہ کرتا ہے۔(۱۸)

جہاں تک زنا بالجبر کا معاملہ ہے تو اس کے ارتکاب میں تشدد کا عنصر شامل ہو جانے کے بعد جرم کی نوعیت کلیتاً بدل جاتی ہے۔ ارتکاب جرم کے لیے جبر و طاقت کے استعمال کے بعد یہ جرم اللہ کے حق کے علاوہ بندوں کے حق کی بھی پامالی ہے۔ زنا بالجبر دراصل دو جرائم کا مجموعہ ہے یعنی زنا اور ارتکاب زنا کے لیے جبر و طاقت کا استعمال۔ اس کے بعد یہ عام جرم نہیں بلکہ فساد فی الارض یعنی دہشت گردی کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔ جس طرح چوری میں جبر و طاقت کا استعمال بھی شامل ہو جائے تو وہ چوری کا عام جرم نہیں رہتا بلکہ سرقہ بالجبر بن جاتا ہے جو فقہا کے نزدیک بالاتفاق حرابہ میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ جرم کی نوعیت بدل جاتی ہے بلکہ جرم کے اثبات کے معیارات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس کے معیار اثبات میں بھی نرمی اور سزا میں سختی آتی چلی جاتی ہے۔(۱۹)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

(سورۃ المائدہ:۳۳)

ترجمہ۔ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں۔ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے الفاظ میں سرقہ بالجبر کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا اس کے باوجود فقہا بالاتفاق سرقہ بالجبر کو حد حرابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس کی سزا کا استنباط اسی آیت سے کرتے ہیں کیونکہ اس فعل میں مال کے حصول کے لیے طاقت وتشدد کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔زنا بالجبر کو حد حرابہ میں شمار کرنے کے لیے اس اصول کے علاوہ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کریمہ کی شہادت موجود ہے جس میں نسل کے خلاف جرائم کو فساد فی الارض کہا گیا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَایُحِبُّ الْفَسَادَO (سورۃ البقرہ:۲۰۵)

ترجمہ۔اور جب وہ تمہارے پاس سے جاتے ہیں تو ان کی ساری بھاگ دوڑ زمین میں فساد برپا کرنے کھیتی اور نسل کو تباہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

فی الحقیقت زنا بالجبر نسل کو ہلاک کرنے کی بدترین صورت ہے کیونکہ نسل کی بربادی اصل میں نسل کی ہلاکت ہے۔سورۃ المائدہ کی آیت حرابہ اور سورۃ البقرۃ میں فساد فی الارض کی تشریح اور وضاحت یہ ثابت کرتی ہیں کہ زنا بالجبر عام حد زنا کا معاملہ نہیں بلکہ فقہا نے زنا بالجبر کو حد حرابہ شمار کیا ہے۔(۴۰)

حرابہ کی تعریف ہم ان الفاظ میں کر سکتے ہیں:

ایک یا ایک سے زیادہ افراد قتل وغارت گری کے لیے طاقت کے استعمال سے دوسروں کی جائداد چھینیں یا چھیننے کی کوشش کریں، کسی عورت پر حملہ کریں یا اس کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کریں یا اس کی کوشش کریں، یا جانوروں کو ہلاک کریں یا ہلاک کرنے کی کوشش کریں، یا فصلوں کو تباہ کریں یا تباہ کرنے کی کوشش کریں تو ان کا یہ عمل حرابہ کہلائے گا۔

معروف فقیہ الدسوقی نے بھی کسی کے ساتھ زنا بالجبر کے ارتکاب کو حرابہ قرار دیا ہے۔(۲۹) اسی طرح ایک اور فقیہ ابن عربی کے پاس ایک معاملہ لایا گیا جس میں ایک گروہ نے خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کیا تھا تو انہوں نے اسے حرابہ قرار دیا۔ جب یہ اعتراض کیا گیا کہ چونکہ اس میں کوئی رقم نہیں لوٹی گئی اس لیے یہ حرابہ نہیں ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کسی عورت کی عزت لوٹنا رقم کے لوٹنے سے زیادہ بُرا ہے، اس لیے یہ بھی حرابہ کی تعریف میں داخل ہے۔(۲۱)

علامہ ابن حزمؒ محاربؒ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ہر کوئی جو گزرنے والے سے (بلا اشتعال) لڑے، راستے میں قتل و غارت گری سے خوف و دہشت پھیلائے، مال چھینے یا زخم لگائے یا زنا کاری کے ذریعے سے خواتین کی عزت پامال کرے وہ محارب ہے۔ ایسے لوگ کم ہوں یا زیادہ، ہر حال میں ان پر آیت کریمہ میں محاربین سے متعلق منصوص حکم لاگو ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرابہ کو کسی ایک خاص جرم کی نوعیت کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ محاربین سے متعلق حکم الٰہی میں جرائم کی جملہ انواع شامل ہیں۔(۲۲)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زنا بالجبر صرف فوجداری جرم ہی نہیں بلکہ شریعت نے اسے ایک دیوانی ذمہ داری بھی گردانا ہے، شریعت میں کسی بھی شخص کے جسم کا کوئی بھی حصہ اس کی ملکیت ہے اور کوئی بھی دوسرا شخص غیر قانونی طور پر کسی فرد کے جسم کے کسی بھی حصے کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ دیت یا ارش ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی کے جنسی اعضا کو نقصان پہنچاتا ہے تو شریعت اسلامی کی رو سے وہ شخص مجروح کو جرمانہ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔(۲۳)

ان حالات میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ زنا بالجبر دراصل زنا کی ذیلی قسم نہیں ہے بلکہ یہ حرابہ کی ذیلی قسم ہے اور حرابہ کے ارتکاب کے ثبوت کے لیے وہ سخت معیار شہادت مقرر نہیں کیا گیا جو زنا کے لیے ہے۔ یہی بات وفاقی شرعی عدالت ایک مشہور مقدمہ 'بیگم رشیدہ پٹیل بنام وفاق پاکستان' کے فیصلے میں تفصیلی بحث کے بعد بیان کر چکی ہے۔

محض فنی وجوہات کی بنیاد پر کسی مستحق فریادی کو انصاف سے محروم کر دینا اور بھیڑیوں کے حوالے کر دینا اور دادرسی نہ کرنا تو عام انسانی فطرت بھی گوارا نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ اسے شریعت

اسلامی کے حکیمانہ، مشفقانہ اور رحیمانہ نظام کی طرف منسوب کیا جائے۔ چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ زنا بالجبر کے واقعات حقیقتاً اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ اور محاربہ کے ہم معنی ہیں اور ان کے ساتھ اسی صورت میں نمٹنا چاہیے۔ کسی کے مال پر ڈاکا ڈالنا اگر محاربہ کی تعریف میں شامل ہے تو کسی کی عزت لوٹ لینا اس میں کیوں شامل نہیں ہوسکتا۔ آخر ایک انسان کے پاس عزت وعفت سے بڑا سرمایہ اور یوں کسی کی عصمت دری کرنے سے زیادہ فساد اور کیا ہو سکتا ہے، تاہم اس احتیاط کی ضرورت بہرحال رہے گی کہ عدل وانصاف کے سب تقاضے بھی پورے ہوں اور اسلامی احکامات کے مقتضیات بھی جرم کے یقینی ثبوت کے لیے بھی اور اس کی مناسب سزا کے لیے بھی۔ وفاقی شرعی عدالت نے ہدایت کی کہ یکم فروری ۱۹۹۰ء سے قبل قانون میں ترامیم کی جائیں۔

فیصلہ کے پیراگراف ۴۳ میں کہا گیا کہ:

..... نیز دفعہ ۱۰ میں زنا بالجبر کے ضمن میں دفعہ ۸ کا ذکر بھی ہے۔ اب جبکہ مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہو چکا ہے کہ زنا بالجبر عام زنا سے بالکل ایک مختلف جرم ہے، اور یہ فساد فی الارض اور حرابہ کی تعریف میں آتا ہے، اس لیے دفعہ ۸ میں زنا بالجبر کے لیے مطلوبہ ''چار مسلمان مردوں'' کا نصاب شہادت قرآن وسنت کے مخالف ہونے کی وجہ سے ترمیم طلب ہے، لہٰذا ہم دفعہ ۸ میں مندرجہ ذیل ترمیم کا حکم دیتے ہیں۔ صرف زنا کے لیے چار بالغ مسلمان مرد کا نصاب برقرار رکھتے ہوئے زنا بالجبر کی سزائے حد کے لیے دفعہ ۸ میں الگ حصہ بڑھا کر نصابِ شہادت 'دو بالغ مسلمان مرد' رکھا جائے جو دفعہ ۸ (ب) میں مذکور صفات کے حامل ہوں۔ (۴۴)

۷۔ غیر مسلموں پر آرڈی نینس کا اطلاق

حدزنا آرڈی نینس کی دفعہ ۸ کے حوالے سے اقلیتوں کے نمائندے بارہا اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ اُس قانون سازی کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں ہونا چاہیے جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات ہیں بلکہ ان کے شخصی قوانین کے مطابق انہیں سزا دی جائے۔ (۴۵)

دراصل یہ اعتراض ایک بڑی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ شخصی قوانین میں تو ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے فرد کو یہ مکمل آزادی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کروائے۔ مثال کے طور پر نکاح وطلاق کے قوانین یا وراثت کے قوانین۔ لیکن وہ ملکی قوانین جن کا تعلق امن وامان اور معاشرے سے جرائم کی بیخ کنی سے ہوتا ہے، ان کا اطلاق بلاتمیز سب شہریوں پر کیا جاتا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ پوری دنیا میں یہی اصول رائج ہے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان عورت امریکا میں اگر ظلم کا شکار ہوتی ہے، تو وہ یہ مطالبہ نہیں کرسکتی کہ ظالم کو سزا اسلامی قوانین کے مطابق دی جائے، بلکہ وہاں کے ملکی قانون کا اطلاق ہوگا۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اسلامی سزاؤں کا مقصد جرم کا سد باب اور ان کی بیخ کنی ہے۔ اگر یہ اصول اپنا لیا جائے کہ مسلمانوں کو تو زنا کے جرم میں کوڑے مارے جائیں اور غیر مسلموں کو اس حد سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو اس سے اس جرم کے ارتکاب کا ایک دروازہ کھل جائے گا اور معاشرے میں ان جرائم کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ سزا دینے کا مقصد جرم کا سد باب کرنا اور مجرم پر سزا نافذ کر کے دوسروں کو تنبیہ کرنا ہے۔ چونکہ یہ سزائیں ملکی قوانین کے تحت مقرر کی گئی ہیں، لہٰذا مسلم اور غیر مسلم دونوں کو جرم کا ارتکاب کرنے پر دی جائیں گی۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ فدک کے لوگوں میں سے ایک شخص نے زنا کیا تھا۔ اس پر فدک کے لوگوں نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں میں سے کچھ لوگوں کو لکھا کہ ''محمد ﷺ سے اس بارے میں پوچھو۔ اگر وہ تمہیں کوڑوں کا حکم دیں تو اسے قبول کر لینا اور سنگساری کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا''۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپؐ سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس اپنے دو آدمی ایسے بھیجو جو تمہارے درمیان سب سے زیادہ علم رکھتے ہوں''۔ چنانچہ وہ ابن صوریا نامی ایک یک چشم آدمی کو اور ایک اور شخص کو لے آئے۔ ان سے آپؐ نے پوچھا: ''کیا تم اپنے لوگوں میں سب سے بڑے عالم ہو''؟ انہوں نے کہا: ''جبھی تو ہماری قوم نے ہم سے رجوع کیا ہے''۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس تورات نہیں ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہو؟'' انہوں نے کہا: ''کیوں نہیں''؟ آپؐ نے فرمایا: ''بس تو میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں

جس نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑا، تم لوگوں پر ابر کا سایہ کیا، تمہیں آل فرعون سے نجات دی اور بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل کیا، یہ بتاؤ کہ تم تورات میں رجم کے حکم کے بارے میں کیا پاتے ہو؟" اس پر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "آج تک مجھے ایسی قسم نہیں دی گئی"، پھر وہ بولے: "ہم یہ پاتے ہیں کہ بدنگاہی بھی ایک قسم کا زنا ہے اور بوس وکنار بھی ایک قسم کا زنا ہے۔ لیکن اگر چار آدمی اس بات کی گواہی دے دیں کہ انہوں نے ملزم کو اس طرح دخول کرتے دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سلائی، تو اس وقت رجم واجب ہو جاتا ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: "بس یہی تو بات ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے اس زانی کو سنگ سار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اسے سنگ سار کیا گیا۔ اور رجم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! میں ہی پہلا شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو اس وقت زندہ کیا جب یہ لوگ اسے مردہ کر چکے تھے"۔ (۲۶)

یہودیوں کے رجم کے بارے میں ایک خیال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ تورات کے احکام کے مطابق فرمایا تھا، اس سے اسلامی شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس خیال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس واقعے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات منگوائی اور اس سے رجم کے حکم کو ثابت فرمانے کے بعد رجم فرمایا۔ مندرجہ ذیل دلائل اس خیال کی تردید کرتے ہیں:

(۱) سورہ مائدہ کی جو آیات یہودیوں کے اس واقعے میں نازل ہوئی ہیں، ان میں واضح طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ (سورۃ المائدۃ:۴۲)

ترجمہ: اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو۔

اس آیت میں قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ ان یہودیوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیں اور اس کے مطابق آپ نے ان کو رجم فرمایا۔ ظاہر ہے انصاف سے مراد وہ عمل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انصاف ہو۔ اب اگر سنگ سار کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہوتا اور اسلامی شریعت میں باقی نہ ہوتا، تو یہ نافذ نہ کیا جاتا، اسی لیے اس آیت کا مطلب

مفسرین نے یہی بیان کیا کہ ان غیر مسلموں کے درمیان فیصلہ کرو تو اسلامی احکام کے مطابق کرو۔
ابراہیم نخعی اور عامر شعبی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''جب آپ کے پاس مشرکین آئیں اور آپ سے فیصلہ کرانا چاہیں تو آپ ان پر مسلمانوں کا حکم جاری کریں: (۲۷)

(۲) آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط

(سورۃ المائدہ: ۴۸)

ترجمہ: پس آپ ان کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آپ کے پاس جو حق آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ ''بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد اللہ کی حدود ہیں''۔ (۲۸)

حافظ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان اس کتاب اور ان احکام کے مطابق فیصلہ کریں جو آپ پر نازل ہوئے ہیں، خواہ وہ آپ کے پاس حدود کا کوئی مقدمہ لے کر آئیں یا زخموں یا قصاص کا، لہٰذا آپ زانی شخص کو سنگ سار کریں''۔ (۲۹)

(۳) انہی آیات میں کئی جگہ سنگ سار کرنے کو حکم اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو حکم منسوخ ہو چکا ہو اسے حکم اللہ نہیں کہا جا سکتا۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، یہودیوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کر لیا تھا انہوں نے آپس میں کہا کہ چلو، اس نبیؐ کے پاس چلیں اس لیے کہ یہ آسان احکام دے کر بھیجے گئے ہیں، لہٰذا انہوں نے اگر رجم سے کم تر کوئی فتویٰ دیا تو ہم اسے قبول کر لیں گے، اور وہ اللہ کے یہاں بھی ہماری دلیل بنے گی۔ ہم کہیں گے کہ یہ آپ کے انبیا میں سے ایک نبی کا فتویٰ تھا۔ (۳۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ انہوں نے آپؐ سے تورات کا حکم معلوم کرنے اور اس کے

مطابق فیصلہ کرنے کے لیے رجوع نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا حکم اور فیصلہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اب یہ بات نہ تو ممکن ہے اور نہ جائز کہ کفار مسلمان قاضی کے پاس جرم وسزا کے معاملات میں مسلمانوں کے قانون کے مطابق فیصلہ کرانے آئیں، اور مسلمان قاضی اسلامی قانون کے بجائے غیر مسلموں کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے، لہٰذا اس فیصلے کی کوئی معقول توجیہ اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ اسلامی قانون کے مطابق تھا۔

(۵) یہ بات متعدد روایتوں میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ''آج سے یہود ونصاریٰ اور ان کے سوا دوسرے مذاہب کے لوگوں کے معاملات میں ہم ہی فیصلے کیا کریں گے''۔ (۳۱)

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ حضرت جابرؓ نے بھی نقل فرمائے ہیں کہ ''اب تمہارے معاملات میں ہم فیصلہ کریں گے''۔ (۳۲) ان الفاظ کا مطلب بھی یہ نکلتا ہے کہ اب مسلمان ہی اس قسم کے معاملات میں غیر مسلموں پر اپنے قانون کے مطابق فیصلے کیا کریں گے۔

(۷) امام ابوبکر جصاصؒ نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اس بات کے بڑے معقول دلائل پیش کیے ہیں کہ یہودیوں کا رجم کرنا اسلامی شریعت کے مطابق تھا نہ کہ یہودیوں کی شریعت کے مطابق۔ وہ فرماتے ہیں:

> نبیؐ نے جو یہودیوں کو رجم فرمایا اس میں دو ہی احتمال ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے تورات کے حکم کے مطابق عمل فرمایا ہو، دوسرا یہ کہ آپ کی اپنی شریعت کا مستقل حکم ہو۔ اگر آپؐ نے تورات کے مطابق رجم کیا تھا تب بھی (آپ کے عمل فرمانے کی بنا پر) یہ آپ ہی کی شریعت بن گیا کیونکہ گزشتہ انبیا کی شریعتوں میں جو احکام حضورؐ کے وقت تک باقی رکھے گئے وہ ہمارے نبیؐ کی بھی شریعت بن گئے۔ جب تک کہ ان کا نسخ ثابت نہ ہو اور اگر آپ نے یہ رجم خود اپنی شریعت کے مطابق فرمایا تھا، تب بھی یہ حکم ہمیشہ کے لیے ثابت ہو گیا، کیونکہ اس کے بعد کوئی ایسی دلیل نہیں آئی جو اس حکم کو منسوخ کر دے۔ اور صحیح یہی ہے کہ رجم نبیؐ نے اپنی مستقل شریعت کے مطابق فرمایا تھا، تورات کے حکم کو باقی رکھتے ہوئے

نہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں زانیوں کی سزا قید اور تکلیف پہنچانا تھی (سورۃ النساء: ۱۵، ۱۶) اور اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کا حکم یکساں تھا جس سے صاف واضح ہے کہ تورات میں اللہ نے جس رجم کا حکم دیا تھا وہ قرآن کریم نے منسوخ کر دیا تھا، لہٰذا اب یہودیوں کو رجم کرنا اسلامی شریعت کے نئے حکم کا اعلان تھا، نہ کہ تورات کے پچھلے حکم کو باقی رکھنا۔ (۳۳)

ان دلائل کی روشنی میں اس بات میں شبہ نہیں رہتا کہ نبیؐ نے سنگ سار کرنے کا حکم تورات اور یہودیوں کے قانون کے مطابق نہیں دیا تھا، بلکہ خود اپنے قانون کے مطابق فرمایا تھا، البتہ چونکہ اس معاملے میں تورات اور اسلامی شریعت یکساں ہو گئے تھے، اس لیے یہودیوں پر حجت پوری کرنے کے لیے آپ نے تورات منگوا کر اس سے بھی رجم کا حکم ثابت فرمایا، تا کہ یہودیوں کے لیے خود ان کے مذہب کے مطابق بھی کسی اعتراض یا فرار کی گنجائش باقی نہ رہے (۳۴)، لہٰذا اس واقعے سے بھی یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے، کہ اسلام کے فوجداری قوانین کا اطلاق غیر مسلموں پر بھی ہوگا اور انہیں ان قوانین سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اگر مذکورہ بالا موقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ عیسائیوں کے قانون طلاق ۱۸۶۹ کی دفعہ ۱۰ کے مطابق کوئی بھی عیسائی عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے اپنے شوہر پر نہ صرف زنا کا الزام لگانا پڑتا ہے بلکہ اسے ثابت بھی کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں حدود کے قوانین کا غیر مسلموں پر اطلاق ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ عیسائیوں کے طلاق کے ہر مقدمے میں ایک فریق کو حد زنا یا حد قذف کی سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔ (۳۵) دراصل عیسائیوں کے قانون طلاق میں زنا اور قذف کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے وہ معیار ثبوت درکار نہیں ہے جو حدود کے قوانین میں درکار رہتا ہے۔ اس لیے عیسائیوں کے ہر مقدمۂ طلاق میں حد زنا یا حد قذف کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عیسائیوں کے قانون کی خامی ہے نہ کہ حد زنا آرڈی نینس کی۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں اگر حد زنا آرڈینینس کا جائزہ لیا جائے تو یہ حیران کن بات

سامنے آتی ہے کہ رجم کی سزا تو غیر مسلموں پر نافذ نہیں ہو سکتی لیکن سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا بطور حد اور دیگر تعزیری سزائیں غیر مسلموں پر بھی نافذ ہوں گی۔ دفعہ (۲) ۵ اور دفعہ (۳) ۶ کے مطابق اگر کوئی محصن زنا یا زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے رجم کیا جائے گا۔ اسی طرح دفعہ ۲ میں محصن کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کوئی بھی عاقل بالغ مسلمان مرد یا عورت محصن ہوں گے۔ اگر ان دونوں دفعات کو ملا کر پڑھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غیر مسلم کو رجم کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ محصن کی تعریف میں نہیں آتا اور رجم کی سزا صرف محصن کو دی جا سکتی ہے۔ جبکہ غیر مسلم کو بطور حد سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ یہاں یہ بات سمجھنا خاصا مشکل ہے کہ حد زنا آرڈیننس کی تدوین کے وقت کس اصول کو پیش نظر رکھا گیا۔ آیا حدود قوانین شخصی قوانین کے زمرے میں آتے ہیں یا ملکی قوانین کے۔ اگر وہ شخصی قوانین کے زمرے میں آتے ہیں تو حد زنا آرڈیننس کا اطلاق بطور اصول غیر مسلموں پر نہیں ہونا چاہیے اور اگر یہ ملکی قوانین کے زمرے میں آتے ہیں تو پھر غیر مسلموں کو آخر رجم کی سزا سے مستثنیٰ قرار دینے کا کیا جواز ہے؟

۸۔ بے حیائی - ایک قابل تعزیر جرم

خاندان کا ادارہ اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے تعلق کو نہ صرف پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے بلکہ اس کی حدود و قیود بھی متعین کر دی ہیں۔ ان حدود و قیود کی پامالی کی انتہائی شکل تو زنا ہے جس کے سدباب کے لیے حد زنا آرڈیننس موجود ہے لیکن دیگر بے شمار افعال ایسے ہیں جو بے شک زنا کے زمرے میں نہیں آتے لیکن بہر حال اسلام ان افعال کی اجازت نہیں دیتا اور انہیں حرام قرار دیتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے ایک مقدمے میں یہ قرار دیا ہے کہ کسی لڑکی کا اپنی مرضی سے جنس مخالف کے ساتھ نکل کھڑے ہونا ہر حال میں زنا بالجبر کا تصور پیش نہیں کرتا۔ (۳۶)

اسی طرح ایک اور مقدمہ 'اختر پردین بنام سرکار' میں عدالت عالیہ نے یہ قرار دیا ہے کہ کسی خاتون کی کسی گھر میں کسی اجنبی کے ساتھ موجودگی کوئی جرم نہیں ہے۔ مرد و عورت کی ایسی موجودگی کو زنا کی کوشش بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ (۳۷)

اسی طرح ایک اور مقدمہ 'مسماۃ سکھاں بنام سرکار' میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ مرد و عورت کے درمیان عاشقانہ سرگرمیاں جیسے بوس و کنار، آپس میں لپٹنا، ایک ہی چارپائی پر لیٹنا یا ایک دوسرے پر لیٹنا اخلاقی و سماجی طور پر چاہے کتنے ہی قابل اعتراض کیوں نہ ہوں، زنا کے زمرے میں نہیں آتے۔(۳۸)

ایک اور مقدمہ 'عاشق حسین بنام سرکار' جس میں ایک نیم برہنہ خاتون ایک مرد کی گود میں بیٹھی پائی گئی، جب کہ دو دیگر مرد اس کی چھاتیوں سے کھیل رہے تھے۔ عدالت نے قرار دیا کہ قابل اعتراض ہونے کے باوجود مذکورہ بالا عمل کسی جرم کی تعریف میں نہیں آتا، لہٰذا ملزمان ضمانت پر رہائی کے مستحق ہیں۔(۳۹)

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے بے شمار افعال جو بے شک زنا بالرضا کے زمرے میں نہیں آتے لیکن وہ ایسے افعال ہیں جو بالآخر انسان کو اس جرم کے ارتکاب پر آمادہ کرتے ہیں اور شریعت میں واضح طور پر انہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ انہیں کسی تعزیری ضابطے کے تحت لایا جائے تاکہ ایسے افعال کے مرتکب افراد جرم ثابت ہونے کے باوجود سزا سے بچ نہ سکیں۔

ایک مقدمہ 'افادت بنام سرکار' میں وفاقی شرعی عدالت نے توجہ مبذول کرائی ہے کہ (کسی عورت کا) شوہر کا گھر چھوڑنا اور باپ کے گھر آجانا اور پھر باپ کے گھر سے بھی بطیب خاطر چلے جانا اور مختلف مقامات پر غیر محرموں کے ہاں رہنا یا ملازمت کرنا کسی تعزیری ضابطے میں قابل گرفت نہیں ہیں۔ اس ضمن میں دو تعزیراتی قوانین نافذ العمل ہیں۔ (۱) جرم زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء (۲) تعزیرات پاکستان۔ یہ دونوں اس بارے میں خاموش ہیں اور اسے جرم قرار نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے اس اہم مسئلے کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے اس حوالے سے قانون سازی پر زور دیا ہے اور کہا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ایسا خلا ہے جسے قانون سازی کے ذریعے پُر ہونا چاہیے۔(۴۰)

ایک اور معروف مقدمہ 'عبدالوحید بنام عاصمہ جہانگیر' جس میں ایک عالم دین کے ایک بیٹے کو گھر پر پڑھانے کے لیے آنے والا استاد اس عالم دین کی صائمہ نامی نوجوان بچی کو بھگا کر

لے گیا اور اس سے کورٹ میرج کر لی۔ اس مقدمے کی سماعت تین ججوں جناب جسٹس ملک محمد قیوم، جناب جسٹس احسان الحق چودھری، اور جناب جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے پر مشتمل ایک تین رکنی بنچ نے کی۔ اگرچہ اس مقدمے میں جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے نے یہ فیصلہ دیا کہ صائمہ چونکہ عاقل بالغ لڑکی ہے، لہٰذا وہ ولی کی اجازت کے بغیر اپنی آزاد مرضی سے نکاح کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس نکاح کو باطل قرار نہیں دیا جا سکتا اور صائمہ کو اپنے والدین کی مرضی کے خلاف 'دستک' میں پناہ لینے کا حق حاصل ہے، تاہم انہوں نے اپنے فیصلے میں مندرجہ ذیل امور کا برملا اظہار کیا:

اسلام میں مردوں اور عورتوں کے درمیان شادی سے پہلے کے تعلقات، خفیہ دوستیاں اور خفیہ نکاح ممنوع ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اپنے جیون ساتھی کی تلاش میں نکل کھڑے ہونا اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے۔ 'خاوند کی تلاش' کی مہم بہت سے خطرات کو دعوت دیتی ہے جس کی بہر حال حمایت نہیں کی جا سکتی۔ شادی سے پہلے یا بغیر شادی کے تعلقات اور خفیہ شادیوں کے بارے میں قانون سازی کی جائے اور اسے تعزیری جرم قرار دیا جائے۔ (۴۱)

اسی طرح ایک اور مقدمے میں وفاقی شرعی عدالت نے واضح طور پر کہا ہے کہ "جو کنواری لڑکیاں یا شادی شدہ خواتین اپنی مرضی سے تنہا یا غیر ذمہ دار افراد کے ہمراہ فساد کی نیت کے ساتھ گھر سے فرار ہوتی ہیں اور بعض اوقات فرار ہونے سے پہلے وہ خود ہی غیر مردوں کے لیے ترغیب و اغوا کا باعث بنتی ہیں۔ افسوس ہے کہ ایسی عورتیں ابھی تک تعزیرات پاکستان یا نفاذ حدود آرڈیننس کی کسی شق کے تحت قابل مؤاخذہ نہیں۔ یہ قانونی خلا جتنا جلد پُر ہو اتنا بہتر ہے"۔ (۴۲)

۹۔ نکاح پر نکاح کے مقدمات کا مسئلہ

مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۵ میں نکاح اور دفعہ ۷ میں طلاق کی رجسٹریشن کو ضروری قرار دیتے ہوئے ان دفعات کی خلاف ورزی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے۔ دفعہ ۵ کی خلاف ورزی پر تین ماہ تک قید یا ایک ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں کی سزا مقرر کی گئی ہے جبکہ دفعہ ۷ کی خلاف ورزی پر ایک سال تک قید یا پانچ ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ مسلم

فیملی لاآرڈیننس کے نفاذ سے ہمارے معاشرے میں نکاح رجسٹرڈ کرانے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے لیکن مذکورہ بالاسزا کے باوجود طلاق کو رجسٹرڈ کروانے کا رجحان ناپید ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ چونکہ طلاق عام طور پر غصے کے عالم میں دی جاتی ہے، لہٰذا اس کی رجسٹریشن کی زحمت بھی گوارا نہیں کی جاتی۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عملاً یہ قانون غیر مؤثر ہے اور ان دفعات کے تحت مقدمات کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح یہ جرم ناقابل دست اندازی پولیس ہے۔پولیس ان دفعات کے تحت مقدمہ درج کرنے کی مجاز نہیں ہے بلکہ یہ مقدمات استغاثہ کی صورت میں براہ راست مجسٹریٹ کی عدالت میں دائر کیے جاسکتے ہیں۔ پنجاب میں ان دفعات کے تحت قانونی کارروائی کے لیے مستغیث مذکورہ شخص کی بیوی ہوسکتی ہے جبکہ پنجاب کے علاوہ دیگر صوبوں میں متعلقہ یونین کونسل کا ناظم مستغیث ہوسکتا ہے۔لیکن عدالتی نظام کی پیچیدگیوں کے باعث یہ لوگ عدالتوں کا رخ کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

طلاق رجسٹرڈ نہ کروانے کا نقصان میاں بیوی دونوں کو ہوتا ہے اور یہ دو دھاری تلوار دونوں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرسکتے ہیں۔عورت طلاق کے بعد عدت گزار کر جب کسی دیگر شخص سے نکاح ثانی کرتی ہے تو پہلا خاوند ان کے خلاف نکاح پر نکاح کا مقدمہ درج کرادیتا ہے، لہٰذا طلاق کا قطعی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے میاں بیوی دونوں کو حد زنا آرڈیننس کے تحت مقدمے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف بعض خواتین طلاق کو کئی سال گزر جانے کے بعد خاوند کے خلاف نان نفقہ کا دعویٰ دائر کردیتی ہیں اور جواز یہ پیش کرتی ہیں کہ اتنے عرصے سے اسے خاوند نے بغیر طلاق دیے غیر آباد کر رکھا ہے اور کوئی نان نفقہ نہیں دیتا۔طلاق کا قطعی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے خاوند کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن بہرحال نکاح پر نکاح کے مقدمات کا معاملہ زیادہ سنگین ہے۔

ایک مقدمے میں نذیراں بی بی نے پہلے شوہر سے طلاق ہونے کے بعد دوسرے خاوند سے شادی کرلی اور دوسری شادی کے دس سال بعد اس کے پہلے شوہر کے بھتیجے نے ۱۰ حد زنا کے تحت اس کے اور اس کے دوسرے شوہر کے خلاف نکاح پر نکاح کا مقدمہ درج کروادیا۔دونوں میاں بیوی کو نہ

صرف جیل کی ہوا کھانی پڑی بلکہ ایک سال تک بطور ملزم عدالتوں میں دھکے بھی کھانے پڑے۔ اس مقدمے کا توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ دوران گواہی جب تفتیشی افسر سے پوچھا گیا کہ آیا اس نے معززین علاقہ سے طلاق کی بابت تحقیق کی تو اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس نے صرف مدعی کے پیش کردہ گواہوں کے ہی بیان قلم بند کیے تھے۔ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ متعلقہ پولیس افسر نے اسے بتایا ہے کہ میجر تحسین خان نے اسے ہدایت کی ہے کہ مقدمہ درج کیا جائے اور ملزمان کو گرفتار کیا جائے۔ (۴۳)

اب جبکہ وفاقی شرعی عدالت مذکورہ بالا سزاؤں کو ایک مقدمہ 'اللہ رکھا بنام وفاق پاکستان' کی سماعت کے دوران اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ قرار دے چکی ہے (۴۴) تو ضرورت اس امر کی ہے کہ عامۃ الناس میں اس حوالے سے آگہی اور شعور پیدا کیا جائے کہ وہ مستقبل کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے نکاح کی طرح طلاق کو بھی رجسٹرڈ کروائیں اور نکاح سرٹیفکیٹ کی طرح ثالثی کونسل سے طلاق سرٹیفکیٹ بھی حاصل کریں۔ نیز عدالتوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ اگر نکاح پر نکاح کے کسی مقدمے میں طلاق ثابت ہو جائے تو عدالت از خود طلاق رجسٹرڈ نہ کروانے والے مرد کے خلاف مسلم فیملی لاآرڈیننس کی دفعہ ۷ کے تحت کارروائی کرتے ہوئے اسے سزا دے۔ نکاح پر نکاح کے مقدمات میں تفتیشی افسران کا کردار بہت اہم ہوتا ہے، لہٰذا تفتیشی افسران کو ہدایات جاری کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسے مقدمات میں لگے بندھے طریقے سے تفتیش کرنے کے بجائے طلاق کے بارے میں حتی المقدور پوری چھان بین کریں اور اپنے آپ کو پوری طرح مطمئن کرنے کے بعد ہی ملزمان کو گناہ گار قرار دیں۔ یہاں اس امر کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسلم فیملی لاآرڈیننس کی دفعہ ۷ کے نفاذ کے وقت اس دفعہ کے ان الفاظ کی وجہ سے خواتین کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ جب تک طلاق کی رجسٹریشن کے لیے ثالثی کونسل کو نوٹس نہیں دیا جائے گا اور اس پر نوے دن نہیں گزر جائیں گے طلاق مؤثر نہیں ہوگی۔ لیکن جلد ہی عدالت عظمیٰ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے ایک مقدمہ 'اللہ داد بنام مختار' میں دفعہ ۷ کو اس حد تک اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دے دیا کہ اگر طلاق کسی بھی دیگر ذریعے سے ثابت ہو جائے تو وہ

مؤثر ہوگی اوراس کے مؤثر ہونے کے لیے ثالثی کونسل کے نام نوٹس ضروری نہیں جس سے خواتین کے ساتھ ایک زیادتی کا دروازہ بند ہوگیا لیکن یہ خرابی حد زنا آرڈیننس کی نہیں بلکہ مسلم فیملی لا آرڈیننس کی تھی۔(۴۵)

۱۰۔ پولیس اور عدالتوں کا نظام

حدزنا آرڈی نینس کی دفعہ ۲۰ کے تحت چونکہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعات کا اطلاق حد زنا آرڈی نینس پر بھی ہوتا ہے اور جو طریق کار دیگر مقدمات میں مقدمے کے اندراج سے لے کر تکمیل تفتیش تک اور مقدمے کی سماعت سے لے کر اس کے فیصلے تک اختیار کیا جاتا ہے وہی اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات کی سماعت کے لیے بھی اختیار کیا جاتا ہے اور اس کے لیے الگ سے کوئی ضابطہ یا طریق کار وضع نہیں کیا گیا۔

مقدمے کے اندراج سے تکمیل تفتیش تک پولیس کو ضابطۂ فوجداری کے تحت بے پناہ اختیارات حاصل ہیں۔ پولیس اُن اختیارات کو نہ صرف غلط استعمال کرتی ہے بلکہ اُس نے اپنے لیے مزید اختیارات بھی وضع کر لیے ہیں۔حدزنا آرڈی نینس کی آڑ میں چادر اور چار دیواری کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے گھروں پر چھاپے مارنا، راہ چلتے لوگوں کو روک کر ان کے نکاح نامے چیک کرنا محض شک کی بنیاد پر لوگوں کو خاص طور پر خواتین کو گرفتار کرنا روز کا معمول ہے جس سے پاکستان کا ہر شہری بخوبی واقف ہے۔اسی طرح ایسے جرائم کے تحت گرفتار ہونے والی خواتین پر پولیس حراست کے دوران جنسی تشدد کی خبریں بھی آئے روز اخبارات میں شائع ہوتی ہیں۔دورانِ تفتیش رشوت ستانی، اقربا پروری، بااثر اور صاحب ثروت افراد کے ایما پر ناانصافی، جسمانی تشدد اور تفتیش کے من پسند نتائج ریکارڈ پر لانا عام سی بات ہے۔

ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۷۳ واضح طور پر تفتیش کے لیے ۱۵ دن کی مدت کا تعین کرتی ہے لیکن پولیس اس دفعہ کی واضح خلاف ورزی کرتے ہوئے مہینوں اور بعض کیسوں میں سالوں تک تفتیش مکمل نہیں کرتی۔کبھی تو سرے سے چالان عدالتوں کو بھیجا ہی نہیں جاتا اور اگر خوش قسمتی سے جلدی بھیج بھی دیا جائے تو وہ نامکمل ہوتا ہے، نیز پولیس کے گواہوں کی عدم دلچسپی، عدالتی سمنوں کو اتنی

اہمیت نہ دینا، شہادت کے لیے وقت پر عدالت میں پیش نہ ہونا ان وجوہ کی بنیاد پر بھی اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر ہو جاتی ہے۔

دفعہ ۱۶ کے تحت درج ہونے والے اکثر مقدمات میں اغوا ہونے والی عورت کو بھی پولیس ملزمہ بنا دیتی ہے حالانکہ دفعہ ۱۶ کے الفاظ پر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس کا اطلاق خواتین پر نہیں ہوتا بلکہ اس مرد پر ہوتا ہے جو بری نیت کے ساتھ کسی عورت کو بہلا پھسلا کر لے جاتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت اپنے متعدد فیصلوں میں اس دفعہ کے الفاظ کی تشریح کے دوران یہ اصول طے کر چکی ہے کہ اس دفعہ کا اطلاق صرف مردوں پر ہوتا ہے اور خواتین پر اس دفعہ کے تحت نہ تو مقدمہ قائم کیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں سزا دی جا سکتی ہے۔ (۴۶) ایک مقدمہ 'افادت بنام سرکار' میں اسی مسئلے پر عدالت عالیہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

> ''دفعہ ۱۶ اور دفعہ ۱۱ کے جرائم عورت ذات کے خلاف سرزد ہوتے ہیں اس لیے کوئی عورت ایک ہی وقت میں مظلومہ اور مجرمہ دونوں کردار کی ایک ہی معاملے میں حامل نہیں ہو سکتی۔ عام جرائم میں صرف خودکشی ایک ایسا واحد جرم ہے جس میں کوئی شخص ایک جرم کا ارتکاب خود اپنی ذات کے خلاف کرتا ہے اور بیک وقت ظالم اور مظلوم ہوتا ہے۔ باقی تمام دوسرے جرائم میں مجرم اور متاثرہ افراد دو الگ الگ فریق ہوتے ہیں جو ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے''۔ (۴۷)

بے شک بعد ازاں مقدمے کی کارروائی کے دوران عدالتیں اس دفعہ کا عورتوں پر اطلاق نہ ہونے کی بنیاد پر انہیں ''باعزت'' بری کر دیتی ہیں لیکن تفتیش و عدالتی طریق کار کی خامیوں کی بنا پر ایسی عورت کو ایک لمبے عرصے تک جیل کی ہوا کھانا پڑتی ہے۔ یا اگر خوش قسمتی سے اس کی ضمانت کا بندوبست ہو جائے تو پیشیاں بھگتنے کے لیے کچہری کے دھکے کھانا پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مقدمے میں گلشن رانی نامی ایک عورت ڈیڑھ سال کے عرصے تک جیل میں رہی اور بعد ازاں اسے اس بنا پر بری کر دیا گیا کہ اس دفعہ کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا۔

لیکن عملی طور پر کیا ہو رہا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل جدول سے لگایا جا سکتا ہے:

۲۰۰۲ء میں راولپنڈی اسلام آباد میں حدزنا آرڈیننس کی دفعہ ۱۶ کے تحت درج مقدمات

شہر	کل مقدمات	دفعہ ۱۶ کے تحت درج مقدمات	شرح فیصد میں
راولپنڈی	۱۷۶	۶۵	۳۷%
اسلام آباد	۴۶	۲۰	۴۳%

اتنی بڑی تعداد میں اس دفعہ کا خواتین کے خلاف غلط استعمال لمحہ فکریہ ہے اور فوری طور پر اس کا سدباب ہونا چاہیے۔ ہمارے ہاں تھانوں میں عام طور پر اسی بات کا چلن ہے لیکن اس میں قصور حدزنا آرڈی نینس کا نہیں بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کا ہے جو اس قانون کا سہارا لے کر خواتین کو بدنامی، قید اور مقدمہ بازی کا عذاب جھیلنے پر مجبور کرتے ہیں۔

ایک مقدمے میں ایک شخص نے حسن جونیجو ولد محرم جونیجو کے خلاف مقدمہ درج کروایا کہ اس نے اس کی بیٹی مسماۃ بے نظیر کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن متعلقہ پولیس افسر نے مقامی زمیندار کے کہنے پر اصل ملزم کو گرفتار کرنے کے بجائے مقامی زمیندار کے ایک مخالف غلام نبی کاٹھیو ولد مہرو کاٹھیو کو نہ صرف گرفتار کیا بلکہ پورا مقدمہ اسی کے خلاف قائم کیا جس کے نتیجے میں انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت نے اسے ۱۰ سال قید با مشقت اور ۲۵۰۰۰ روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ عدالت عالیہ نے اس مقدمے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ پولیس کا رویہ حیران کن اور متعلقہ جج کا رویہ اس سے بھی زیادہ حیران کن ہے۔ ایک سینئر جج جو سیشن جج کے مرتبے پر فائز ہے اور پورے حیدرآباد ڈویژن کی انسداد دہشت گردی کی عدالت کا جج ہے اس سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو اس نے کیا۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فاضل جج جناب عبدالغفور حسین نے چالان کے مندرجات کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی ورنہ اس پر صورت حال واضح ہو جاتی۔ ملزم چونکہ غریب آدمی تھا اور وکیل کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا، لہٰذا اس کے مقدمے کی سماعت بغیر وکیل کے

ہوئی۔ وہ چونکہ غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ آدمی تھا، لہٰذا اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ تھا۔ لہٰذا یہ عدالت کی ذمہ داری تھی کہ ایک ایسے شخص کو انصاف فراہم کرتی جو پولیس اور مقامی زمیندار کے ہاتھوں ظلم کا شکار ہوا تھا۔

پولیس افسر سے جب اس بات کی وضاحت طلب کی گئی کہ اس نے حسن کے بجائے غلام نبی کو کیوں گرفتار کیا تو اس نے کہا کہ حسن اصل میں غلام نبی کا بھائی تھا اور مدعی مقدمہ نے غلطی سے غلام نبی کے بجائے اس کے بھائی حسن کا نام لکھوا دیا۔ لیکن وہ یہ محسوس نہ کر سکا کہ جس فرد کا نام ایف آئی آر میں ہے وہ غلام نبی کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حسن محرم کا بیٹا ہے اور اس کی ذات جونیجو ہے جبکہ غلام نبی مہرو کا بیٹا ہے اور اس کی ذات کاٹھیو ہے۔ مختلف ذات اور مختلف ولدیت کے افراد آپس میں بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟

فیصلہ مکمل کرنے سے پہلے ہم کچھ سوالات اٹھانا چاہیں گے:

(۱) آخر کب تک پولیس اور زمینداروں کے ہاتھوں اس ملک میں غریب اور معصوم ظلم کا شکار ہوتے رہیں گے؟

(۲) آخر کب تک اصل مجرموں کو چھوڑا جاتا رہے گا اور بے گناہ لوگوں کو مقدمات کا سامنا کرنا پڑے گا؟

(۳) آخر کب تک یہ ناانصافیاں جاری رہیں گی اور قانونی طریق کار کو غلط طور پر استعمال کیا جاتا رہے گا؟

(۴) آخر کب تک معصوم شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق کی واضح پامالی ہوتی رہے گی؟

(۵) آخر کب تک اس ملک کے معصوم ان پڑھ اور غریب شہری جو کہ اسی طرح انسان ہیں جس طرح دولت مند نام نہاد طاقت ور اور بڑے شہری ہیں، ان افراد اور حکام کے ہاتھوں ظلم کا شکار ہوتے رہیں گے جن کی ذمہ داری ہے کہ ان کی زندگی آزادی، عزت، جائیداد اور عقائد کی حفاظت کریں۔

عدلیہ، انتظامیہ، پولیس اور تمام متعلقہ لوگوں پر ان سوالوں کا جواب قرض ہے۔ (۴۸)

تاہم یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اس میں اس دفعہ کا کوئی قصور نہیں ہے اور حد زنا آرڈی نینس کو موردِ الزام ٹھہرانا سراسر ناانصافی ہے۔ اس کی اصل ذمہ دار پولیس اور ہمارا گھسا پٹا عدالتی نظام ہے۔

حد زنا آرڈی نینس ہی نہیں بلکہ ہمارا پورا نظام بااثر اور صاحب ثروت افراد کے ہاتھوں میں کھلونا بن کے رہ گیا ہے جسے زیردستوں اور معاشرے کے کمزور طبقات پر ظلم ڈھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ صورت حال صرف حد زنا کے مقدمات ہی میں نہیں بلکہ دیگر قوانین کے تحت بھی یہی کھیل کھیلا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مقدمہ 'نصیر احمد بنام پولیس افسر' میں تھانہ ترنڈا محمد پناہ، ضلع رحیم یار خان کا پولیس افسر' دیگر پولیس والوں کے ہمراہ نماز فجر سے پہلے دیوار پھلانگ کر ایک گھر میں داخل ہوئے اور ریاض احمد نامی شخص کی ستر سالہ والدہ لال بی بی اور اس کے والد غلام حیدر کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان کے دو بیٹوں الٰہی بخش اور ریاض احمد کو انہوں نے کہیں اور سے گرفتار کیا۔ ان کے ایک رشتہ دار نے عدالت عالیہ میں حبس بے جا کی درخواست دی جس پر عدالت کے حکم سے بیلف نے متعلقہ تھانے پر چھاپہ مارا اور ریاض احمد کو پولیس کی غیر قانونی حراست سے برآمد کر لیا۔ باقی تین افراد کے بارے میں بتایا گیا کہ انہیں تھوڑی ہی دیر پہلے رہا کر دیا گیا ہے۔ بیلف نے جب تھانے کا روزنامچہ چیک کیا تو اس میں کہیں بھی ریاض احمد اور دیگر تین افراد کی گرفتاری کا کوئی ذکر نہ تھا۔ جب پولیس افسر سے عدالت نے اس بابت استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ ایس ایس پی صاحب کی ہدایت پر گاڑیوں کی چیکنگ کے دوران ریاض احمد کو موٹر وہیکل آرڈیننس ۱۹۶۵ء کی دفعہ ۱۱۵ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا کیونکہ اس کے پاس ٹریکٹر کے کاغذات نہیں تھے۔ جب عدالت نے اس سے ایس ایس پی صاحب کے حکم کی نقل مانگی تو وہ پیش نہ کر سکا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ موٹر وہیکل آرڈیننس ۱۹۶۵ء کی دفعہ ۱۱۵ کے تحت صرف گاڑی بند ہو سکتی ہے، ڈرائیور کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ کارروائی صرف ٹریفک پولیس یا ہائی وے پولیس کر سکتی ہے۔ جب پولیس افسر سے پوچھا گیا کہ کیا اس کا ٹریفک پولیس یا ہائی وے

پولیس سے کوئی تعلق ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس موقع پر فاضل عدالت نے اپنے تبصرے میں کہا کہ اسلامی قانون اور ضابطہ فوجداری کی رو سے گھر والوں سے اجازت لیے بغیر یا سرچ وارنٹ حاصل کیے بغیر کوئی اجنبی چاہے وہ پولیس والا ہی کیوں نہ ہو، کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت حال میں اگر گھر والے کسی اجنبی یا پولیس والے کو گھر میں بند کر دیں، اس کی پٹائی کریں یا اسے زخمی کر دیں تو یہ ان کا حق ہے اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ (۴۹)

لہٰذا قوانین کو ختم کرنے کے بجائے خرابی کے اصل محرکات کو تلاش کرنا چاہیے اور ان کی بیخ کنی کے لیے موثر اقدامات کیے جانے چاہییں۔ اس حوالے سے قانون نافذ کرنے والے بہت سے ادارے دیگر قوانین کا غلط استعمال کرتے ہیں لیکن اس بنا پر قوانین کو ختم نہیں کیا جاتا۔ اس مسئلے کے حل کے لیے قانون کا غلط استعمال کرنے والوں کی تربیت اور تادیب کا خاطر خواہ انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات کے اندراج سے لے کر تکمیل تفتیش تک کے تمام اختیارات پولیس سے واپس لے لیے جائیں۔ ایسے تمام مقدمات استغاثہ کی صورت میں براہ راست عدالت میں دائر کیے جائیں اور عدالت خود ان مقدمات کی تفتیش کرے اور صرف انتہائی ضرورت کے تحت کوئی بھی معاملہ کسی تفتیشی ایجنسی کو بھیجا جائے، تاہم اس بات کا یقین کرلیا جائے کہ اس ایجنسی کے متعلقہ اہلکار دیانت دار اور امین ہونے کی شہرت رکھتے ہوں، نیز ایسے مقدمات کی تفتیش اور سماعت کے لیے میعاد کا تعین کر دیا جائے۔

حوالہ جات

۱- سید ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۲

2- *Offence of Zina (Enforcement of Hudood)* (Amendment) Ordinance 1980

3- *Offence of Zina (Enforcement of Hudood)* (Amendment) Ordinance 1997

۴- عبدالرزاق بنام سرکار 2003 PCrLJ 1256

5- Criminal Law Amendment Act 2004

۶- حضور بخش بنام وفاق پاکستان PLD 1981 FSC 145

۷- وفاق پاکستان بنام حضور بخش PLD 1983 FSC 255

۸- محمد علی بنام سرکار 2002 PCrLJ 1226

۹- محمد اقبال عرف بالا بنام سرکار 2002 PCrLJ 1169

۱۰- محمد نعیم بنام سرکار 2005 SCMR 248

۱۱- عبیدالرحمٰن بنام سرکار PLD 1984 FSC 128

۱۲- رشیدہ پٹیل بنام فیڈریشن آف پاکستان۔ PLD 89 FSC 95

۱۳- رشیدہ پٹیل بنام فیڈریشن آف پاکستان۔ PLD 89 FSC 95

۱۴- ثناءاللہ بنام سرکار PLD 1991 FSC 186

۱۵- نذیر احمد بنام سرکار PLD 1986 SC 132

۱۶- رشیدہ پٹیل بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 89 FSC 95

۱۷- عبدالقیوم بنام سرکار 1991 PCrLJ 568

۱۸- خالد نذیر، حدزنا آرڈی نینس ۱۹۷۹ء (ایک جائزہ)، ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد، شمارہ فروری ۲۰۰۳ء ص ۴۸

۱۹- ایضاً حوالہ مذکورہ، ص ۵۰

۲۰- ایضاً، حوالہ مذکورہ، ص ۵۱

21- Asifa Qureshi, *An Islamic Critique of the Rape Provisions in Pakistan's Ordinance on Zina*, Islamic Research Institute, Islamabad, p.20

۲۲- علامہ ابن حزم، المحلی بالآثار، ج دوم

23- Asifa Qureshi, *An Islamic Critique of the Rape Provisions in Pakistan's Ordinance on Zina*, Islamic Research Institute, Islamabad, p.24

۲۴- رشیدہ پٹیل بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 89 FSC 95

25- *Report of the Commission of Inquiry for Women (Pakistan)* August 1997, p-74.

۲۶- صحیح مسلم، ترجمہ از علامہ وحید الزماں، باب حد الزنا، خالد احسان پبلشرز لاہور، ۱۹۸۱ء، ج چہارم، ص ۴۳

۲۷- ابراہیم نخعی، تفسیر ابن جریر، ج ۶، ص ۱۴۲

۲۸- ایضاً، ص ۱۵۵

۲۹- ایضاً

۳۰- علامہ وحید الزماں، سنن ابو داؤد، کتاب الحدود، ج ۳، ص ۳۹۰ حدیث ۱۰۳۹

۳۱- المطالب العالیۃ، ص ۳۴۳، حدیث ۳۵۹۸

۳۲- مسند احمد، ج ۳، ص ۳۸۷

۳۳- امام ابوبکر جصاص، احکام القرآن، ج ۳، ص ۳۱۸

۳۴- عدالتی فیصلے از جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، ج ا، ص ۵۶

35- *Report of the commission of Inquiry for Women (Pakistan)* August 1997, p-74

36- PLD 1981 FSC 297

۳۷- اختر پروین بنام سرکار PLD 1997 Lahore 390

۳۸- مساۃ سکھاں بنام سرکار 1985 PCrLJ 110

۳۹- عاشق حسین بنام سرکار 1984 PCrLJ 930

۴۰- افادت بنام سرکار PLD 1982 FSC 52

۴۱- حافظ عبدالوحید بنام عاصمہ جہانگیر PLD 1997 Lah.301

42- PLD 1982 FSC 157

43- PLD 1982 FSC 265

۴۴- اللہ رکھا بنام وفاق پاکستان PLD 2000 FSCI

۴۵- اللہ داد بنام مختار 1992 SCMR 1273

۴۶- نور محمد بنام سرکار 1991 PCr. LJ. 2140؛ مساۃ فوزیہ بنام سرکار 1995 PCr. LJ. 453,

۴۷- افادت بنام سرکار PLD 1982 FSC 52

۴۸- غلام نبی کاٹھیو بنام سرکار

۴۹- نصیر احمد بنام ایس ایچ او 1998 PCrLJ 196

قانون حد زنا اور اس کے نفاذ میں عملی مشکلات

محمد مطیع الرحمٰن*

تعارف

معاشرے کی اصلاح اور دفع مفاسد کی غرض سے قانون تقاضا کرتا ہے کہ جرائم کے ارتکاب پر سزائیں دی جائیں اور ان کو نافذ کیا جائے، کیونکہ مجرم اپنے جرم کے ارتکاب سے انسانی معاشرے کے افراد کے حق میں اذیت پہنچانے کا سبب بنتا ہے چنانچہ ایک قاتل، زانی، ڈاکو چور اپنے جرم کے ذریعے پورے معاشرے کو بالواسطہ اذیت میں مبتلا کرنے کا سبب ہو جاتا ہے۔ اب اگر مجرم کو بغیر مناسب سزا کے آزاد چھوڑ دیا جائے تو پھر ان جرائم کا سلسلہ پھیلتا جاتا ہے۔ اور اس طرح آزادانہ اور بلا خوف و خطر ڈاکہ زنی، چوری اور فساد کا بازار گرم ہو جائے گا۔ اس لیے مجرم کو سزا دینا مصلحت ہے اور اس بنا پر واجب بھی ٹھہرتا ہے، اور سزا نہ دینا اذیت اور ظلم ہے۔ شریعت اسلامی نے سزا اور جرم میں مطابقت کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سزا کے نفاذ میں جرم کا حجم مدنظر رکھا ہے۔ اس لیے قصاص (بدلہ) کو سزاؤں کی بنیاد ٹھہرایا گیا ہے۔ کسی جرم کے حجم کا اندازہ کرنے کے لیے حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

۱۔ مجرم کی اذیت کی نوعیت جو اس نے دوسرے فرد، اس کے خاندان یا معاشرے کو پہنچائی۔

۲۔ اس خوف اور گھبراہٹ کا اندازہ جو اس کے جرم سے پیدا ہوا ہو۔

۳۔ اس امر کا اندازہ کہ اس جرم سے اسلامی غیرت و حمیت کی ہتک کس حد تک ہوئی۔

---

* مشیر وفاقی شرعی عدالت

۴- سزا کی مقدار جو اس جرم سے باز رکھنے اور اس کے برے اثرات سے دیگر افراد معاشرہ کو محفوظ کرنے کا ذریعہ بن سکے اور ظالموں کو ظلم پر جرات وجسارت نہ ہو۔

مجرم کو سزا دینا معاشرے کا حق ہے اور معاشرے کے لیے رحمت بھی ہے۔ آسمانی شریعتیں اس رحمت کی صورت میں وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہیں۔ چونکہ دنیا کے ماہرین قانون وسماجیات اپنے انفرادی میلانات، علاقائی تعصبات، دنیاوی علائق اور باہمی بغض وحسد کے سبب اس رحمت کو عام کرنے میں ہمیشہ ناکام رہے ہیں، اس لیے منصفانہ اور عادلانہ قوانین معاشرے میں رائج نہیں ہو پاتے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام وشرائع کا مقصد عدل کو قائم کرنا، روئے زمین سے فساد کو دفع کرنا اور فحش ومنکرات سے باز رکھنا ہے۔ بعض ماہرین قانون کا کہنا ہے العدل فوق القانون یعنی عدل قانون سے بالا ہے، قانون عدل کے قیام وحصول کی غرض سے وجود میں آتا ہے، اس لیے قانون عدل کا خادم ہے نہ کہ عدل قانون کا۔ حاکم پر فرض ہوتا ہے کہ وہ مقدمات پر فیصلہ دیتے وقت نصوص قانون میں عدل کے پیش نظر بصیرت سے کام لے لیکن اگر قانون عدل کے خلاف ہو جاتا ہے تو عدل کے تقاضوں کے پیش نظر ظلم وناانصافی کو دور کیا جائے گا۔ اسلام میں جو سزائیں مقرر ہیں ان کا مقصد عدل وانصاف کا قیام اور انسانی فضیلت واخلاق کی محافظت کرنا ہے۔

وضعی قوانین عموماً خالص انسانی فضیلت اور حقیقی عدل وانصاف کے حصول پر مبنی نہیں ہوتے۔ ان کی بنیاد لوگوں کے عرف وعادت یا ان کے درمیان پھیل جانے والے امور پر ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ حکومتیں خود اپنی حفاظت اور من مانی کرنے کے لیے قانون وضع کرتی ہیں، خواہ اس سے معاشرے کی اصلاح عادلانہ بنیاد پر ممکن ہو یا نہ ہو۔ اور پھر آئے دن ان قوانین میں اپنی حسب منشا ترمیمیں کرتی رہتی ہیں۔ جن سے انسانی فضیلت کے معیار اور قیام کا کوئی براہ راست تصور وابستہ نہیں ہوتا۔ حاکم اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں، یا نفاذ سزا میں معاشرے کو طبقات میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ شریعت اسلامی میں سزا کے نفاذ سے دو بنیادی اغراض وابستہ ہیں: انسانیت کی فضیلت کا قیام اور معاشرے سے رذائل کا خاتمہ اور منفعت ومصلحت عامہ۔

اسلامی نقطہ نظر سے شرعی سزاؤں میں انسانوں کی حقیقی مصلحت ہے اور یہ حقیقی مصلحت کبھی

بذاتہ ہوتی ہے۔(۱) اور کبھی یہ مصلحت بذاتہ نہیں، اضافی ہوتی ہے۔(۲) لہٰذا اسلام مصلحت حقیقی کی خواہ وہ بذاتہ ہو یا اضافی، نگہداشت کرتا ہے اور اس کے حصول کی خاطر ارتکاب جرم پر سزا مرتب کرتا ہے۔(۳) اور اسی بنا پر شریعت کی نگاہ میں مصالح کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی یا مطلق اور دوسری اضافی۔

شریعت اسلامی جن جرائم پر حدود جاری کرنے کا حکم دیتی ہے، وہ ان مصالح مطلقہ کے حصول کے لیے ہوتی ہیں جو ہر زمانے اور ہر ملک کے لیے ہیں۔ اس لیے شریعت میں ان جرائم کی سزاؤں کا تعین کر دیا گیا ہے جن کو شریعت کی اصطلاح میں حدود کہا جاتا ہے۔ حد کا معنی منع کرنا، روک دینا ہے۔ مجرم کی سزا کو حد اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مجرم کو جرم سے باز رکھنے کا سبب ہوتی ہے۔ شریعت اسلامی میں ''حد'' اس مقررہ سزا کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حق ہو اور یہ معاف نہیں ہوسکتا۔ اس لیے قصاص اور تعزیر کو حد نہیں کہا جاتا۔ حد کی تعریف میں دو امور کا پایا جانا ضروری ہے: یہ کہ وہ اللہ کا حق ہو اور یہ کہ وہ اللہ یا اس کے رسول کی جانب سے ثابت، مقرر اور متعین ہو۔

قوانین جرم وسزا کی جدید اصطلاحی زبان میں جو جرائم معاشرے سے بحیثیت مجموعی متعلق ہوں، ان کی سزا کو حد کہا جاسکتا ہے، البتہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ان کا اطلاق صرف ان جرائم کی سزاؤں تک محدود رہے گا جو قرآن پاک یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا اختلاف ثابت اور متعین ہوں۔

اور جو مصلحتیں اضافی ہیں جو زمانوں اور انسانوں کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں، ان کے حصول کے لیے تعزیر کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس کی تفتیش اور مقدار کا فیصلہ جرم کی نوعیت کے پیش نظر حاکم یا قاضی کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

اسلام سزا کے سلسلے میں جس منفعت انسانی کو پیش نظر رکھتا ہے وہ مادی اور معنوی دونوں قسم کی منفعتیں ہیں۔ ان کی بنیاد ذاتی خواہش، میلان طبع یا نفرت و بے زاری کی بنیاد پر نہیں، بلکہ عام انسانی ضرورت ومنفعت اور عدل وانصاف دونوں پر مبنی ہے۔

حد زنا کا تاریخی پس منظر

زنا ایک ایسا جرم ہے جس کی حرمت ہر آسمانی شریعت میں ثابت ہے۔ ابتدائی ایام میں زانی

عورتوں کو جرم ثابت ہونے پر ان کے گھروں میں اس وقت تک قید کر دیا جاتا تھا جب تک کہ وہ مر نہ جاتیں اور مردوں کو جسمانی اذیت دی جاتی تھی اور اس کی بنیاد سورہ نساء کی یہ آیت کریمہ تھی:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ. فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْیَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۔(۴)

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورت بدکاری کی مرتکب ہو، تو تم ان عورتوں کے خلاف اپنے میں سے چار مردوں کی گواہی لاؤ، پھر اگر وہ چاروں گواہی دے دیں تو تم ان بدکار عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک قید رکھو کہ ان کو موت اٹھائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر کر دے۔

لیکن اس بات پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ مذکورہ بالا آیت سورہ نور کی آیت:

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ(۵)

ترجمہ: زنا کار عورت اور زنا کار مرد، ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو سو کوڑے مارو۔

منسوخ ہوگئی۔(۶)

اس کے بعد یہ متعین ہو گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کو ارتکاب زنا کے بعد سو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ لوگ اس کا ارتکاب کریں تو انہیں رجم (سنگ سار) کر دیا جائے۔ رجم کی سزا پر بھی سوائے خارجیوں کے پوری امت کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ سزا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل دونوں سے ثابت ہے۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لوگوں کی سزاؤں میں فرق کرنے کی وجہ لوگوں کے اخلاق کو رذائل سے محفوظ رکھنے کی انتہائی کوشش ہے۔ اسی وجہ سے شریعت میں اس بات پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ جب لڑکے اور لڑکیاں شادی کے قابل ہو جائیں تو انہیں آزمائش میں نہ ڈالا جائے، بلکہ جلد از جلد رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے بروقت نکاح نہ ہو سکے اور شہوانی جذبات کے غلبے کی وجہ سے زنا کا ارتکاب ہو جائے تو شادی شدہ کے مقابلے میں یہ غیر شادی شدہ شخص کم درجے کا مجرم ہے، برخلاف اس کے اگر یہ گناہ کسی ایسے

شخص سے سرزد ہو جسے جائز ذرائع سے اپنی جنسی جذبات کی تسکین کے مواقع حاصل ہوں، نیز اسے یہ بھی اجازت ہے کہ اگر ایک عورت سے اسے اطمینان نہ ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے وہ چار شادیاں کرسکتا ہے۔ زنا کا ارتکاب اس کی فطرت کی کجی اور عقل کے زوال پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مسلم معاشرے میں زندگی گزارے اور معاشرے کے دوسرے افراد میں اخلاقی بے راہ روی کا جرثومہ پھیلا کر ماحول کو خراب کرے، لہٰذا شریعت نے اس کے لیے رجم کی سزا مقرر کردی۔

دستور پاکستان کے متعدد آرٹیکل میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ یہاں کا بالاتر قانون قرآن و سنت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن وسنت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسلامی سزاؤں کا نفاذ کیا جائے۔ ۱۹۷۹ء میں صدر پاکستان نے حدود کے نفاذ کی ابتدا کی اور حد زنا آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء جاری کیا۔

جرم زنا کو حرام قرار دینے والی نصوص

زنا حرام قرار دینے والی نصوص کا ذکر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نفاذ سزا کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی قواعد کا تذکرہ کیا جائے۔ ان قواعد کے تحت ''نص'' کے بغیر ذی عقل انسانوں کے فعل پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا۔ (۷) اور ''اشیا اور افعال میں اصل جواز ہوتا ہے'' (۸) یعنی ہر فعل اور ہر ترک فعل بنیادی طور پر مباح اور جائز ہے اور جب تک اس کی تحریم پر کوئی نص وارد نہ ہو، اس کے کرنے اور نہ کرنے والے سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔ ان دونوں قواعد سے ایک ہی مفہوم نکلتا ہے اور وہ یہ کہ کسی فعل یا ترک فعل کو اس وقت تک جرم سمجھنا ممکن نہیں، جب تک فعل یا ترک فعل پر کوئی نص صریح موجود نہ ہو۔ اور اگر کوئی نص فعل یا ترک فعل کی ضرورت پر وارد نہیں ہے تو فاعل یا تارک فعل پر کوئی جواب دہی نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ان افعال کی صرف حرمت سے یہ جرم نہیں سمجھے جاتے، بلکہ سزا مقرر ہونے پر جرم بنتے ہیں، خواہ سزا حد ہو یا تعزیر۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شریعت اسلامیہ میں کوئی فعل اس وقت تک جرم نہیں ہے

جب تک اس فعل کی تحریم اور اس کی سزا پر نص موجود نہ ہو۔ زیر بحث دونوں قواعد کے علاوہ ایک تیسرا بنیادی قاعدہ بھی ہے جس کے تحت قانونی طور پر مکلّف وہی ہوتا ہے جو مکلّف ہونے کی وجہ سمجھ سکتا ہو، اور جس بات کا اسے مکلّف بنایا جا رہا ہو وہ اس کا مکلّف بننے کا اہل بھی ہو۔ اور شرعاً کوئی شخص اسی فعل کا مکلّف قرار دیا جا سکتا ہے جو ممکن ہو، مکلّف کی قدرت میں ہو، اور مکلّف کو اس کا اس قدر علم حاصل ہو جو اسے اس حکم کی انجام دہی پر آمادہ کر سکے۔ (۹)

اللہ تعالیٰ نے زنا کی سزا سو کوڑے مقرر فرمائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (۱۰)

ترجمہ: زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو سو کوڑے مارو۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک محض سو سو کوڑے مارنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ کنوارے زانی مرد کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دینا بھی ضروری ہے۔ البتہ امام مالک فرماتے ہیں کہ عورت کو جلاوطن نہ کیا جائے۔ (۱۱) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جلاوطنی واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر حاکم یہ محسوس کرے کہ مجرم کی جلاوطنی معاشرے کی فلاح اور خود مجرم میں احساس ندامت پیدا کرنے میں مفید ثابت ہوگی تو وہ جلاوطن کر سکتا ہے۔ ان کے قول کے مطابق غیر شادی شدہ کے لیے اصل میں شرعی حد تو سو کوڑے ہی ہیں، جلاوطنی کی حیثیت تعزیری ہوگی۔ (۱۲) شیعہ زیدیہ کا بھی وہی مسلک ہے جو امام ابوحنیفہ کا ہے۔

کوڑے مارنے کا اصول

شریعت کا حکم ہے کہ کوڑے لگانے میں مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھا جائے:-

۱- پہلی بات تو یہ ہے کہ کوڑا اوسط درجے کا ہو، نہ تو بالکل پرانا اور دوراز کار ہو کہ ضرب کا مقصد ہی پورا نہ ہو سکے اور نہ اتنا سخت ہو کہ مجرم ہلاک ہو جائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے۔

۲- کوڑے میں گانٹھیں نہ ہوں اور نہ اس کے کسی حصے میں کوئی دھات لگی ہوئی ہو، کیونکہ اس طرح ہڈی ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (۱۳)

۳- مجرم کے کپڑے سوائے لنگی یا پاجامے کے اتار دینے چاہییں، عورتوں کا کوئی کپڑا نہیں اتارا جاتا۔

۴- سر، چہرہ اور شرم گاہ کو چھوڑ کر سارے جسم پر کوڑے لگائیں جائیں۔(۱۴)

۵- مردوں کو کھڑا کر کے اور عورتوں کو بٹھا کر کوڑے مارے جائیں۔حضرت علیؓ نے کوڑے مارتے وقت ان اصولوں کو پیش نظر رکھا۔(۱۵)

۶- مجرم اگر مریض ہو تو صحت یاب ہونے کا انتظار کیا جائے۔صحت یاب ہونے کے بعد اس پر حد جاری کی جائے۔اور اگر مجرم اتنا کمزور ہو کہ اس میں ایک سو کوڑوں کی مار برداشت کر لینے کی صلاحیت نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ سو کوڑے مارتے مارتے وہ ہلاک ہو جائے گا تو اسے ہلکی ضرب لگائی جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا۔ایک شخص پر زنا کا جرم ثابت ہو گیا لیکن وہ بہت کمزور و لاغر تھا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی شاخ لے لی جائے جس میں سو شاخیں ہوں اور اسی سے ایک ہی مرتبہ اسے سزا دی جائے۔(۱۶)

۷- حالت حمل میں کوڑے نہیں مارے جا سکتے ہیں۔ولادت کے بعد جب عورت نفاس سے فارغ ہو جائے تو اس وقت حد جاری کی جائے گی۔(۱۷)

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ(۱۸)

ترجمہ: زنا کار عورت اور زنا کار مرد (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔

اب زانی کو کوڑوں کی سزا اور کوڑوں کی تعداد میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں اور ان تمام سزاؤں میں بھی اجتہاد نہیں ہو سکتا جو مقرر کر دی گئی ہیں۔اسی طرح قرآن کریم کی دیگر مفسر اور محکم آیات یا متواتر اور مفسر سنتیں۔

عدالت کو چاہیے کہ وہ نصوص سمجھنے میں ان قواعد سے مدد لے کر ان نصوص کی مراد اور مقصد کا پتا چلائے اور یہ معلوم کرے کہ کون کون سی جزئیات ان نصوص کے تحت داخل ہیں۔ان قواعد سے

عدالت کو یہ علم بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ کون سی نصوص ہیں جن کی تطبیق لازمی ہے اور خود عدالت کو نص کی تعبیر اور اسے بروئے کار لانے یا کالعدم قرار دینے کے کس قدر اختیارات حاصل ہیں۔ ایک طرف دیوانی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان قواعد کو وسعت کے ساتھ منطبق کرے اور نص کی تعبیر و تطبیق میں قیاس، عرف اور تقاضا ہائے انصاف سے مدد لے، تو دوسری طرف فوج داری عدالت پابند ہے کہ وہ نص کی تعبیر و تطبیق کے سلسلے میں صرف اس صورت حال پر اعتماد کرے جو اس کے سامنے آئی ہے۔ فوج داری عدالت قیاس، عرف یا استحسان سے کسی حد کی تخلیق نہیں کر سکتی، اگر چہ جو صورت حال اس کے سامنے پیش کی گئی ہو وہ اخلاق فاضلہ کے سراسر منافی کیوں نہ ہو۔ غرض کیسے ہی حالات و اعتبارات کیوں نہ ہوں، فوج داری عدالت کو نص صریح کی خلاف ورزی کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

خلفائے راشدین کا منہج

خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ شبہات کی بنا پر حد جاری نہ کرنے میں بڑی وسعت سے کام لیتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ لوگوں کا عمومی رجحان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کی طرف تھا۔ لوگ گناہ کی آلودگیوں میں ملوث ہونے سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں لوگوں میں منافقت بہت زیادہ تھی۔ لوگ دنیاوی لذائد کے حصول میں ٹوٹے پڑ رہے تھے اور نت نئے رنگ اختیار کر رہے تھے۔ اگر دینی احکام ان کے راستے میں حائل ہوتے تو وہ ان کو نظر انداز کر دیتے اور حلال کو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ بنا لیتے تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت علیؓ کے لیے ضروری تھا کہ جرائم کی بیخ کنی اور معاشرتی امن و سکون کے حصول کے لیے مقاصد اسلام کو عملی جامہ پہنانے اور لوگوں کو سیدھی راہ پر چلانے کی خاطر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسے جدید ذرائع اختیار کریں جو ان جرائم کے مرتکب افراد کے لیے سد راہ بن سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے شبہ کی بنا پر حد جاری نہ کرنے

کے دائرے کو انتہائی محدود کر دیا تھا، کیونکہ ان میں بہت بگاڑ پیدا ہوا تھا اور حرام کے متعلق ان کے رویے میں نرمی عام ہو چکی تھی۔

آپ نے اس شخص پر حد زنا جاری کی تھی جو خمس میں آئی ہوئی ایک لونڈی کے ساتھ شہوت رانی کا مرتکب ہوا تھا، (۱۹) حالانکہ مال غنیمت میں آنے کی وجہ سے اس پر اس شخص کا حق بنتا تھا۔ اس طرح آپؓ نے بیوی کی لونڈی کے ساتھ ہم بستری کو زنا قرار دیا۔

حد زنا آرڈیننس پر اعتراضات

حدود آرڈیننس اگرچہ عورتوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرتا ہے لیکن پھر بھی معدودے چند افراد بوجوہ اسے ہدف تنقید بناتے ہیں۔ حکومت پاکستان نے عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر جولائی ۲۰۰۰ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعے جسٹس (ریٹائرڈ) ماجدہ رضوی کی سربراہی میں ایک کمیشن پاکستان نیشنل کمیشن برائے حیثیت نسواں قائم کیا۔ کمیشن نے خواتین سے امتیازی سلوک اور ناانصافی ختم کرنے کے لیے متعدد کمیٹیاں تشکیل دیں۔ ان میں سے ایک نو رکنی کمیٹی حدود قوانین کا جائزہ لینے کے لیے قائم کی گئی۔ کمیٹی کے ارکان نے اپنی آرا اس طرح ظاہر کیں۔ (۲۰)

جسٹس (ریٹائرڈ) شائق عثمانی کا کہنا تھا کہ حدود قوانین میں بہت زیادہ سقم ہونے کی وجہ سے بے شمار ناانصافیاں خصوصاً خواتین کے ساتھ وجود میں آتی ہیں۔ ان قوانین میں جو کمی ہے وہ ترمیم سے دور نہیں ہو سکتی اور اس سے ناانصافی مزید بڑھنے کا اندیشہ ہے۔

حنا جیلانی، ڈاکٹر فاروق خان، ناہیدہ محبوب الٰہی، سید افضال حیدر، مس شہلا ضیا، مس چار ماکیں ہدایت اللہ، نعیم شاکر (اقلیتی رکن) جسٹس (ریٹائرڈ) ناصر اسلم زاہد، مس راحیلہ درانی نے حدود آرڈیننسوں کو منسوخ کرنے کی سفارش کی۔

ڈاکٹر فریدہ احمد نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ حدود قوانین کی بنیاد قرآن اور سنت پر نہیں رکھی گئی ہے۔ انہوں نے رائے دی کہ یقیناً ان حدود قوانین کی بنیاد قرآن اور سنت ہے، البتہ مذکورہ آرڈیننسوں میں قانونی سقم موجود ہے جن کی اصلاح بذریعہ ترمیم ممکن

ہے، پوری تنسیخ صحیح نہیں ہے۔

ڈاکٹر شیر محمد زمان کے خیال میں حدود آرڈیننسوں میں خامیاں موجود ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مذکورہ آرڈیننسوں کو یک سر منسوخ کیا جائے۔ یہ آرڈیننس ضرور باقی رہنا چاہیے، البتہ اس پر نظر ثانی اور ترمیم کی جاسکتی ہے۔

کمیٹی کے متعدد سیشن ہوئے جس میں حد زنا آرڈیننس کا دفعہ وار تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ ہر دفعہ کے متعلق درج ذیل حتمی آرا قائم کی گئیں:

دفعہ ۱(۲) یہ آرڈیننس پورے پاکستان پر لاگو ہوگا جبکہ یہاں اقلیتیں بھی ہیں، اس لیے یہ اقلیتوں پر نافذ نہیں ہونا چاہیے۔

۲(الف) بالغ کی تعریف۔ مرد کی عمر ۱۸ سال، عورتوں کی عمر بھی ۱۸ سال ہونا چاہیے۔ یہاں عمر یعنی بلوغ کو اہمیت نہیں دینا چاہیے بلکہ فوج داری مسئولیت پر زور دینا چاہیے کہ کیا وہ شخص ذمہ داری اٹھانے کا اہل ہوسکتا ہے یا نہیں۔

۲(ب) حد کی تعریف میں صرف قرآن کا ذکر ہونا چاہیے۔

۲(ج) لفظ Valid marriage لفظ Void سے بہتر ہے کہ یہ دفعہ دوبارہ لکھی جائے۔

۲(د) محصن کی تعریف دوبارہ ہونا چاہیے۔

۲(ہ) چونکہ یہ قانون حد سے متعلق ہے اس لیے یہاں تعزیر کو ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

دفعہ ۳۔ یہ دفعہ اقلیتوں کے حقوق کو Violate کرتا ہے کیونکہ یہ اقلیتوں سے متعلق قوانین کو Override کرتا ہے۔ یہ دفعہ آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ سے بھی متصادم ہے، لہٰذا یہ دفعہ منسوخ ہونا چاہیے۔

دفعہ ۴۔ Wilfully کو Consensually سے بدلنا چاہیے، کیونکہ ہم ایسی قبائلی روایات سے جکڑے ہوئے ہیں جہاں عورتوں سے بزور جرم کروائے جاتے ہیں جبکہ اس میں ان کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دفعہ دوبارہ تیار ہونا چاہیے۔

دفعہ ۵(۱) یہ سیکشن اس طرح دوبارہ لکھا جانا چاہیے کہ لفظ Women سے پہلے لفظ Adult

کا اضافہ کیا جائے۔

دفعہ ۵ (۲) رجم - اس پر اتفاق ہوا کہ جب تک حد کے سارے لوازم پورے نہ ہوں، حد کی سزا نہیں دی جائے گی، سزائے رجم کو حد کے اندر لانے پر اتفاق نہیں ہوا۔

دفعہ ۶ - زنا بالجبر حد کا کیس نہیں ہے بلکہ یہ تعزیری ہے جبکہ تعزیر کبھی حد سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ اکثریت کی رائے یہ ہے کہ یہ تعزیر کے اندر ہونا چاہیے۔

دفعہ ۶ (۲) زنا بالجبر تعزیر کے اندر آنا چاہیے۔

دفعہ ۸ - (۱) اقرار چار مرتبہ مختلف مواقع پر ہونا چاہیے۔ (۲) تزکیۃ الشہود کے حامل کون ہو سکتے ہیں؟ عورتوں کی گواہی بھی قبول ہونا چاہیے، اکثریت کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی قبول ہونا چاہیے، تاہم بعض ممبروں کی رائے میں علما سے رائے لینے کے بعد اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

دفعہ ۹ - ایک آدمی نے جب ایک مرتبہ اقرار کیا اسے جیل جانا چاہیے، اسے اپنے اقرار سے پھرنا نہیں چاہیے۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ مجرم اقرار سے رجوع کر سکتا ہے خواہ نفاذ کے وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح اگر گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے تو اسے قذف کی سزا ہونا چاہیے۔

دفعہ ۱۰ - دفعہ منسوخ ہونا چاہیے۔ کیونکہ زنا بالجبر حد میں نہیں بلکہ تعزیر میں آتا ہے۔ اکثریت کے ہاں زنا بالجبر تعزیر میں آنا چاہیے اور اس آرڈیننس کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔

دفعات ۱۱ تا ۱۶ یہ دفعات منسوخ ہونا چاہییں۔ یہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے بھی ہے۔

دفعہ ۱۷ - کسی کو سنگ ساری کی سزا سنائی گئی تو Shooting to death کے الفاظ خلاف سنت ہیں کیونکہ حدیث کے مطابق رجم کرتے وقت لوگوں کو اس کے اردگرد جمع نہیں ہونا چاہیے، اسے بھاگنے کا موقع دینا چاہیے۔ یہ دفعہ سنت کے مطابق نہیں ہے۔ مزید یہ کہ رجم کی سزا سورہ مائدہ کے تحت آنا چاہیے۔

دفعہ ۱۸ - یہ دفعہ حد کے اندر نہیں بلکہ تعزیر کے زمرے میں آتا ہے۔

دفعہ ۱۹ - ضابطے سے متعلق ہے۔

دفعہ ۲۰- اقبال جرم کے بارے میں ضابطہ فوجداری اور قرآن وسنت کے درمیان مطابقت نہیں (ضابطہ) ہے۔

دفعہ ۲۱- غیر مسلم اس عدالت کی سربراہی نہیں کرسکتا۔ کمیشن کی رائے میں یہ دفعہ منسوخ ہونا چاہیے۔

دفعہ ۲۲- اس دفعہ کو رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

کمیٹی کی حتمی سفارشات کی روشنی میں چیئر پرسن جسٹس (ریٹائرڈ) ماجدہ رضوی نے کمیشن کی طرف سے اعلان کیا کہ حدود قوانین صحیح طریقے سے ڈرافٹ نہیں ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ صحیح طور پر اسلامی فوج داری قانون کی عکاسی نہیں کرتے اور یہ کہ یہ اسلامی احکام کے مطابق نہیں ہیں۔ اس سے عمومی طور پر صرف خواتین متاثر ہوتی ہیں اس لیے یہ منسوخ ہونا چاہییں۔ ان کی جگہ اصلی قانون (تعزیرات پاکستان) بحال ہونا چاہیے۔

کمیٹی کی حتمی سفارش کے مطابق حدود آرڈیننس منسوخ ہونا چاہیے، البتہ اقلیتی رائے کا احترام کرتے ہوئے یہ تجویز دی گئی کہ مذکور قوانین کی منسوخی کے بعد نیا بل پہلے مشتہر کیا جائے تاکہ معاشرے کے مختلف طبقات کی رائے حاصل کی جائے، اور اس کے بعد اسے پارلیمنٹ کے سامنے غور وخوض کے لیے رکھا جائے۔

کمیشن نے جو سفارشات مرتب کی ہیں ان میں بعض امور ایسے ہیں جن کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت یا شریعت مرافعہ بنچ قرآن وسنت کی روشنی میں جامع فیصلے دے چکی ہیں، مثلاً رجم حد ہے یا تعزیر، زنا بالجبر، حدود میں عورتوں کی گواہی، اقبال جرم کی وضاحت، زنا بالجبر کی صورت میں مجبور کردی جانے والی عورت پر کسی قسم کی سزا کا لاگو نہ ہونا، اسی طرح حد، بالغ اور محصن کی تعریفات وغیرہ بار ہا زیر بحث آچکی ہیں اور عدالت اس پر مدلل بحث کرکے بعض حکم صادر کرچکی ہے۔ ان موضوعات پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ حدود کی سزائیں منسوخ کی جائیں اور نفاذ حدود سے قبل کا قانون یعنی تعزیرات پاکستان کی متعلقہ دفعات نافذ کی جائیں تو یہ نہ صرف قرآن وسنت کے خلاف ہے بلکہ دستور پاکستان کی متعدد

دفعات سے بھی متصادم ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے حدزنا آرڈیننس کی بعض دفعات کا جائزہ

۱۹۸۱ء میں حدزنا آرڈیننس کی دفعہ۵ متعلق بہ رجم خلاف اسلام ہونے کی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت کے سامنے دستور پاکستان کے آرٹیکل ۲۰۳ (ڈی) کے تحت ایک درخواست (حضور بخش بنام حکومت پاکستان) دائر کی گئی جس میں عدالت سے استدعا کی گئی کہ متذکرہ بالا دفعہ کو غیر اسلامی قرار دیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت کے پانچ ججوں پر مشتمل فل کورٹ نے اس درخواست کی سماعت فرمائی اور کثرت رائے سے (جسٹس صلاح الدین، جسٹس آغا حیدر علی اور جسٹس ذکاء اللہ لودھی) درخواست دہندہ کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے یہ قرار دیا کہ مذکورہ بالا دفعہ کا رجم سے متعلق حصہ غیر اسلامی ہے اور اسے حدزنا آرڈیننس سے حذف کیا جائے، فاضل رکن عدالت جناب جسٹس شیخ آفتاب حسین نے یہ قرار دیا کہ رجم حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، اس لیے آرڈیننس کی مذکورہ دفعہ قابل ترمیم ہے۔ اور ایک فاضل جج جسٹس کریم اللہ درانی (مرحوم) نے اسے حد ہی قرار دیا اور درخواست خارج کرنے کا حکم دیا۔ (۲۱)

نظر ثانی کی درخواست اور فیصلہ

حد رجم کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا دوسرا فیصلہ ستمبر ۱۹۸۳ء میں بصیغہ نظر ثانی (Review) وفاقی حکومت پاکستان بنام حضور بخش صادر ہوا۔ اس فیصلے میں جسٹس آفتاب حسین کے سوا دیگر جج صاحبان نے (بشمول ہر سہ علمائے کرام جن کا تقرر رجم کے مسئلے میں عدالت کے پہلے فیصلے کے بعد عمل میں آیا تھا) حد رجم کے سابقہ فیصلے کو رد کرتے ہوئے رجم کو حد ہی قرار دیا۔ (۲۲)

عورتوں کی گواہی اور زنا بالجبر سے متعلق وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

وفاقی شرعی عدالت نے رشیدہ پٹیل کیس میں حدود کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی کی حیثیت زنا بالجبر کی شرعی حیثیت اور گواہوں کا نصاب، زنا میں تعزیری سزا اور حد زنا میں چار مرد

گواہوں کی شرط کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔عدالت نے زنا بالجبر کو حرابہ پر قیاس کرتے ہوئے حکم صادر کیا ہے کہ زنا بالجبر فساد فی الارض کے زمرے میں آتا ہے اور جس طرح حرابہ میں دو گواہوں کی گواہی کافی ہے، اس طرح زنا بالجبر میں بھی دو مرد گواہوں کی گواہی پر سزائے موت دی جاسکتی ہے۔اس فیصلے میں عدالت نے یہ بھی حکم صادر کیا ہے کہ حد زنا میں صرف چار مرد گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر حد کی سزا دی جاسکتی ہے۔اگر چار مرد گواہ نہ ہوں تو عورتوں کی شہادت بھی لی جاسکتی ہے اور اس پر تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔(۴۳)

ا۔ فوج داری مقدمات

اس آرڈیننس کے تحت عدالتوں میں مقدمات دائر ہونے لگے، لیکن بدقسمتی سے فوج داری قانون پر عدالتی افسران کی تعلیم و تربیت کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا گیا، جبکہ اس نظام کو صحیح طریقے سے چلانے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ عدالتی نظام کی بھی اصلاح ہوتی اور جن عدالتوں میں اس قانون کے تحت مقدمات چلانے تھے ان جج صاحبان کے لیے باقاعدہ شریعت کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام ہونا چاہیے تھا، لیکن بدقسمتی سے اس طرح نہ ہوسکا۔اس لیے مقدمات کا فیصلے دیتے وقت اکثر و بیشتر مذکورہ عدالتیں غلطی کا شکار ہوگئیں۔اور ان سے ایسے فیصلہ سرزد ہوگئے جو اسلامی سزاؤں کی بدنامی کا باعث ٹھہرے، یہاں تک کہ پوری دنیا میں ان فیصلوں کو اچھالا گیا۔اگرچہ عدالت اپیل (وفاقی شرعی عدالت) نے قرآن وسنت اور شریعت اسلامی کی روح کے مطابق ان غلطیوں کی اصلاح کر دی اور وقتاً فوقتاً ماتحت عدالتوں کو ہدایات بھی جاری کرتی رہی لیکن قومی اور بین الاقوامی سطح پر یہ تاثر پھیلتا رہا کہ یہ صرف عوامی دباؤ کا اثر ہے۔

وفاقی شرعی عدالت میں جنوری ۱۹۹۶ء سے جولائی ۲۰۰۵ء تک زنا سے متعلق کل ۱۳۳۷ اپیلیں دائر ہوئیں۔اس وقت تک ۱۱۹۷ مقدمات پر عدالت فیصلہ دے چکی ہے اور ۱۴۰ زیر سماعت ہیں۔چند اہم بین الاقوامی توجہ کے حامل مقدمات اور ان پر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کا ذکر کچھ اس طرح ہے:

۲- صفیہ بی بی کیس

۱۵ جولائی ۱۹۸۲ء کو صفیہ بی بی کے باپ نے تھانہ چک بیدی میں ایف آئی آر درج کرائی کہ اس کی بیٹی صفیہ کے ساتھ ملزم مقصود نے ارتکاب زنا بالجبر کیا جس کے نتیجے میں اس کا بچہ بھی پیدا ہوا ہے۔ ۱۹ جولائی کو ڈاکٹری رپورٹ میں ظاہر کیا گیا کہ پندرہ سے بیس دن پہلے مستغیثہ کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی ہے۔ اس لیے پولیس نے اسے بھی گرفتار کیا۔ دلاور خان (لڑکی کا باپ) نے اپنے بیان میں کہا کہ مقصود احمد کے صفیہ کے ساتھ ارتکاب زنا کے بعد صفیہ نے اپنی والدہ سے اس کی شکایت کی اور ملزم کے گھر جانے سے انکار کر دیا کیونکہ صفیہ بی بی ملزم کے گھر میں مزدوری کرتی تھی لیکن اس کے بعد ملزم کی والدہ رشیدہ بی بی آ کر مستغیثہ کو اس کے والدین کی غیر موجودگی میں لے گئی۔ اس کے بعد ملزم کے والد محمد علی نے بھی مستغیثہ سے زنا کیا جس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہوا ہے جو ہسپتال میں انتقال کر گیا ہے۔ ملزمان کے خلاف کوئی شہادت پیش نہ کی جا سکی جس کی بنیاد پر اسے بری کر دیا گیا۔

عدالت برائے ابتدائی سماعت نے حمل کے قرینہ اور استغاثہ میں غیر ضروری تاخیر کی بنیاد پر مستغیثہ کو مجرم ٹھہراتے ہوئے تعزیری سزا دی۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپیل پر فیصلہ دیتے ہوئے افسوس ظاہر کیا ہے کہ عدالت برائے ابتدائی سماعت نے فوج داری قانون کے واضح اور مشہور اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے جس کے تحت استغاثہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ مجرم کے خلاف جرم کو بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت کرتی۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اقبال جرم مکمل طور پر پڑھا جائے۔ اور Self exculpatory حصہ اقبال جرم سے علیحدہ نہ کیا جائے، الا یہ کہ ریکارڈ پر ایسی شہادتیں موجود ہوں جو مذکورہ حصے کو غلط ثابت کریں۔ اگر عدالت برائے ابتدائی سماعت اس اصول پر غور کرتی تو وہ صفیہ بی بی کو مجرم نہ ٹھہراتی۔

اصول یہ ہے کہ اگر کوئی عورت دعویٰ دائر کرے کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہے تو اسے زنا کی سزا نہیں دی جائے گی۔ (۲۴) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی غیر شادی شدہ لڑکی بچے کو جنم دے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ بچہ زنا بالجبر کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے تو اسے زنا کی سزا

نہیں دی جائے گی۔(۲۵) ابن قدامہؒ نے کہا ہے کہ جس عورت کے ساتھ جبری زنا کیا جائے، اس پر حد نہیں ہے۔(۲۶) عدالت نے اپیل منظور کرتے ہوئے مستغیثہ/ملزمہ کو جرم سے بری کر دیا۔(۲۷)

اس فیصلے میں وفاقی شرعی عدالت نے واضح طور پر قرار دیا کہ اگر کوئی عورت زنا بالجبر کا دعویٰ دائر کرے اور ملزمان کے خلاف ثبوت پیش نہ کر سکے تو عدالت اس مجبور عورت پر سزا نافذ نہیں کرے گی۔

۳۔ زعفران بی بی کیس

زعفران بی بی کا شوہر قتل کے کیس میں ہری پور جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا تھا۔اس نے عدالت کے سامنے بیان دیا کہ اس کے دیور نے اس کے ساتھ مسلسل کئی مرتبہ زنا کیا جس کے بارے میں اس نے اپنے سسر کو شکایت کی۔سسر نے اپنے بیٹے کو بچانے اور پیسے کمانے کی خاطر مقامی پولیس اسٹیشن میں ایک بااثر شخص اکمل خان کے خلاف جرم زنا کا الزام عائد کر کے رپورٹ درج کروائی۔دوران سماعت زعفران بی بی نے عدالت کے سامنے حقیقی صورت حال واضح کر دی۔ عدالت برائے سماعت نے دونوں ملزموں کو عدم ثبوت کی بنیاد پر بری کر دیا۔زعفران بی بی کو جرم زنا کاری کے ارتکاب پر رجم کی سزا سنادی۔اس سزا کے خلاف انسانی حقوق کی تنظیموں نے احتجاج شروع کیا اور اس سزا کو غیر انسانی سزا اور عدلیہ کے چہرے پر بدنما داغ قرار دیا۔

فیصلے کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں اپیل دائر کی گئی۔زعفران کے شوہر نعمت خان نے عدالت کے سامنے حلفیہ بیان دیا کہ قید میں بیوی (زعفران) اس سے ملتی رہی اور بچہ ان کے آپس میں ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے جو جائز ہے۔عدالت نے حلف کو درست تسلیم کرتے ہوئے زعفران کو جرم سے بری کر دیا۔(۲۸)

اس فیصلے میں چند اہم اصولوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ اصول صحابہ کرام اور علمائے متقدمین کے فیصلوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔

۱۔ اگر زنا کا کوئی اور ثبوت نہ ہو اور میاں بیوی کی ملاقات کا امکان ہو تو حدِ زنا جاری نہیں کی جائے گی۔

۲۔ اس فیصلے میں عورت کی مجبوری کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے اور حدیث پر پوری طرح عمل کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''حدود کو شبہات سے ساقط کرو'' اور اگر مجرم کو معاف کرنے کی کوئی وجہ نکل سکتی ہو تو اس کو معاف کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

چند دوسرے اہم فیصلے جن میں وفاقی شرعی عدالت نے اسلامی شریعت کے چند بنیادی اصول ذکر کیے ہیں۔ یہ اصول ماتحت عدالتوں کے لیے راہنما اصول ہیں جن کی پاس داری کرنے سے مقدمات کو نمٹانے میں سنگین غلطیوں کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ زنا کے لیے شروعات معصیت قابل تعزیر ہے، مثلاً یہ کہ ملزم نے مستغیث کی شلوار اتاری تھی۔ یہ صرف اس حد تک جرم شمار ہوگا اور یہ گواہی قابل اعتبار ہوگی۔ (۲۹)

۲۔ میڈیکل رپورٹ شکایت کنندہ کے بیان کی پوری تصدیق کرتی ہو۔ اگر خاندانی عزت کی وجہ سے ایف آئی آر میں تاخیر کی گئی ہو تو یہ قابل معافی ہے۔ (۳۰)

۳۔ پولیس بغیر ثبوت کے کسی کے گھر میں اس شبہ کی بنیاد پر داخل نہیں ہو سکتی کہ یہ زنا خانہ ہے۔ یہ آئین کے آرٹیکل ۱۴ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ (۳۱)

۴۔ جس عورت کا شوہر جیل میں ہو، اس کے ہاں بچے کی ولادت ہو جائے اور شوہر بچے کے صحیح النسب ہونے کا اقرار کرے تو اسے درست تسلیم کیا جائے گا۔ باپ اپنے بچے کے بارے میں بہترین تصدیق کنندہ ہے۔ (۳۲)

۵۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلوں میں قرار دیا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد کے خلاف زنا بالجبر کا دعویٰ کرے تو لازم ہے کہ عدالت اس امر کا جائزہ لے کہ کیا مستغیثہ کے جسم پر ایسے نشانات بھی ہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ جرم کا ارتکاب اس کی مرضی سے نہیں ہوا ہے، مثلاً اس کے جسم پر کوئی زخم ہو یا اس کے کپڑے پھاڑ دیے گئے ہوں۔ (۳۳)

۶۔ اگر لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کیا جائے تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ (۳۴)

۷۔ وفاقی شرعی عدالت نے طارق مسیح کیس میں ٹرائل کورٹ کے فیصلے کو غلط قرار دیتے ہوئے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ عدالت برائے ابتدائی سماعت، موضوع کے متعلق شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہے اس لیے وہ غلط نتیجے تک پہنچی ہے۔(۳۵)

۸۔ شریک جرم کا اقراری بیان دوسرے شریک کے بارے میں ناقابل قبول ہے۔(۳۶)

۹۔ صرف ایک مرتبہ اقرار کرنے پر سزا نہیں دی جائے گی۔ اقرار چار مرتبہ ضروری ہے جس میں مناسب وقفہ ہو اور ہر مرتبہ ملزم سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کر سکتا ہے۔(۳۷)

۱۰۔ عدالت سے باہر اقرار کی کوئی حیثیت نہیں۔(۳۸)

۱۱۔ عدت کے دوران نکاح فاسد ہے اور قابل تعزیر ہے۔(۳۹)

۱۲۔ زنا سے حمل ٹھہرنے پر کسی دوسرے شخص سے نکاح صحیح ہے لیکن دوران عدت وہ مزنیہ بیوی سے مجامعت نہیں کرے گا۔(۴۰)

۱۳۔ ثبوت یا عقد نکاح میں شبہ پیدا ہو تو حد زنا نافذ نہیں کی جائے گی۔(۴۱)

۱۴۔ مطلقہ کی کم سے کم مدت عدت ۳۹ دن ہے۔ اگر مطلقہ حلفیہ بیان دے کہ اس کی عدت مکمل ہو گئی ہے تو اس مدت کے بعد اس کا نکاح درست تسلیم کیا جائے گا۔(۴۲)

۱۵۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے طویل مدت تک لاتعلقی ظاہر کر دے اور زبان سے بھی اظہار کرے کہ وہ اپنی بیوی کو بیوی نہیں کہتا تو بیوی کو چاہیے کہ عدالت سے رجوع کرے اور عدالت سے ڈگری لے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ایلا تصور ہوگا اور اس پر ایلاء کے احکام نافذ ہوں گے۔ عدالت اس اصول کو درست تسلیم کرتی ہے۔

حاصل بحث اور تجاویز

۱۔ حد زنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزا ہے جو زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہے۔ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ بلاتفریق مرتکب زنا پر حد جاری کرے۔

۲- حدزنا آرڈیننس کے تحت پرچہ درج کرنے میں پوری احتیاط کی ضرورت ہے۔اس سلسلے میں پولیس کو پوری تحقیق کے بعد پرچہ درج کرنا چاہیےاور یہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی بے گناہ شخص کوملوث نہ کیا جائے۔اس لیے اسلامی روح کے مطابق محکمہ پولیس کی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے۔

۳- شریعت اسلامی میں عاقل اور بالغ مکلّف اوراحکام کا مخاطب ہےاور بالغ کی وضاحت سنت سے ماخوذ ہے،اس میں ردوبدل نہیں کیا جاسکتا۔آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں بالغ کی جوتعریف کی گئی ہے وہ صحیح ہے۔

۴- محصن اورمحصنہ مرتکب زنا کی حدسنگ سار ہےجبکہ غیرمحصن اورغیرمحصنہ کی حدسودرے ہے۔

۵- اگرکسی کے خلاف مطلوبہ شہادت میسر نہ ہوتو عدالت کو چاہیے کہ عدالت کے اطمینان کی صورت میں موجودشہادت کی بنیاد پرملزم کوتعزیری سزادے۔

۶- شبہات کی وجہ سے حدود کا اسقاط شریعت اسلامی میں بہت اہم ہے۔حالات و واقعات کے مطابق اس میں وسعت اور تنگی کی جاسکتی ہے۔یہ خالص عدالت کی صواب دید پر ہے۔ عدالت کوبھی اپنا یہ اختیار پوری احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔

۷- زنا بالجبر درحقیقت دوجرائم کا ایک مجموعہ ہے،زنااورحرابہ۔اس لیے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق جرم کے ثبوت کے لیے دومرد گواہوں کی گواہی کو کافی قرار دیا گیا ہےاور مجرم کو حرابہ کی سزادی جائے گی۔

۸- جج،وکلا اورمحکمہ پولیس کے ذمہ داران کا اسلامی علوم خصوصاً فقہ الجنایات کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہونا چاہیے تاکہ عدالت مجرم کوسزادینے میں اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق عمل کرسکےاورغلط فیصلے حدودوسزاؤں کی بدنامی کی باعث نہ بنیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ اس مصلحت پر مبنی حکم اور اس کی تائید وحمایت کا وجوب ہر زمانے، ہر ملک اور ہر حال میں یکساں قائم رہتا ہے۔

۲۔ یہ کہ ایک وقت اور ایک زمانے میں اور لوگوں کے حالات میں وہ مصلحت نہیں رہتی۔

۳۔ یہ مصلحت حیات انسانی کے پانچ بنیادی اصولوں کی جانب راجع ہے۔

۴۔ سورہ النساء۴:۱۵

۵۔ سورہ النور۲۴:۲

۶۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، دارالکاتب العربی، بیروت، ۱۹۶۷ء، ج ۲، ص ۲۷۷

۷۔ ایضاً

۸۔ مجلة الاحکام العدلیة

۹۔ ابو حامد محمد الغزالی، المستصفی، ج ا، ص ۶۳

۱۰۔ سورہ النور:۴۴

۱۱۔ عبداللہ بن احمد ابن قدامہ، المغنی، طبع مصر، ۱۳۴۸ھ، ج ۱۰، ص ۱۳۳

۱۲۔ ابن الہمام حنفی، شرح فتح القدیر، طبع مصر ۱۳۱۰ھ، ج ۴، ص ۱۳۴

۱۳۔ محمد علی شوکانی، نیل الاوطار، ج ۷، ص ۲۸

۱۴۔ زین الدین ابن نجیم، البحر الرائق، طبع مصر، ج ۵، ص ۹

۱۵۔ البحر الرائق، ج ۵، ص ۹

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱

۱۷۔ ایضاً ص ۱۱

۱۸۔ سورہ النور۲۴:۱۲

۱۹۔ ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف، ج ۲، ص ۱۲۹

20. *Report on Hudood Ordinances 1979*, Government of Pakistan, National Commission on the Status of Women, pp 36-39.

۲۱۔ پی-ایل-ڈی ۱۹۸۱ء ایف ایس سی-۱۴۵

۲۲۔ پی-ایل-ڈی ۱۹۸۳ء ایف ایس سی-۲۵۵

۲۳۔ پی-ایل-ڈی ۱۹۸۹ء ایف ایس سی-۹۵

۲۴- عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة، اردو ترجمہ منظور احسن عباسی (محکمہ اوقاف لاہور) ج ۵، ص ۱۶۶-۱۶۷

۲۵- ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ج ۱۱، ص ۲۶۶؛ بدایة المجتهد، ج ۲، ص ۳۲۹

۲۶- المغنی، ج ۸، ص ۱۸۶

۲۷- این ایل آر ۱۹۸۵ء، ایس ڈی-۱۴۵

۲۸- پی۔ ایل۔ ڈی ۲۰۰۲ء، ایف ایس سی-۱

۲۹- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۹۷ء ایف ایس سی-۱

۳۰- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۹۷ء ایف ایس سی-۱۲۳

۳۱- پی۔ ایل۔ جے ۲۰۰۱ء ایف ایس سی-۶۲

۳۲- پی۔ ایل۔ ڈی ۲۰۰۲ء ایف ایس سی-۱

۳۳- ۲۰۰۴ء پی۔ سی آر۔ ایل۔ جے ۲۰۰۱، ایس ڈی-۳۲

۳۴- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۵ء ایف ایس سی-۱۲۰

۳۵- ۲۰۰۴ء ایس ڈی-۴۴۳

۳۶- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۱ء ایف ایس سی-۲۲۴

۳۷- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۱ء ایف ایس سی-۳۰۸

۳۸- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۸ء ایف ایس سی-۴۲

۳۹- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۸ء ایف ایس سی-۵۸

۴۰- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۸ء ایف ایس سی-۸۹

۴۱- پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۱ء ایف ایس سی-۳۲۰

۴۲- ۱۹۹۴ء، ایس ڈی-۲۲۲

حدِ زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء
سے پیدا شدہ مسائل پر کچھ تجاویز

محمد زاہد*

تعارف

پاکستان کے فوج داری قوانین کی اسلامائزیشن کی طرف ایک قدم اٹھاتے ہوئے، ۱۹۷۹ء میں جو حدود قوانین نافذ کیے گئے وہ کئی وجوہ سے اسلامی تاریخ کا منفرد تجربہ تھا۔ مثلاً یہ کہ حدود سے متعلق شرعی احکام کو باقاعدہ مدون قانون کی شکل میں نافذ کرنے کی عہد حاضر میں اس سے پہلے مثالیں بہت کم ملیں گی۔ برصغیر میں حدود کے متعلق ان قوانین پر عمل درآمد میں تقریباً ڈیڑھ صدی کا وقفہ آ چکا تھا، یہ قوانین ایسے ماحول میں نافذ کیے گئے جہاں مقدمہ بازی کا ایک خاص قسم کا کلچر موجود تھا اور جہاں قانون کو صرف حصولِ انصاف کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ دشمنیوں کے بدلے چکانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ ان قوانین کو پہلے سے موجود قوانین کے ایسے ڈھانچے اور سسٹم میں رکھا گیا جس کا بنیادی مزاج حدود اللہ کے بارے میں شریعت کے عام مزاج سے پورے طور پر ہم آہنگ نہیں تھا۔ ابتدائی رپورٹ درج کرانے والے شخص اور درج کرنے والے پولیس کے آدمی سے لے کر بعض اوقات ججوں تک کا شرعی تقاضوں سے پوری طرح واقف ہونا کوئی یقینی امر نہیں تھا۔ گویا قوانینِ حدود کی تسوید ایک ایسے پرزے یا چند ایسے پرزوں کی تیاری تھی جنہیں بالکل مختلف قسم کی مشینری میں فٹ ہونا تھا۔

* نائب صدر، جامع اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

اس سے اس کام کی مشکل، نزاکت اور اس کے لیے درکار قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جن ہاتھوں نے قوانین کے یہ مسودے تیار کیے، یقیناً یہ ان کے لیے بڑی مشکل مہم تھی، تاہم اس طرح کے کاموں کی تکمیل کے بعد ایسے پرزے کو مشینری میں لگا کر چالو کرنے کے بعد اس کے اثرات و نتائج کا مشاہدہ ومطالعہ ضروری ہوتا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں مناسب ردوبدل کیا جا سکے۔ حدود آرڈیننس پر بھی قرآن وسنت کی روشنی میں اس طرح کے غور کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں۔

حدود قوانین اور عالمی صورتِ حال

پھر حدود کے یہ قوانین ایسے دور میں نافذ ہوئے ہیں جبکہ کوئی قانون بھی کسی جگہ کا محض مقامی مسئلہ نہیں رہا بلکہ اسے بین الاقوامی سطح پر ایسے اصولوں پر پرکھا جاتا ہے جنھیں بین الاقوامی اور عالمی باور کرایا جا رہا ہے، اور صورتِ حال یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کی علمی وفکری قیادت کے ذمے ان اصولوں کے بارے میں اپنا مستقل نقطۂ نظر اور پوزیشن واضح کرنے کا کام ابھی باقی ہے۔ یہ عالمی صورتِ حال مختلف پہلوؤں سے غور وفکر کا تقاضا کرتی ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ اسلام کے فوج داری قوانین پر عموماً اور حدود، خاص طور پر جنسی جرائم کے بارے میں موجودہ قوانین پر خصوصاً جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ خواتین اور اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام عدل وانصاف اور حقوق کی پاسداری کا سب سے بڑا داعی ہے، اور اس حوالے سے کسی معاشرے کو پرکھنے کا معیار بھی اسلام کمزور اور بے سہارا طبقات کو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحابہ نے آپ سے نقل کیا ہے:

لایقدس اللہ أمة لا یأخذ الضعیف فیھا حقه غیر متعتع

ترجمہ: اللہ کی نظر میں وہ معاشرہ پاکیزہ نہیں ہے جس میں کمزور آدمی اپنا حق بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حاصل نہ کر سکے (۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کسی معاشرے میں عدل وانصاف کے معیار کو اگر پرکھنا ہو تو اسلام کی

نظر میں اس کا معیار یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ معاشرے کے کمزور اور بے سہارا طبقات کو انصاف ملتا ہے یا نہیں اور صرف انصاف ملنا کافی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ انہیں انصاف کتنی آسانی کے ساتھ ملتا ہے۔ معاشرے کے بیسیوں کمزور طبقات میں سے عورتیں اور اقلیتیں بھی ہیں۔عورتوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ! میں دو کمزور طبقوں کے حق کے معاملے کو سنگین قرار دیتا ہوں یعنی عورت اور بچے۔(۲)

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اپنے مرض الوفات میں بھی ارشاد فرمائی۔(۳)

اور اقلیتوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اچھی طرح سن لو! جو شخص کسی 'معاہد' پر ظلم کرے، اس کے حق میں کوئی کمی کرے یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے تو قیامت کے دن اس کے مقدمے کی پیروی کرنے والا میں خود ہوں گا۔(۴)

اس لیے اسلامی نقطہ نظر سے کسی قانون پر غور کرنے والا کسی ایسی بات کو سرسری طور پر نظر انداز نہیں کرسکتا جو حقوق کی فراہمی بالخصوص عورتوں سمیت معاشرے کے کمزور طبقات کے حقوق کے حوالے سے ہو۔ کسی بھی ایسے قانون پر جس میں انسانی سوچ اور فکر کا بھی دخل ہو، چاہے وہ تسوید و تدوین کی حد تک ہو، اس پر عدل و انصاف اور کمزور طبقات کے حقوق کے حوالے سے سوال اٹھے تو دینی علوم سے وابستہ حضرات کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سنجیدگی سے اس پر غور کریں تاکہ اگر واقعتاً کوئی ایسی خامی متعلقہ قانون میں موجود ہے تو اس کا ازالہ کیا جاسکے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پوری قوت اور اعتماد کے ساتھ دنیا کے سامنے اپنا موقف دلیل کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔

ایک مسلمان اللہ اور رسول کے حکم کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی ایسی بات ہوگی جو واقعتاً کسی طبقے کی حق تلفی کا باعث ہو، لیکن یہ ضرور ممکن ہے کہ قانون سازی کرنے والے کسی حکمِ شرعی کو اس کے تمام پہلوؤں سے صحیح سمجھ نہ سکے ہوں۔ جہاں اسلام نے

مقننہ کو اجتہادی آرا میں سے حالات کے حسب حال مناسب رائے اپنانے کا اختیار دیا ہے وہاں یہ اختیار عملی حقائق کے صحیح ادراک کے ساتھ استعمال نہ ہوا ہو، یا یہ سب کچھ صحیح انداز سے ہو لیکن قانون کی تسوید و تدوین میں ایسے سقم رہ جائیں جس کی وجہ سے وہ اس نقطۂ نظر کا عکاس نہ رہے جو قانون سازوں کے پیش نظر ہو، یا اس کا پہلے سے مروج قوانین سے تعلق اس نوعیت کا ہو کہ اس کی وجہ سے اس قانون سے وہ عملی نتائج نہ نکل رہے ہوں جو شرعاً اس سے نکلنے چاہییں، اس طرح وہ قانون اسلامی تعلیمات اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے پوری طرح مطابق نہ رہا ہو، ویسے تمام مواقع پر غور و فکر کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ جہاں پورے کا پورا قانونی، سیاسی، عدالتی اور انتظامی ڈھانچہ خواتین سمیت عام شہری کو آسان انصاف فراہم کرنے میں ناکام رہا ہو وہاں پورے ڈھانچے اور نظام پر غور کی بجائے چند قوانین پر زور صرف کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے نظام میں عام شہری کو حصولِ انصاف کے لیے جس طرح کے دھکے کھانے پڑتے اور ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے، پھر بھی اسے انصاف ملنے کی پوری امید نہیں ہوتی، اس اذیت میں خواتین اور اقلیتیں بھی شامل ہیں۔ یہ اذیت حدود آرڈیننس کے نفاذ سے پرانی بھی ہے اور اس کے متاثرین کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ اگر واقعی خواتین اور اقلیتوں کے حقوق میں دلچسپی ہے تو ملک کے پورے کے پورے ڈھانچے کی وجہ سے خواتین سمیت کمزور طبقات جس اذیت کا شکار ہیں اس سے انہیں چھٹکارا دلانے پر اتنی توجہ کیوں صرف نہیں کی جاتی، جو حدود آرڈیننس بالخصوص جنسی جرائم کے قوانین پر کی جارہی ہے، تاہم اس سوال کی اہمیت کے باوجود ہمارے دین کی تعلیم یہی ہے کہ بات کہنے والا کوئی بھی ہو اور کسی بھی نیت سے کہے، اگر اس میں قابل غور اور قابل اصلاح پہلو ہوں تو غور ضرور کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب بعض قوانین کو ان عالمی معیاروں پر پرکھا جاتا ہے تو عموماً پاکستان جیسے ملکوں کو بین الاقوامی سطح پر متعلقہ عالمی تنظیموں اور میڈیا کی طرف سے شدید تنقید کا سامنا بھی ہوتا ہے اور عالمی سیاسی دباؤ کا بھی، ایسے موقع پر قومی مفاد کے دو اہم تقاضے بعض اوقات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں بیچ کی راہ نکالنا قیادت کی ذہانت

کا امتحان ہوتا ہے۔ایک تقاضا تو قومی خودداری اور خودمختاری کا ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے کسی دباؤ کو یکسر نظر انداز یا مسترد کر دیا جائے۔دوسرا تقاضا ملک کے بارے میں عالمی سطح پر بننے والے امیج اور بعض وقتی قومی مصالح کا ہوتا ہے۔اس تقاضے کے پیش نظر بعض اوقات ضرورت ہوتی ہے کہ بعض جزوی معاملات میں عالمی دباؤ کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس دباؤ سے نکل کر توانائیوں کو کسی دوسرے اہم مصرف میں لگایا جائے۔ایسے موقع پر قیادت کی راہ نمائی کے لیے دینی علوم پر دسترس رکھنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ یہ واضح کر دیں کہ ان قوانین کے بارے میں کون کون سی اسلامی تعلیمات ایسی ہیں جن سے پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں ہے اور کون سی ایسی ہیں جن میں اسلام ایک سے زیادہ راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مقننہ سمیت ریاستی اداروں کو اختیار دیتا ہے۔

حدود آرڈیننس کے حوالے سے اگرچہ وفاقی شرعی عدالت میں ہونے والے کام کی اہمیت ناقابلِ انکار ہے کہ اس کے فیصلوں نے کئی ابہامات اور مشکلات کے ازالے میں مدد دی۔قوانین کی اسلامائزیشن کے حوالے سے پاکستان کے اہم دستوری ادارے اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی حالیہ دنوں میں اس موضوع پر غور و بحث کی طرف کچھ پیش رفت شروع کی ہے،تاہم مقننہ کی راہ نمائی کے لیے بھی اور فوج داری قوانین کے بارے میں اسلام کے اصول اور مزاج کو واضح اور نمایاں کرنے کے لیے بھی اجتماعی اور انفرادی سطح پر مزید کام کی گنجائش ابھی باقی ہے۔اگر کسی وقت مقننہ ان قوانین پر خلوصِ دل کے ساتھ اسلامی نقطۂ نظر سے غور کرنے کا ارادہ کرے تو اسے علمی و نظری کام کے حوالے سے تشنگی کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے اس سمت درست قدم اٹھاتے ہوئے اس موضوع پر اجتماعی غور کا فیصلہ کیا ہے۔چونکہ اکیڈمی قوانین کی اسلامائزیشن کے تجربے کو عملاً کامیاب بنانے کی کوششوں سے وابستہ رہی ہے اور دینی علوم اور مروّجہ قوانین پر نظر رکھنے والے طبقات سے اس کا رابطہ رہا ہے اس لیے وہ اس مہم کو بہتر انداز سے کامیاب کرنے کی پوزیشن میں ہے۔

ذیل کی سطور میں ان آرڈیننس میں سے صرف جرم زنا کے متعلق قانون یعنی

The Offence of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance, 1979
کے نفاذ کے بعد پیدا ہونے والے چند مسائل اور مشکلات پر مصادر شریعت کی روشنی میں بحث کرنا مقصود ہے۔ آنے والے صفحات میں ایک تو اس آرڈیننس میں ممکنہ تجاویز کا عمومی جائزہ لینا مقصود ہے۔ دوسرے زیادہ سوالات چونکہ عصمت دری کے بارے میں اٹھائے گئے ہیں۔ اس لیے اس پر مستقل عنوان کے تحت گفتگو کی جائے گی۔

حد زنا آرڈیننس میں مجوزہ ترامیم

ا۔ زیادہ مسائل کہاں سے پیدا ہو رہے ہیں؟

حقوق خواتین کے حوالے سے زنا آرڈیننس پر ہونے والے اعتراضات بعض تو ایسے ہیں جو عملی سے زیادہ نظریاتی نوعیت کے ہیں، مثلاً زنا بالرضا کے مقدمات میں عورت کی گواہی کا ''حد'' کے لیے قابل قبول نہ ہونا۔ ظاہر ہے کہ کسی خاتون کی گواہی کی بنیاد پر ملزم پر حد جاری نہ ہونا ملزم کے لیے تو رعایت کا باعث ہے، گواہی دینے والی خاتون کے لیے کسی تنگی کا باعث نہیں۔ اس لیے کہ جہاں جرم کا تعلق خالص حق اللہ سے ہو وہاں شریعت کا رجحان ہی معاف کرنے کی طرف ہوتا ہے، اس کے لیے گواہی میں جتنی زیادہ قیود ہوں گی اس معافی کا راستہ زیادہ کھلے گا (بندے کا حق بھی متعلق ہو تو اس پر بحث آگے عصمت دری کے مسئلے کے تحت آرہی ہے)۔ دوسرے موجب حد جرم کے ثبوت کے لیے جس طرح کی صریح شہادت کو اسلام ضروری قرار دیتا ہے، خاتون کو اس میں ملوث کرنا اور اس طرح کے صریح الفاظ اس سے برسر عدالت کہلوانا اس احترام اور وقار کے منافی ہے جو خواتین کے بارے میں اسلام ملحوظ رکھتا ہے۔

دوسری قسم کے اعتراضات وہ ہیں جن کا تعلق خواتین کو عملاً پیش آنے والی مشکلات کے ساتھ ہے، مثلاً عصمت دری (Rape) کے مقدمات میں زیادتی کا شکار ہونے والی عورت کو اس کی شادی کے بغیر حاملہ ہونے کی بنیاد پر زنا بالرضا کی سزا ہو جانا اور ملزم مرد کا ناکافی گواہی اور ٹھوس ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے بری ہو جانا۔ آگے بڑھنے سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ

اس طرح کی مشکلات کہاں سے پیش آ رہی ہیں؟ غور کیا جائے تو یہ مشکلات ان دفعات کی وجہ سے پیش آ رہی ہیں جو تعزیر کے متعلق ہیں، مثلاً حقوق انسانی اور حقوق خواتین کی تنظیموں کی طرف سے ''جہاں مینا بنام سرکار'' کیس کا بکثرت حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن اس مقدمے میں بھی وفاقی شرعی عدالت نے غیر شادی شدہ لڑکی کے حمل کو زنا بالرضا کا ثبوت مان کر اسے جو سزا دی ہے وہ حد زنا آرڈیننس کی دفعہ (۲) ۱۰ کے تحت ہے جو تعزیری دفعہ ہے۔ ۱۹۹۹ء میں خواتین کے بارے میں قومی کمیشن (National Commission On The Status of Women) کی ذیلی رپورٹ میں بھی اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اب تک کسی خاتون کو حد کی سزا نہیں دی گئی۔

دوسرے ایسی مشکلات کی وجہ یہ ہے کہ یہ قانون اتنا تفصیلی اور مستقل نہیں ہے کہ عدالتی طریق کار، ثبوت جرم وغیرہ کے طریقے اس میں الگ سے دے دیے گئے ہوں، بلکہ اس کا کئی دوسرے قوانین (مثلاً مجموعہ ضابطہ فوج داری) کے ساتھ گہرا تعلق اور ان پر انحصار ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی جگہوں پر ابہام اور اجمال کی وجہ سے عدالتیں عام مروجہ قانونی اصول اور تصورات کو بھی مدنظر رکھتی ہیں۔ مثلاً اسی مشہور زمانہ 'مینا کیس' میں زیادتی کا شکار بننے والی یتیم لڑکی کی داد رسی کرنے کے بجائے الٹا اسے ہی شریکِ جرم قرار دے کر سزا دے دی گئی۔ آگے عصمت دری پر بحث کے دوران ہم تفصیل سے دیکھیں گے کہ یہ فیصلہ برطانیہ کے کامن لا کے ایک تصور (Fresh complaint rule) کے مطابق دیا گیا ہے۔ اس اصول کو اس مسئلے میں حنفیہ سمیت فقہائے اسلام کی واضح اکثریت نے قبول نہیں کیا اور اب خود مغربی دنیا بھی اسے رد کر رہی ہے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ برطانیہ کے کامن لا کے اس تصور کے نتائجِ بد کا الزام اسلام پر لگ رہا ہے۔

اس لیے زنا آرڈیننس میں مجوزہ ترامیم پر گفتگو کا آغاز انہی دو باتوں سے کیا جا رہا ہے۔

۲۔ حدود و تعزیرات کا فرق

وہ جرائم جن کا تعلق جنسی ہوس سے ہے، (Crimes against sexual morality) ان کی بعض خاص صورتیں جن میں جرم بھی انتہائی شکل میں ہوتا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے عام

قانونی مزاج و معمول سے ہٹ کر کڑی شرائط بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ان کے لیے شریعت نے ازخود سزا متعین کر دی ہے جسے حد کہا جاتا ہے اور وہ صرف دو جرم ہیں:

۱۔غیر شادی شدہ شخص کا زنا کرنا (Fornication) جس کی سزا سو کوڑے ہے۔

۲۔شادی شدہ شخص جس میں محصن ہونے کی دوسری دیگر شرائط بھی پائی جائیں، کا زنا (Adultery) جس کی سزا سنگسار کرنا ہے (یہ بات صرف حق اللہ کے حوالے سے ہے، حق العبد کے بارے میں بات آگے آرہی ہے)۔

اس کے علاوہ صورتوں میں خواہ وہ مذکورہ بالا شکلوں میں سے کوئی شکل ہو لیکن حد کے لیے مطلوب ثبوت مہیا نہ ہو یا جنسی جرائم کی کوئی اور شکل ہو اس میں شریعت نے کسی متعین سزا کا حکم دینے کے بجائے حکام اور مقننہ کو تعزیری سزا کے وسیع اختیارات دیے ہیں۔حدود اور تعزیرات میں فرق یہ ہے کہ حدود کی تعیین اللہ کی طرف سے ہے، جبکہ تعزیر کے سلسلے میں امام (اسلامی ریاست یا اس کے کسی شعبے یا ادارے) کو حاصل ہونے والا اختیار تو اللہ کی طرف سے ہے، لیکن اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے جو سزا تجویز کی جائے گی وہ بندے ہی کی سوچ کا نتیجہ ہوگی۔

حد زنا آرڈیننس میں حدود اور تعزیرات دونوں پر مبنی احکام ذکر کیے گئے ہیں، اس آرڈیننس کی کل ۲۲ دفعات میں سے دفعہ (a)-2 تا (d)-2، دفعہ ۵، دفعہ ۶ کی ذیلی شق (۲) اور (۳) دفعہ ۸، دفعہ ۹، دفعہ ۱۲ اور دفعہ ۲۱ یعنی سات سے بھی کم دفعات یعنی آرڈیننس کے ایک تہائی سے بھی کم حصہ حدود سے متعلق ہے۔باقی سب کا تعلق تعزیرات کے ساتھ ہیں۔خود آرڈیننس میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ کون کون سی سزا حد ہے۔اور دفعہ ۲ میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ حد سے مراد وہ سزا ہے جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مقرر کی گئی ہو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی سزائیں حد نہیں تعزیر ہیں اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین کردہ نہیں ہیں۔اس لیے قانون کی حد تک تو حدود اور تعزیرات میں اتنا زیادہ ابہام نہیں ہے۔ قانون کی تسوید کرنے والوں کا مقصد غالباً یہ ہوگا کہ ایک نوعیت کے جرائم خواہ وہ حدود سے متعلق ہوں یا تعزیرات سے ان کو یکجا کر دیا جائے۔چنانچہ آرڈیننس کی دفعہ ۱۹ کے ذریعے مجوعہ

تعزیراتِ پاکستان اور مجموعہ ضابطہ فوج داری کی کئی دفعات کو بتغیرِ مناسب (Mutatis mutandis) اس آرڈیننس کے معاملے میں بھی نافذ العمل قرار دیا گیا ہے۔

لیکن ایک تو خود آرڈیننس کے مختصر عنوان (Short title) میں قوسین میں (Enforcement of Hudood) کا لفظ بڑھا دیا گیا ہے۔ ویسے بھی بحیثیت مجموعی ان قوانین کا حوالہ حدود آرڈیننس کے طور پر دیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ تأثر ابھرتا ہے کہ اس آرڈیننس کے تحت درج ہونے والا ہر مقدمہ اور ملنے والی ہر سزا حدود ہی کے دائرے میں آتی ہے، یوں ایک تو انسان کے وضع کردہ قوانین کے نتائج بھی کتاب وسنت کی طرف سے مقرر کردہ احکام کے کھاتے میں پڑ جاتے ہیں۔ دوسرے، حدود کے لفظ کا بے جا استعمال اس کے تقدس کی پامالی اور اس کے ابتذال کا ذریعہ بن رہا ہے۔ مثال کے طور پر انہی دنوں کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

فیصل آباد (نمائندہ خصوصی) حدود کا مقدمہ ختم کرانے کے لیے نوجوان نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ساس کو قریبی عزیز سمیت اغوا کر لیا۔ تفصیلات کے مطابق چک ۲۲۳ گ۔ب کے رہائشی محمد بوٹا کی بہن (ش) نے عبدالخالق کے ساتھ بھاگ کر نکاح کر لیا جس پر محمد بوٹا وغیرہ نے عبدالخالق پر حدود کا مقدمہ درج کروا دیا۔ چند روز قبل عبدالخالق نے اپنے ساتھیوں عمران وغیرہ کے ساتھ مل کر محمد بوٹا کی والدہ مختاراں بی بی اور ماموں امانت علی کو اغوا کر لیا۔ بعد ازاں محمد بوٹا نے تعاقب کر کے لاہور میں فتح گڑھ سے مغویوں کو شور واویلا کر کے چھڑوالیا جبکہ ملزمان فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔ (۵)

اخبارات کے اندرونی صفحات پر اس طرح کی خبریں آئے دن چھپتی رہتی ہیں۔ ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ حد زنا اور زنا موجب حد کو، جس کے متعلق لب کشائی بھی شریعت کی نظر میں سنگین معاملہ ہے، تعزیرات کے ساتھ نتھی کر کے اس مقدمہ باز قوم کے حوالے کرنے کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔ اس لیے بعض حلقوں کی طرف سے دی جانے والی یہ تجویز معقول معلوم ہوتی ہے کہ تعزیری جرائم اور سزاؤں سے متعلق قوانین کو اس آرڈیننس سے الگ کر کے مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کا حصہ بنا دیا جائے۔ ایسا کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ حدود کے متعلق قوانین میں

ترمیم ایک انتہائی حساس معاملہ ہے جبکہ تعزیری قوانین کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کرنے سے یا تو تعزیری قوانین میں ترمیم مشکل ہو جائے گی یا خود حدود کے قوانین میں بھی بے سوچے سمجھے ترمیم کا راستہ کھل جائے گا۔

تعزیری قوانین کو حدود سے الگ کرنا اس لیے بھی مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا مزاج حدود سے متعلقہ جرائم اور عام جرائم کے بارے میں بالکل الگ الگ ہے۔ بالخصوص حدِ زنا کے بارے میں کہ اس میں ابتدائی رپورٹ سے لے کر تفتیش اور عدالتی کارروائی تک ہر جگہ طریق کار اور بنیادی مزاج بالکل الگ ہے۔ جیسا کہ اگلے صفحات میں معلوم ہوگا کہ ہر مرحلے پر شریعت کا مزاج کارروائی روکنے بلکہ اسے پیچھے کی طرف موڑنے کا ہے، جبکہ عام تعزیری جرائم میں اس مزاج کو کلی طور پر اختیار کرنا مجرمین کو ڈھیل دینے کے مترادف ہوگا۔

چونکہ حدِ زنا (بالرضا) سے متعلق قانون کا عمومی رجحان اس طرف ہوگا کہ اول تو اس بات کی حوصلہ افزائی ہو کہ رپورٹ درج نہ ہو بلکہ پردہ پوشی کو ترجیح دی جائے اور رپورٹ درج ہو بھی جائے تو اس بات کی پوری کوشش ہو کہ جرم ثابت نہ ہونے پائے۔ اس لیے زنا غیر موجب حد یا جنسی جرائم کی دیگر شکلوں کے قلع قمع کے لیے تعزیر کے معاملے میں مقنّنہ کو وسیع اختیارات کی ضرورت ہو گی، اس لیے مقدار تعزیر کے بارے میں مالکیہ کے قول کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہوگا جس کے مطابق تعزیر کی کوئی خاص حد مقرر نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کو وسیع اختیار حاصل ہے کہ جرم اور مجرمین اور عمومی ماحول کے پیش نظر جو سزا مناسب سمجھے تجویز کرلے۔ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے، معروف حنفی فقیہ و محدث طحاویؒ نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور متاخرین حنفیہ میں سے مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے(۶) البتہ تعزیر کی مقدار کے بارے میں ریاست کو یہ آزادی دے کر اسے عدل وانصاف کے عام تقاضوں اور مصلحت کے مطابق بنانے کا زیادہ اہتمام کرنا ہوگا۔

۳۔ حدِ زنا پر شریعت کا عمومی رخ و میلان

شریعت کی نظر میں حدِ زنا کے بارے میں اصل قانون (Substantive law) تو

بہت مختصر ہے، جس میں زنا و محصن وغیرہ کی تعریف، زانی کی سزا اور شرائط وغیرہ شامل ہیں۔ اصل مسئلہ زنا (بالرضا) کے کسی وقوعہ کو ہینڈل کرنے کے طریقہ کار Procedural law کا ہے۔ حد زنا کا مروجہ قانون اس سلسلے میں تفصیلی ہدایات فراہم نہیں کرتا، بلکہ اس معاملے کو دیگر مروّجہ قوانین اور عدالتی رجحانات پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جرائم سے متعلق کسی قانون اور اس کے متعلقہ ضوابط کا عمومی مزاج یہی ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ جب متعلقہ اتھارٹی کو کسی جرم کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع ملتی ہے تو فوراً مجرم کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی ہے۔ اپنے طور پر مجرم کی تعیین کی کوشش کرتی اور ثبوت تلاش اور مہیا کر کے پوری جاں فشانی اور محنت کے ساتھ ملزم کو عدالت کے کٹہرے میں پیش کر کے اس پر فرد جرم لگوا کر اور جرم ثابت کر کے اسے سزا دلوا کر کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں (Procedural law) کے سلسلے میں ضابطہ فوج داری بھی موجود ہے اور ضابطہ دیوانی بھی۔ حدود کے بارے میں اول الذکر کو ہی نافذ العمل رکھا گیا ہے، جبکہ فقہ اسلامی کا ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ شریعت کی نظر میں حد زنا جیسے مقدمات کو ہینڈل کرنے کا طریقہ کار ان دونوں سے یکسر مختلف ہے۔ گویا ضابطے کے قوانین (Procedural law) کم از کم تین طرح کے ہونے چاہییں:

۱۔ تعزیرات یا کتاب وسنت میں مقرر کردہ ایسی سزاؤں کے متعلق ضوابط جن میں متعین بندے یا بندوں کا حق متعلق ہو۔

۲۔ دیوانی مقدمات کے متعلق ضوابط،

۳۔ ان حدود کے متعلق ضوابط جن کا تعلق خالصتاً حق اللہ کے ساتھ ہو جیسے حد زنا (بالرضا)۔

ہمارے قانون میں ان میں سے اول الذکر ہی مؤخر الذکر کی جگہ لاگو کر دیا گیا ہے، جو بہت بڑا خلا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعزیری احکام کو اس حد زنا آرڈیننس سے الگ کر کے انہیں تو عام مجموعہ تعزیرات پاکستان اور مجموعہ ضابطۂ فوج داری کے تحت رکھا جائے اور حد زنا کے بارے میں ضابطہ و طریقہ کار (Procedure) خود اس آرڈیننس کے اندر دیا جائے یا اوپر ذکر کردہ تیسری قسم کا ضابطہ، قانون الگ سے وضع کیا جائے۔

حد زنا کے متعلق ضوابط میں جن امور کا پیشِ نظر رہنا زیادہ ضروری ہے ان کا ایک جائزہ یہاں پیشِ خدمت ہے۔

حدود کی کارروائی کے بارے میں شریعت کا عمومی مزاج

حدود، بالخصوص وہ حدود جن کا تعلق خالصتاً حق اللہ کے ساتھ ہے جیسے حد زنا، ان کے متعلق احادیث مبارکہ کی روشنی میں فقہ اسلامی میں اہم بحث رفع الحد الی الا مام کے دائرے اور موقع ومحل کی چھیڑی گئی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی کو موجب حد گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے یا اس کے علم میں ایسی بات آئے تو اسے کن حالات میں قانون کے حوالے کرنا چاہیے اور کن حالات میں اس معاملے کو نظر انداز کر کے قانون سے بالا اصلاح احوال کی کوشش کرنا چاہیے؟۔ اس سلسلے میں شریعت کا ایک مستقل رخ اور مزاج ہے۔ جس کا خلاصہ یہی ہے کہ اگر سرزد ہونے والی برائی کی سنگین اور انتہائی شکل کو قانون کے دائرے میں لایا جائے اور شہادتوں کے تمام سخت ترین تقاضے پورے کرتے ہوئے جرم ثابت بھی ہو جائے تو قانونِ شریعت کسی رعایت کا روادار نہیں ہے، لیکن اسی کے ساتھ اصل ترجیح اس بات کو دی گئی ہے کہ ایسے معاملات کو قانونی اور ریاستی اداروں تک لایا ہی نہ جائے۔ چنانچہ مسلمان کی پردہ پوشی کی ترغیب کے بارے میں احادیث سے تو ایک عام پڑھا لکھا مسلمان بھی ناواقف نہیں ہوگا۔ بلکہ اس پردہ پوشی کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان معاشرے کے باہمی تعلقات کے بنیادی خدوخال کے بیان کے ضمن میں فرمایا ہے۔ مثلاً ایک حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

المسلم أخو المسلم ،لا يظلمه ولا يسلمه،ومن كا ن فى حا جة أخيه كان الله فى حا جته، ومن فرّج عن مسلم كر بة فرّ ج الله عنه كر بة من كرب يو م القيا مة،ومن سترمسلما ستره الله يو م القيا مة۔

ترجمہ: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس لیے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اسے بے یار ومددگار نہیں چھوڑتا، اور جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی حاجت روائی میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور جو کسی مسلمان سے کسی پریشانی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بڑی پریشانی کو دور کریں گے، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (۷)

خود حدود کے بارے میں ایسی احادیث و آثار کی کمی نہیں جن میں پردہ پوشی اور اس کوشش کی ترغیب ہے کہ حد کو ثابت کرنے کی حوصلہ افزائی کے بجائے اس کو ساقط کرنے کے لیے شرعی شبہات تلاش کیے جائیں۔ یہاں مثال کے طور پر اس سلسلے میں چند احادیث و آثار پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدود باہمی ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو (یعنی میرے پاس نہ لایا کرو) اس لیے کہ جو حد مجھ تک پہنچ جائے گی (یعنی ثابت ہو جائے گی) وہ تو واجب ہو جائے گی۔ (۸)

۲۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کیا کرو، لہٰذا اس کے لیے حد سے نکلنے کا کوئی راستہ ہو تو اس کے لیے راستہ کھول دو، اس لیے کہ معاف کرنے میں غلطی کر جانا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ (۹)

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

جہاں تک حدود کو دور کرنے کا راستہ ملے انھیں دور کرو۔ (۱۰)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتے ہیں:

حدود کو شبہات کی وجہ سے ساقط کر دیا کرو۔ (۱۱)

۵۔ جن لوگوں پر عہد رسالت میں حد جاری کی گئی ان میں سے کئی واقعات کے بارے میں آتا ہے کہ شرعی قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حد جاری تو فرمائی، لیکن طبعاً آپؐ کو یہ چیز ناگوار ضرور رہی۔ اس لیے آپؐ نے اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ اس معاملے کو مجھ تک لایا ہی نہ جاتا۔ ماعز اسلمیؓ کے رجم کا مشہور واقعہ ہے، ان سے جب یہ گناہ سرزد ہوا تو انھوں

نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اپنی پردہ پوشی کرنے اور اپنے طور پر توبہ و استغفار کا مشورہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی ان کو یہی مشورہ دیا تھا، ماعزؓ درحقیقت یتیم تھے اور ان کے والد نے ہزالؓ کو ان کا وصی (Guardian) مقرر کیا تھا۔ ہزال کے کہنے پر انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر اقرار کیا۔ بعد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال سے کہا تھا کہ اگر تم ان کی پردہ پوشی کرتے، یعنی انہیں ایسا مشورہ نہ دیتے تو اچھا ہوتا، چنانچہ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں:

رجم کے بعد آپؐ نے ہزالؓ سے فرمایا کہ تم نے اپنے یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا، اگر تم انہیں اپنی چادر سے چھپا لیتے تو تمہارے لیے بہتر ہوتا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس معاملے میں کوئی گنجائش ہے۔ (۱۲)

۶۔ ماعزؓ ہی کے سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ان کے رجم کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ یہ الفاظ ارشاد فرمائے: ہزالؓ نے اسے ہلاک کیا۔ (۱۳)

۷۔ ماعزؓ اور غامدیہ کے اقرار کے باوجود بار بار انہیں واپس کرنا بھی شریعت کے اسی مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔ ماعزؓ کے بارے میں ابن حبانؒ کی ایک روایت کے لفظ یہ ہیں:

ثم امر به فطرد و اخرج ثم اتاه الثانية (۱۴)

یعنی جب انہوں نے زنا کا اقرار کیا تو انہیں اس سے باز رکھنے کے لیے دھکیل کر باہر نکال دیا گیا۔ بعد ازاں آپؐ کے پاس دوبارہ آکر انہوں نے اقرار کیا۔

بریدہؓ کہتے ہیں:

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ باہمی یہ بات کیا کرتے تھے کہ اگر یہ دونوں (ماعز اور غامدیہؓ) چوتھی مرتبہ حاضر نہ ہوتے تو آپؐ انہیں طلب نہ فرماتے۔ (۱۵)

۸۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک چور کو پکڑ کر لایا گیا۔ آپؓ نے اس سے کہا: میرا نہیں خیال کہ تم نے چوری کی ہوگی۔ اس نے کہا: نہیں، میں نے چوری کی ہے۔ آپؓ نے کہا: شاید تمہیں کچھ اشتباہ

ہوا ہو۔اس نے کہا: نہیں، میں نے چوری ہی کی ہے۔حضرت علیؓ نے قنبر کو ہاتھ کاٹنے کی تیاری کے سلسلے میں اس کے سامنے اوزار اکٹھے کرنے اور ہاتھ کاٹنے والے کو بلانے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ میرے آنے تک ہاتھ نہ کاٹنا۔خیال تھا کہ ہاتھ کاٹنے کی تیاری کا منظر دیکھ کر گھبرا کر شاید اقرار سے رجوع کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔واپس آ کر آپؓ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر آپؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ایک واقعہ سنایا کہ آپؐ نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا، اس کے ساتھ ہی آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں کیوں نہ روؤں جبکہ میری امت کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں، عرض کیا گیا کہ پھر آپؐ نے اسے معاف کیوں نہ فرما دیا، آپؐ نے فرمایا: وہ برا سلطان ہے جو حدود کو معاف کرے، لیکن تم آپس میں حدود کو معاف کر دیا کرو۔(۱۶)

۹۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک شخص اپنے یتیم بھتیجے کی شکایت لے کر آیا کہ اس نے شراب پی ہے۔ابن مسعودؓ نے کہا کہ تم یتیم کے اچھے سرپرست ثابت نہیں ہوئے۔ایک تو تم نے اس کی صحیح تربیت نہیں کی، پھر جب اس سے غلطی ہو گئی تو رسوائی کی بات کی، پردہ پوشی نہیں کی۔ابن مسعودؓ نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ البتہ حاکم کے لیے یہ موزوں نہیں ہے کہ اس کے پاس حد ثابت ہو جائے اور وہ اسے قائم نہ کرے۔اس کے بعد ابن مسعودؓ نے سب سے پہلے جس چور کا ہاتھ کاٹا گیا تھا، اس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر پریشانی کے واضح آثار نظر آئے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ حد جاری ہونا آپ کو ناگوار رہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تمہارے لیے مناسب نہیں تھا کہ تم (اس پر حد ثابت کروا کر) شیطان کے مددگار بنتے۔حاکم کے لیے تو یہی حکم ہے کہ وہ حد کو قائم کرے۔اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے اور معافی کو پسند کرنے والے ہیں۔اس لیے لوگوں کو یہی چاہیے کہ وہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔(۱۷) حاکم نے اس حدیث کو روایت کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، اور ذہبی نے بھی

اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔(۱۸)

۱۰۔ ابوالہیثم، ایک صحابی عقبہؓ بن عامر کے کاتب اور منشی تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ عقبہؓ بن عامر سے ذکر کیا کہ ہمارے پڑوسی ہیں جو شراب پیتے اور فلاں فلاں کام کرتے ہیں، میرا ارادہ پولیس کو بلوانے کا ہے۔ عقبہؓ بن عامر نے فرمایا کہ انھیں سمجھانے بجھانے اور ڈرانے دھمکانے پر ہی اکتفا کرو۔ پولیس کو نہ بلواؤ، اس لیے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان کے پوشیدہ عیب کو چھپائے اس کا ثواب اس شخص کی طرح ہے جو کسی زندہ درگور کی ہوئی بچی کو قبر سے نکال کر اس کے لیے زندگی کا باعث بنے۔(۱۹)

۱۱......حضرت عمرؓ کا قول ہے:

> اللہ تعالیٰ نے چار گواہوں کی شرط کو ایسا پردہ بنایا ہے جو تمہارے فواحش کو چھپاتا ہے، لہٰذا کوئی شخص اللہ کے پردے میں جھانکنے کی کوشش نہ کرے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایک گواہ کو بھی کافی قرار دیتے۔(۱۹ الف)

۱۲......ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف رات کے وقت مدینے میں پہرا دے رہے تھے کہ ایک گھر کے اندر سے انہیں چراغ کی روشنی نظر آئی۔ یہ دونوں حضرات اس مکان کی طرف بڑھے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے شور سا سنائی دے رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کا مکان ہے اور یہ لوگ اس وقت شراب کے نشے میں ہیں۔ تمہاری رائے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا: ہم نے اب تک وہ کام کیا ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ اللہ کا ارشاد ہے: لاتجسسوا ہم نے اب تک جو کام کیا ہے وہ تجسس ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر واپس آ گئے۔(۲۰) حاکم نے اس حدیث کو روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔

۱۳۔ مقدامؓ بن معدی کرب اور ابوامامہ باہلیؓ وغیرہ متعدد صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

> امیر جب لوگوں میں شک وشبہ کی باتوں کو تلاش کرے تو وہ ان کے بگاڑ کا باعث بنے

گا۔(۲۱)

یعنی لوگوں کے عیوب اور گناہوں کی تلاش و تفتیش، اصلاحِ معاشرہ کا نہیں بلکہ فسادِ معاشرہ کا ذریعہ ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت معاویہؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں۔ حضرت ابو درداؓ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایسی بات ہے جو معاویہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور اس کی وجہ سے انھیں فائدہ پہنچا ہے۔(۲۲) یعنی حکام کو اس طرح کی باتوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

۱۴۔۔۔۔۔ابن مسعودؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ انہیں پکڑ کر تحقیق و تفتیش کے بعد ان پر حد نافذ کی جائے۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے، اگر کوئی ایسا معاملہ از خود ظاہر ہوگا تو اس پر کارروائی کریں گے۔(۲۳)

۱۵۔۔۔۔۔حضرت عمرؓ کا ایک قول ابن حزم نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے:

''حدود کو شبہات سے ساقط کر دیا کرو۔ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے سزائے موت کو دور رکھا کرو۔''(۲۴)

اس جیسی احادیث مبارکہ کے پیش نظر عموماً فقہا نے بھی حدود کے معاملے میں پردہ پوشی کے پہلو کو ترجیح دی ہے، حتیٰ کہ گواہوں کے لیے بھی اس بات کو پسند کیا گیا ہے ایسی حدود جن میں بندے کے حق کا کوئی تعلق نہیں گواہی دینے سے گریز کریں، البتہ اگر بندے کا حق بھی متعلق ہو تو اس حد تک گواہی دیں جس سے بندے کا حق فوت ہونے سے بچ جائے۔ مثلاً چوری کے معاملے میں یہ کہنے کے بجائے کہ اس نے فلاں کی فلاں چیز چوری کی ہے، یوں گواہی دے کہ اس نے یہ چیز لی ہے، تاکہ نقصان اٹھانے والے شخص کو عدالت کے ذریعے مسروقہ چیز بھی واپس مل جائے اور چور کا ہاتھ بھی نہ کٹے۔

یہاں فقہا نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ حدود کے مقدمات میں گواہی کے بارے میں یہ ہدایت بظاہر نص قرآنی وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (گواہی چھپایا نہ کرو) کے منافی ہے۔ اس کے جواب میں

فقہا نے دو باتیں کہی ہیں، ان سے بھی مسئلے کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ حدود کے معاملے میں پردہ پوشی کی احادیث اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآنی عموم کو مقید کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ مجموعی طور پر یہ روایات خبر مشہور یا خبر متواتر کے درجے تک ضرور پہنچتی ہیں۔ دوسری بات بعض فقہا نے یہ کہی ہے کہ گواہی کو ادا کرنے اور اسے چھپانے کے قرآنی حکم کا اصل منشا بندوں کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانا ہے، لہٰذا جہاں صرف اللہ کے حق کا معاملہ ہو اور بندوں کے کسی حق کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو وہاں یہ حکم غیر متعلق ہوگا۔ (۲۵)

بہر حال اوپر ذکر کردہ احادیث و آثار اور فقہا کی بحثوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حق اللہ کے متعلق حدود میں شریعت کا اصل مزاج یہی ہے کہ ان معاملات کو قانون کے کٹہرے میں نہ لایا جائے۔ ان فواحش و جرائم پر سنگین سزاؤں کا قانون تو ہونا چاہیے لیکن اس قانون کو حرکت میں لانے میں عمومی رویہ انتہائی ہچکچاہٹ کا اور نیم دلانہ ہونا چاہیے۔ دراصل حدود اللہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ واقعتاً ان سزاؤں کے عملاً جاری ہونے کی پوری کوشش اور اس معاملے میں تن دہی کا مظاہرہ کیا جائے، بلکہ یہ قوانین درحقیقت اسلامی ریاست کی طرف سے ان فواحش کے خلاف شدید نفرت کے اظہار اور سخت ترین تیور دکھانے کے مترادف ہیں۔ ان قوانین کے ذریعے اسلامی ریاست ایک تو اس بات کا اظہار و اعلان کرتی ہے کہ ان فواحش کو بالکلیہ فرد کا نجی معاملہ سمجھ کر اس کی پسند و ناپسند پر چھوڑ کر ریاست کو ان سے بالکلیہ لاتعلق نہیں کیا جا سکتا، اسلامی ریاست کی طرف سے ایسے اظہار کی ضرورت آج کے سیکولرزم اور مذہب و اخلاقیات کے سوال کو ریاست سے بالکل الگ تھلگ کر دینے کے ماحول میں پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے۔ دوسرے، اسلامی ریاست اس بات کا اعلان بھی کرتی ہے کہ یہ فواحش اس کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ اس لیے ایسے کسی جرم کی انتہائی شکل کے بلا شک و شبہ انتہائی درجے کے ثبوت کی صورت میں کوئی لچک نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے بلکہ ہونا چاہیے کہ جرم ثابت ہی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمیؓ کو رجم کرنے کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ بھی فرمایا:

اجتنبوا هذه القاذورات التي نهى الله عنها، فمن أثم فليستتر بستر الله، و

ليتب الى الله ،فا نه من يبد لنا صفحته نقم عليه كتاب الله عز و جل

ان گندے گناہوں سے بچو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے،جس سے ایسا گناہ ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی ستاری میں خود کو چھپا لے ،اور اللہ کے سامنے توبہ کر لے،اس لیے کہ جو ہمارے سامنے اپنی گردن کو ظاہر کرے گا یعنی آ کر اقرار کرے گا،ہم تو اس پر اللہ کا حکم جاری کریں گے۔(۲۶)

اسلامی ریاست کا ایک اہم کام معاشرے کی تربیت (امر بالمعروف ،نہی عن المنکر) بھی ہے،اور ایک زیرک اور کامیاب مربی کا تربیت کے بارے میں طریقہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی غلطی کے بارے میں تیور بہت سخت دکھاتا ہے،لیکن جہاں غلطی ہو جائے وہاں حتی الامکان تجاہلِ عارفانہ سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے اور جلدی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ یہ غلطی پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔

اب تک کی بات کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ حدود اللہ والے معاملات کو قانونی مشینری میں ڈالا ہی نہ جائے۔ جہاں اس کے برعکس حکم نظر آرہا ہے،وہ استثنائی صورتیں ہیں۔ یہ استثنائی صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟اس میں ایک تو وہ صورتیں ہیں جن میں معاملہ خالصتاً اللہ کے حق کا نہ رہے بلکہ بندے کا حق بھی متعلق ہو جائے۔اس کے علاوہ ایسی استثنائی صورتوں پر معروف حنفی فقیہ ابن نجیمؒ کی عبارت سے روشنی پڑتی ہے جو اگرچہ طویل ہے لیکن اسے پورا نقل کرنا مفید ہوگا۔مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ خالص حدود اللہ کے معاملے میں گواہوں کا گواہی نہ دینا بہتر اور گواہی دینا مکروہ تنزیہی ہے،اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے ابن نجیم لکھتے ہیں:

وهذا يجب أن يكو ن بالنسبة إلى من لم يعتد الزنا ولم يتهتك به، أما إذا وصل الحال إلى اشا عته و التهتك به،بل بعضهم ربما افتخر به فيجب كون الشهادة ولى من تر كه،لأن مطلو ب الشارع أخلاء الأرض من المعاصي والفواحش با لخطا با ت المفيدة لذلك، وذلك يتحقق بالتوبة من ا لغا فلين و با لز جر لهم، فإذاظهر حا ل الشهر ة في الزنا مثلا

والشرب وعدم المبالاة به وا شاعته فأ خلاء الأرض المطلوب حينئذ بالتوبة احتمال يقابله ظهور عدمها ممن اتصف بذلك فيجب تحقيق السبب الآخر للأخلاء، وهو الحدود خلاف من زني مرة أومرارا مستترا متخوفا متندما عليه فانه محل ستر الشاهد۔(۲۷)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو کہا کہ پردہ پوشی بہتر ہے، یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جو زنا کا عادی، ڈھیٹ اور جری نہ بنا ہو۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جرم کی بہت شہرت ہو چکی ہوتی ہے، مجرم ڈھٹائی کی حد تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات جرم پر فخر بھی کرتا ہے تو ایسی صورت میں گواہوں کا شہادت ادا کرنا پردہ پوشی کے مقابلے میں بہتر ہونا چاہیے۔ کیونکہ شریعت کا مقصود زمین کو فواحش اور معاصی سے پاک کرنا ہے۔ جس شخص سے غفلت کی وجہ سے گناہ سرزد ہوا ہو، اس کے بارے میں یہ مقصد توبہ اور زجر و توبیخ (تعزیر) سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر مجرم گناہ کی شہرت اور ڈھٹائی میں دوسری نوعیت کا ہے تو توبہ سے اس مقصد کا حصول محض ایک احتمال ہی ہے۔ جس کی نفی خود اس کی حالت کر رہی ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کا دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔ یعنی اجرائے حد، برعکس اس شخص کے جو ایک آدھ مرتبہ غلطی کر بیٹھا ہے، یا بار بار کرتا ہے لیکن چھپ چھپا کر، خوف اور ندامت کے ساتھ۔ گواہ کو جو پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے اس کا موقع ایسی صورت ہی ہے۔

عام حالات میں جب جرم بے باکی اور ڈھٹائی (تہتک) کی حد تک نہ پہنچے، پردہ پوشی، تجاہل، اعراض، قانونی کارروائی اور معاملے کو عدالت میں لے جانے سے گریز کی ترغیب کے احکام کے مخاطب جس طرح مسلمان معاشرے کے عام افراد ہیں۔ اسی طرح حکومت و انتظامیہ بھی ان کی مخاطب ہے۔ اس لیے کہ ایک تو اوپر ذکر کردہ احادیث و آثار میں سے کئی کا تعلق براہِ راست حکومت و انتظامیہ سے ہے، مثلاً: ۱۱ تا ۱۴۔ دوسرے ایسے احکام کا خطاب بحیثیت مجموعی مسلمان معاشرے کو بھی ہے جس کی نمائندگی حکومت ہی کرتی ہے، خاص طور پر قرونِ اولیٰ میں انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کی اس طرح کی باقاعدہ شکل نہیں تھی جس طرح آج کل ہوتی ہے، آج کل

مقدمے کے عدالت میں پیش ہونے سے پہلے کے مراحل اس مقدمے کا انتظامی پہلو ہوتے ہیں۔اس لیے مسلمان معاشرے کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے انتظامیہ کو بھی ان احکام کا پابند بنایا جانا چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پردہ پوشی جیسے احکام کو کئی فقہا نے استحبابی قرار دیا ہے، لیکن جب شریعت ''ولاۃ الأمر،، کو اجازت دیتی ہے کہ وہ کسی موقع پر مصلحتِ عامہ کے تحت کسی مباح کام کو لازمی قرار دے دے، تو ایک مستحب میں تو ایسا کرنا کوئی عجیب کام نہیں ہوگا۔ ہمارے زیر بحث حد زنا آرڈیننس میں ایک تو یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ یہ احکام صرف افراد کے لیے ہیں، دوسرا یہ بھی فرض کر لیا گیا ہے کہ کسی مقدمہ کے درج ہونے یا اس کے عدالت میں پیش ہونے سے پہلے رپورٹ کرنے والوں، گواہ بننے والوں اور تفتیش کرنے والوں، سب نے اوپر ذکر کردہ احکام کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو ضرور پورا کر لیا ہوگا۔اس لیے قانون اور قانونی کارروائی سے متعلقہ ضوابط میں ان احکامات کو شامل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، ہمارے معاشرے اور قانونی مشینری کے عام مزاج کے پیش نظر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اوپر ذکر کردہ شرعی ہدایات کو محض لوگوں کی اخلاقی ذمہ داری رہنے دینے کے بجائے انہیں باقاعدہ قانون کا حصہ بنا کر اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ مقدمے کے عدالت میں پہنچنے سے پہلے پہلے ان شرعی احکام کی رعایت کر لی گئی ہوگی۔اسی طرح خود عدالت کو حد لاگو کرنے (imposement) سے پہلے جن جن احتیاطوں کا حکم کتاب وسنت اور فقہا کی عبارات میں دیا گیا ہے، ان کے بارے میں جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ قانون میں ان میں سے جن جن کی رعایت نہیں رکھی گئی، انہیں بھی قانون کا حصہ بنایا جائے۔

دراصل فقہا میں ایک اور مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے جو ہمارے اس موضوع سے متعلق ہے، اور وہ ہے توبہ سے حد ساقط ہونے یا نہ ہونے کا۔اس میں فقہا کا عمومی رجحان اس طرف ہے کہ جب حد عدالتی طور پر ثبوت کے تمام مراحل طے کر لے تو اس وقت توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی، اگرچہ حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں ایک نقطۂ نظر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حد قائم کرنے سے پہلے کسی بھی وقت توبہ کا یقین ہو جائے تو اس سے حد معاف ہو جاتی ہے۔(۲۸) نووی نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد درمیانی راہ نکالتے ہوئے اپنی رائے یہ ذکر کی ہے کہ توبہ اور اصلاحِ عمل کی یقین

دہانی کی صورت میں حد کا اجرا مؤخر کر دیا جائے۔ اگر اس کے طرزِ عمل میں کوئی ایسی چیز نظر آئے جو اصلاحِ عمل کے منافی ہو تو اس وقت اس پر حد جاری کر دی جائے، گویا توبہ کے نام پر بالکلیہ چھوٹ دینے کے بجائے اس پر مسلسل تلوار لٹکتی رہے۔ (۲۹)

بہر حال توبہ سے حدود کے ساقط ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہا کے مختلف نقطہ ہائے نظر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے قانون میں اس موضوع کو چھیڑا ہی نہیں گیا، حتی کہ حرابہ کی سزا جس کے بارے میں خود نص قرآنی میں توبہ کا ذکر ہے اور تمام فقہا کسی نہ کسی صورت میں توبہ کے حد کی معافی میں مؤثر ہونے کے قائل ہیں، اس کے بارے میں بھی متعلقہ آرڈیننس میں توبہ کا کوئی تصور نہیں دیا گیا۔ بہر حال آخری مراحل میں حد زنا میں توبہ کے غیر مؤثر ہونے کے جمہور کے نقطہ نظر کو اپنانے کی صورت میں۔ جیسا کہ ہمارے قانون میں ہے۔ یہ اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ قانونی کارروائی کے ابتدائی اور درمیانی مراحل میں ستر، اعراض، تخلیۂ سبیل اور درء الحدود کے جیسے منصوص احکام قانون میں واضح طور پر منعکس ہوں۔ اب تک قانون میں یہ ایسا خلا ہے جس کی موجودگی میں اسے پورے طور پر اسلامی مزاج کا عکاس قرار نہیں دیا جا سکتا۔

زنا کے مقدمات میں پولیس اور حوالات کا کردار

دیگر مقدمات کی طرح زنا کے مقدمات میں بھی یہ بکثرت ہوتا ہے کہ ملزم کو سالہا سال تک پولیس کی ''حفاظتی'' تحویل میں رہنا پڑتا ہے اور آخر کار پتا چلتا ہے کہ جرم کے کافی ثبوت ہی موجود نہیں ہیں۔ اس لیے وہ بری ہو جاتا ہے، لیکن نچلی عدالت یا اپیل کی عدالت سے بری ہونے تک وہ ''حفاظتی تحویل'' کی شکل میں جرمِ بے گناہی کی کافی سزا بھگت چکا ہوتا ہے۔ ایسی صورتِ حال سے مردوں کو بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، اور عورتوں کو بھی، حد زنا آرڈیننس کی دفعہ (۳) ۵ میں یہ کہا گیا ہے کہ جس ملزم کو ''حد'' کی سزا سنائی جا چکی ہے، لیکن اپیل کی عدالت سے ابھی فیصلہ آنے کا انتظار ہے، ایسے ملزم کے ساتھ اس مجرم سا برتاؤ کیا جائے گا جسے قیدِ بلا مشقت کی سزا سنائی گئی ہو۔ شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ زنا کے ملزم کو اس طرح سے طویل عرصے تک بند رکھنے کی حیثیت کیا ہے؟

فقہا کے ہاں ملزم کو اس پر عائد شدہ الزام کا فیصلہ ہونے تک محبوس رکھنے کا تصور تو ملتا ہے، جسے حبس فی التھمۃ کہا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں پائے جانے والے حفاظتی حبس اور فقہا کے اس تصور میں کس قدر مطابقت ہے اس کو سمجھنے کے لیے درج ذیل امور پر نظر ڈال لینا مناسب ہوگا:

۱۔ جیسا کہ حبس فی التھمۃ کے عنوان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے کہ جس کی عمومی شہرت اور بحیثیت مجموعی اس کے حالات ایسے ہوں کہ جرم کے صدور کے بہت واضح اور قوی امکانات موجود ہوں۔ چنانچہ ابن نجیمؒ نے تصریح کی ہے کہ اس حبس کے لیے اگرچہ جرم کا ثبوت ضروری نہیں لیکن تہمت کا ثبوت ضروری ہے۔ (۳۰) مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اس مسئلے میں حنفیہ کے مذہب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پھر ہمارے نزدیک محض مدعی کے کہہ دینے کی وجہ سے یہ حبس جائز نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص اپنے ماحول اور قبیلے میں بدمعاش اور فسادی سمجھا جاتا ہو۔ (۳۱)

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا یحل و لا یسع أن یحبس رجل بتھمۃ رجل له وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یأخذ الناس بالقذف

اس بات کی کوئی گنجائش اور اجازت نہیں کہ کسی شخص کو محض اس وجہ سے بند رکھا جائے کہ اس پر کسی نے تہمت لگائی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو محض الزام کے تحت نہیں پکڑا کرتے تھے۔ (۳۲)

۲۔ اس حبس کی فقہا نے اجازت اس زمانے میں دی ہے جبکہ مقدمات اتنے طویل نہیں ہوتے تھے جتنے آج کل کے زمانے میں ہوتے ہیں۔ ملزم جس طرح سال ہا سال تک اپنی قسمت کے انتظار میں جیلوں میں پڑا رہتا ہے، اس کا اس زمانے میں تصور بھی نہ تھا۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ ''حبس'' کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس لیے کہ 'حبس شرعی' یہ نہیں ہے کہ اسے جیل کے اندر تنگ جگہ پر بند کر دیا جائے، بلکہ اس

سے مراد صرف یہ ہے کہ اس شخص کو آزادانہ تصرف سے روک دیا جائے، خواہ گھر میں ہو، مسجد میں یا خود فریق مقدمہ کو اس پر (نگرانی کے لیے) مسلط کر کے ہو۔ (۳۳)

ظاہر ہے کہ یہ حبس محدود وقت کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ حنفیہ اور جمہور فقہا کا استدلال اس بات سے ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت کی وجہ سے احتیاطی طور پر محبوس کیا تھا۔ لیکن اسی واقعہ کی بعض روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ اس حبس کا دورانیہ صرف ایک دن اور رات تھا۔ (۳۴) حبس کے معاملے میں فقہا کی احتیاط کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے۔ کتاب أدب القاضی میں جہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ قاضی، قضا کی ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد پہلے پہلے کون سے کام کرے گا، ان میں یہ بھی ہے کہ وہ محبوسین کے معاملے میں غور کرے، اگر کسی کے حبس کی وجہ موجود ہو تو ٹھیک، ورنہ اسے رہا کر دے۔ (۳۵) معروف حنبلی فقیہ بہوتی اس حکم کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لأن الحبس عذاب (۳۶)۔ اب ظاہر ہے کہ اتنے طویل دورانیے تک ثبوت جرم کے بغیر جیل میں رکھنا، ثبوت جرم کے بغیر سزا اور ''عذاب'' دینے کے مترادف ہوگا۔ جو کسی طرح بھی انصاف کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ، ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انما یکثر أهل الحبس لقلة النظر فی أمرهم ، انماهو حبس ولیس فیه نظر ،فمر ولاتک جمیعا بالنظر فی أمر أهل الحبوس فی کل أیام ، فمن کان علیه أدب أدّب و أطلق،ومن لم یکن له قضیّة خلی عنه .

جیلوں میں بند لوگوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ ان کے معاملات پر غور کم ہونا ہے۔ بس جیل میں بند کر لیا جاتا ہے اور ان کے معاملے پر غور نہیں کیا جاتا، لہٰذا اپنے حکام کو اس کا پابند بنائیے کہ وہ ہر روز محبوسین کے معاملے میں غور کریں۔ جو کسی سزا کا مستحق ہو اسے سزا دے کر آزاد کر دیا جائے اور جس کے ذمے کوئی چیز نہ ہو اس کو بھی رہا کر دیا جائے۔ (۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ محض فیصلے کے انتظار میں طویل عرصے تک کسی کو جیل میں رکھنے کا کوئی تصور ان فقہا کے ہاں بھی نہیں ہے جنہوں نے حبس فی التھمة کے جواز کی تصریح کی ہے۔

۳۔ حبس في التهمة کے مسئلے میں ہی حنفیہ کے دلائل کے سلسلے میں ایک اور حدیث پیش کی گئی ہے، جس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی تہمت کی بنا پر بنوغفار کے ایک شخص کو بہت تھوڑے سے وقت کے لیے محبوس رکھا۔ اتنے میں مدعی کا گم شدہ اونٹ مل گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محبوس شخص سے معذرت فرمائی۔ یہ حدیث ابن حزمؒ نے المحلی میں روایت کی ہے اور اس کو مرسل ہونے کی بنیاد پر نا قابل استدلال قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے ''حبس'' کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آں نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر معذرت فرمائی ہے۔ (۳۸) لیکن مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اس حدیث کو حنفیہ کے اصول کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ ابن حزمؒ کی دوسری بات کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

بل و فيه الدليل على جواز حبس المتهم، وعلى استحباب أن يطلب الحاكم منه العفو إذا تبين له براء ته من التهمة

اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ تہمت زدہ آدمی کو حبس میں رکھنا درست ہے۔ اور اس بات کی بھی کہ اگر اس شخص کا تہمت سے بری ہونا واضح ہو جائے تو حاکم کو اس سے معافی مانگنا چاہیے۔ (۳۹)

۴...... عہد فاروقی کا ایک واقعہ بھی یہاں قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ ایک بدکار عورت کے ہاں اجنبی مردوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ جب اسے بتایا گیا کہ امیر المومنین بلا رہے ہیں تو اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ہوئی تو انھوں نے مشورے کے لیے مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا۔ اب معاملہ زیر غور یہ نہیں تھا کہ اس عورت کو بدکاری کی کیا سزا دی جائے۔ یہ معاملہ تو پس منظر میں چلا گیا تھا۔ اب فکر حضرت عمرؓ کو اس بات کی پڑی ہوئی تھی کہ میرے تفتیشی عمل کی وجہ سے اس عورت کو نقصان پہنچا ہے، اس کا کیا ہوگا؟ مشورے میں جمع ہونے والے صحابہ نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کے ذمے کوئی چیز واجب نہیں

ہے۔اس لیے کہ آپ نے یہ سب کچھ نیک نیتی سے کیا، یعنی آپ کا مقصد تو تادیب تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: یہ حضرات جو کچھ کہہ رہے ہیں، اگر تو ان کا مقصد امیر المومنین کی مرضی کی بات کرنا ہے تو یہ گناہ گار ہیں اور اگر ان کے غور وفکر کا منتہا ہی یہ ہے تو ان سے غلطی ہوئی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ امیر المومنین کے ذمے اس ساقط ہونے والے بچے کی دیت واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی تصدیق کرتے ہوئے فوراً اس عورت کو دیت ادا کی۔ (۴۰)

ان دو واقعات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفائے راشدین میں اس بات کا کتنا اہتمام ہوتا تھا کہ تفتیشِ جرم اور مقدمے کی کارروائی میں ملزم کو بے جا زحمت نہ اٹھانا پڑے، پہلے واقعے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معذرت کرنے اور دوسرے واقعے میں تفتیش کی وجہ سے ملزم کو پہنچنے والے نقصان پر تعویض مالی (Compensation) کا ذکر ہے۔ ہمارے ہاں ان مراحل میں ملزم پر وہ کچھ گزر جاتی ہے کہ عرصے تک وہ اور اس کا خاندان اس کے نتائج کی تلخی برداشت کرتا رہتا ہے۔ لیکن دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہوتی جہاں وہ فریاد کر سکے۔ اب یہ نامناسب بات ہوگی کہ عہد رسالت وخلافت راشدہ کی یہ بات تو لے لی جائے کہ تہمت زدہ شخص کو حبس میں رکھا جاتا تھا لیکن اس ملزم کے ساتھ ہمدردی اور اسے بے جا تکلیف ونقصان سے بچانے کے جو پہلو سامنے آرہے ہیں انہیں نظر انداز کر دیا جائے۔ گویا عہد رسالت ودور خلافت راشدہ اور فقہ اسلامی میں جس طرح کے ''حبس فی التہمہ'' کا ذکر ہے موجودہ حالات میں اس پر عمل ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔

یہاں ہو سکتا ہے بعض ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ اس طرح تو کئی ملزم قانون کے کٹہرے سے بچنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، واقعی اس بات کا خطرہ ضرور ہے لیکن کسی بے گناہ ملزم کو پولیس اور حوالات کی بے جا اذیتوں سے بچانا، واقعتاً کسی مجرم کو قابو میں رکھنے سے زیادہ اہم ہے۔ ملزم کو قابو رکھنے میں اتنے زیادہ اہتمام کی ضرورت ایسے مقدمات میں تو کسی حد تک قابل فہم ہو سکتی ہے جہاں بندے کا حق بھی متعلق ہو، زنا بالرضا جیسے مقدمات میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ کوئی

ملزم ایسا ہو جس کے سنگین اثراتِ بد سے معاشرے کو بچانا ضروری ہو تو ایسی استثنائی صورت کی پوری وضاحت کے ساتھ بطور استثنا اسے قابل دست اندازی پولیس قرار دینے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

حدزنا سے متعلق ضابطے کے بنیادی خدوخال

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں حدزنا کے مقدمات کے قانونی طریق کار کے بنیادی خدوخال یہ ہونے چاہییں:

۱۔ مقدمہ درج کر کے عدالت میں چالان پیش کرنا درحقیقت **رفع الحد الی الامام** کی جدید شکل ہے۔اس سے پہلے قانون میں کوئی ایسی اتھارٹی طے کی جائے جو اس مرحلے سے پہلے اس بات کا جائزہ لے کہ کیا واقعی ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں جو اوپر ذکر کردہ احادیث مبارکہ اور فقہا کی تصریحات کے مطابق اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ملزم کو عدالت میں پیش کر کے سزا دلوانے کا اہتمام کیا جائے؟ یہ اتھارٹی کون ہو؟ اونچے رینک کا پولیس آفیسر ہو، انتظامی مجسٹریٹ ہو یا عوامی نمائندوں میں سے کوئی ہو؟ اس پر قانونی زندگی کا تجربہ رکھنے والوں کو غور کرنا چاہیے۔

۲۔ قانون میں اس طرح کی مجوزہ اتھارٹی کو واضح ہدایات بھی دی جائیں کہ وہ مذکورہ بالا فیصلہ کرنے میں کن کن امور کی رعایت رکھے گا، مثلاً یہی کہ مجرم کی شکایت پہلی دفعہ آئی ہے، ملزم اپنے فعل پر نادم ہے اور تائب ہے یا نہیں۔

۳۔ عدالت کو بھی اس بات کا اختیار ہو کہ اگر وہ محسوس کرے کہ ابتدائی مراحل میں ان امور کی رعایت نہیں رکھی گئی تو وہ ''اعراض'' سے کام لیتے ہوئے مقدمے کی سماعت سے انکار کر دے کہ اس کے پاس کرنے کے لیے اور بہت سے کام ہیں۔

حدزنا اور غیر مسلم

حدزنا آرڈیننس پر کچھ اعتراضات اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے کیے جاتے ہیں، کچھ اعتراضات تو نظریاتی نوعیت کے ہیں۔ان کا اقلیتوں کو پیش آنے والی عملی مشکلات سے خاص تعلق نہیں ہے، مثلاً یہ کہ دفعہ ۸(۱) کی رو سے حدود کے مقدمات میں غیر مسلم کی مسلمانوں کے خلاف

گواہی معتبر نہیں۔ نیز دفعہ ۲۱ کی رو سے یہ ضروری ہے کہ حد کے مقدمے میں فیصلہ کرنے والی عدالت کا سربراہ مسلمان ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر فیصلہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے تو جج کا مسلمان ہونا کسی غیر مسلم کے لیے کسی عملی مشکل کا باعث نہیں ہے۔ بعض مسیحیوں کو بعض اوقات اپنے پرسنل لا کے تحت طلاق حاصل کرنے کے لیے بیوی کو اپنے خاوند پر بدکاری کا الزام لگا کر ثابت بھی کرنا پڑتا ہے۔ (۴۱) جس کی وجہ سے میاں بیوی میں سے کسی ایک کو زنا یا قذف کے مقدمے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس مسیحی قانون کی معقولیت یا غیر معقولیت پر بحث کیے بغیر اور اس سوال سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ حقوقِ خواتین کی علم بردار تنظیموں کی طرف سے ایسے قانون کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھائی گئی جو مسیحی خاتون کے لیے اپنے خاوند سے چھٹکارا حاصل کرنا اتنا مشکل بناتا ہے۔ حالانکہ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی دفعہ ۱۶ مرد وعورت دونوں کو نکاح اور فسخ نکاح کا برابر اختیار دیتی ہے۔ ان باتوں سے قطع نظر یہاں اس سوال کا جائزہ لینا مقصود ہے کہ کیا شرعاً اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں پر بھی حد زنا جاری کرے؟ اس سلسلے میں مالکیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حد زنا صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ غیر مسلموں پر زنا کی دونوں قسم کی حد یعنی غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم میں سے کوئی بھی لاگو نہیں ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک حد زنا میں غیر مسلم کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے مجرم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں صورتوں میں اسے سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غیر مسلم پر بھی مسلمان والی ہی حد زنا جاری ہوگی، یعنی محصن ہونے کی صورت میں رجم، اور غیر محصن ہونے کی صورت میں سو کوڑے۔ اس بات پر مسلمان فقہا اور مفکرین کا عموماً اتفاق رہا ہے کہ مجتہدین کا اختلاف امت کے لیے باعث رحمت ہے۔ اس لیے اگر کہیں مخصوص حالات کی وجہ سے ایک مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو تو دوسرے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ کچھ تو بین الاقوامی ماحول اور کچھ حد زنا اور حد قذف کی وجہ سے۔ بعض غیر مسلم اقلیتوں کو پیش آنے والی بعض مشکلات کے پیشِ نظر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مقننہ کے لیے یہ بہتر ہوگا کہ وہ اس مسئلے میں

فقہ مالکی کو اختیار کرتے ہوئے حدزنا اور حدقذف کو مسلمانوں کے ساتھ خاص کر دے؟ اس سوال کا جائزہ لینے سے پہلے ایک اور مسئلے پر ذرا تفصیل سے نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، جسے پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے مسئلے کی صحیح تصویر سامنے نہیں آتی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا ہے کہ اگر یہودی آپ کے پاس کوئی مقدمہ لے کر آئیں تو آپ کو اختیار ہے آپ چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں اور چاہیں تو اس سے انکار کر دیں، البتہ فیصلہ کرنے کی صورت میں ضروری ہوگا کہ عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کریں۔(المائدۃ:۴۲)اس آیت کی روشنی میں فقہا میں یہ بحث چلی ہے کہ اسلامی ریاست کے شہری غیر مسلموں کے معاملات میں مسلمان حاکم کو فیصلہ کرنے کے کیا اختیارات حاصل ہیں۔فقہ مالکی کے مطابق وہ امور جن کا بندوں کے حقوق سے تعلق نہیں ہے ان میں اگر غیر مسلم ازخود اپنا معاملہ عدالت کے پاس لے کر نہیں آتے تو مسلمان عدالت یا حاکم کو اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔اور اگر وہ ازخود باہمی رضامندی سے ایسا معاملہ مسلمان حاکم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے لے کر آتے ہیں تو حاکم کو اختیار ہے، چاہے تو خود فیصلہ کرنے کے بجائے انہیں اپنے مذہبی راہنماؤں کی طرف رجوع کرنے کا کہے اور چاہے تو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ان میں فیصلہ کر دے پہلا راستہ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔(۴۲) چنانچہ فقہ مالکی کی اساسی کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے کہ سحنون سے پوچھا گیا کہ اگر مسلمان مرد اور غیر مسلم عورت زنا کا ارتکاب کرلیں تو کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ امام مالک کا کہنا یہ ہے کہ مسلمان پر حد جاری کی جائے گی اور غیر مسلم کو ان کے ہم مذہب لوگوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔سحنون سے پوچھا گیا: اگر ان کے مذہب کے لوگ انہیں رجم کرنا چاہیں تو؟ سحنون نے کہا: میں نے امام مالک سے صرف اتنا سنا ہے کہ اسے اس کے ہم مذہب لوگوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔وہ اپنے مذہب کے مطابق رجم کرنا چاہیں تو انہیں منع نہیں کرنا چاہیے۔اس لیے کہ یہ بھی ان کے ''ذمہ'' کے وفا کا ایک تقاضا ہے یعنی بحیثیت غیر مسلم اقلیت ان کا حق ہے کہ انہیں اپنے درمیان اپنے دین پر عمل کرنے سے روکا نہ جائے۔(۴۳)

امام شافعی کے اس مسئلے میں دو قول ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الأم میں جزیے کے باب میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگر کسی معاملے کے فریقین اپنی رضا مندی سے اپنا مقدمہ مسلمان حاکم کے پاس لے کر آئیں یا ان میں سے صرف ایک فریق آئے اور مسئلہ صرف حلال وحرام کا نہ ہو بلکہ بندے کا حق بھی اس سے متعلق ہو تو مسلمان حاکم پر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے۔ اس معاملے میں اسے کوئی اختیار نہیں ہے۔(۴۴) لیکن الأم کی کتاب الحدود میں امام شافعی نے اس مسئلے پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر غیر مسلم از خود زنا وغیرہ کا مقدمہ لے کر مسلمان حاکم یا جج کے پاس آئیں، تب بھی حاکم کو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنے یا انہیں اپنے ہم مذہب لوگوں کے حوالے کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ امام شافعی کا کہنا ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت ۴۲ سے جو اختیار معلوم ہو رہا ہے اس کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس ایسے دلائل موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختیار باقی ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ کے ایک گورنر محمد بن ابی بکر نے ایک دفعہ خط کے ذریعے حضرت امیر المومنینؓ سے چند استفسارات کیے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک مسلمان مرد اور غیر مسلم عورت نے زنا کیا ہے، ان سے کیا برتاؤ کیا جائے؟ حضرت علیؓ نے جواب میں یہ لکھا کہ مسلمان مرد پر حد جاری کی جائے اور غیر مسلم عورت کا معاملہ ان کے ہم مذہب لوگوں پر چھوڑ دیا جائے۔(۴۵)

امام شافعی حضرت علیؓ کے اس اثر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر مسلمان حکومت پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ غیر مسلموں پر بھی حد جاری کرے تو اس مقدمے میں اس غیر مسلم عورت پر خاص طور پر حد ضرور جاری کی جاتی۔ اس لیے کہ بظاہر یہ بات قرینِ انصاف نہیں معلوم ہوتی کہ ایک ہی جرم کے دو برابر کے شریکوں میں سے ایک پر حد جاری ہو اور دوسرے پر نہ ہو۔ اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مسلمان حکومت مسلمانوں پر اس طرح کے احکام لاگو کرنے کی پابند ہے، غیر مسلموں پر نہیں۔ مزنی کے علاوہ دیگر شافعیہ نے امام شافعی کے اسی مؤخر الذکر نقطۂ نظر کو اختیار کیا ہے۔(۴۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر غیر مسلم از خود اس بات پر رضا مندی کا اظہار کریں کہ زنا

کے معاملات میں شرعی حدود کے مطابق ان میں فیصلے کیے جائیں تو امام شافعی کے اس مسئلے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی صورت میں مسلمان حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی قوانین کے مطابق ان میں فیصلے کرے۔ لیکن جس نقطۂ نظر کو بیش تر شافعیہ نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مسلمان حاکم کے لیے گنجائش ہے کہ وہ ان پر اسلامی قانون لاگو نہ کرے۔ لیکن شافعیہ کے دونوں قولوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ اگر وہ ازخود اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے کروانے پر رضامندی کا اظہار نہ کریں تو ان پر حدود جاری نہیں کی جائیں گی۔

امام احمد کا مذہب اس سلسلے میں کیا ہے؟ اس پر بحث کرتے ہوئے معروف حنبلی فقیہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ اگرچہ بعض لوگوں نے امام احمد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کسی مقدمے کا فیصلہ کرانے کے لیے ازخود مسلمان حاکم کے پاس آئیں تو وہ اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہوگا۔ لیکن امام احمد سے جو تصریح منقول ہے وہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مسلمان حاکم کے لیے گنجائش ہے کہ وہ ان میں فیصلہ نہ کرے۔ اگر فیصلہ کرنا ہو تو شرعی حکم کے مطابق کرے گا۔ لیکن امام احمد سے یہ دو روایتیں اس صورت میں ہیں جبکہ وہ ازخود اس طرح کا معاملہ مسلمان حاکم کے پاس لے کر آئیں اور اس سے ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے کے خواہش مند ہوں، اگر ان کی طرف سے ایسی بات نہ پائی جائے تو ابن قدامہ کہتے ہیں:

قال أحمد : لايبحث عن أمرهم ولايسأل عن أمرهم إلا أن يأتوهم ،فإن ارتفعوا إلينا أقمنا عليهم الحد، على مافعل النبي صلى الله عليه وسلم ...... ولايدعوها الحاكم ،فإن جاؤا حكمنا بحكمنا۔

امام احمد کہتے ہیں کہ مسلمان حاکم ان کے معاملات کے بارے میں بحث اور جستجو نہیں کرے گا، الا یہ کہ وہ ازخود اپنا معاملہ لے کر مسلمان حاکم کے پاس آئیں، ایسی صورت میں ہم ان پر حد جاری کریں گے، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا...... مسلمان حاکم انہیں (زانی اور زانیہ کو) ازخود بلائے، ایسا نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ

ازخود آئیں تو ہم اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔(۴۷)

اب تک کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ مالکیہ کے ہاں تو غیر مسلم پر حدزنا جاری ہی نہیں کی جائے گی۔شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں جو کہا گیا ہے کہ ان پر دونوں قسم کی حد یعنی سو کوڑے اور رجم جاری ہوگی۔یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے کے خواہش مند ہوں۔اسلامی ریاست ازخود ان پر حد زنا جاری کرنے کا بندوبست کرے اس کا ان تین فقہوں میں تصور نہیں ہے۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ فقہ حنفی کی اس مسئلے میں پوزیشن کیا ہے؟ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک غیر مسلم زانی اور زانیہ کو سو کوڑوں کی سزا تو دی جائے گی لیکن چونکہ ''محصن'' ہونے کے لیے حنفیہ کے ہاں مسلمان ہونا بھی شرط ہے اس لیے غیر مسلموں کو حد زنا کے طور پر رجم نہیں کیا جائے گا۔البتہ قرطبی نے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ اگر زانی اور زانیہ غیر مسلم ہوں تو ان پر حد جاری نہیں ہوگی۔حنفیہ کی عام کتابوں میں امام ابوحنیفہ کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے کہ انہیں کوڑوں کی سزا دی جائے گی، رجم نہیں کیا جائے گا۔اسے قرطبی نے امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے ایک روایت قرار دیا ہے۔(۴۸)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حنفیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے نزدیک غیر مسلم پر حد زنا جاری کرنے کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ وہ ازخود اس طرح کا معاملہ مسلمان عدالت کے پاس لے کر آئیں۔(۴۹) ابن حجر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو معروف حنفی فقیہ ابوبکر جصاص نے أحکام القرآن میں کہی ہے۔ان کی اس بات کو دیکھنے سے پہلے یہ ذہن میں رکھ لینا مناسب ہوگا کہ غیر مسلموں کے درمیان فیصلہ کرنے کے بارے میں قرآن کریم کی سورہ مائدہ کی آیت ۴۲ میں ہے:

فَإِنْ جَآءُ وْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ

''اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں یا ان سے اعراض کریں۔''

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ زنا جیسے معاملات اگر غیر مسلم، مسلمان حاکم کے پاس لے کر

آئیں تو اس کے لیے فیصلہ کرنے یا نہ کرنے اور شرعی حکم لاگو کرنے یا نہ کرنے دونوں کی گنجائش ہے، لیکن اسی سورہ میں آگے چل کر آیت ۴۸ میں کہا گیا ہے: وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی ''ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کیجیے'' اس میں بغیر کسی اختیار اور دوسری گنجائش کے فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس دوسری آیت کی وجہ سے پہلی آیت میں دی گئی گنجائش منسوخ ہوگئی ہے یا نہیں؟ اس میں شروع ہی سے علما میں دونوں آرا رہی ہیں۔ ابوبکر جصاص نے یہاں حنفیہ کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے ایک تیسری رائے ظاہر کی ہے۔ وہ یہ کہ پہلی آیت میں دو چیزیں ہیں۔ ایک فان جاء وک سے سمجھ میں آنے والی شرط ہے اور دوسری فاحكم بينهم أو أعرض عنهم سے سمجھ میں آنے والا اختیار اور گنجائش ہے۔ دوسری آیت سے پہلی آیت کی دوسری بات یعنی فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار منسوخ ہوا ہے۔ پہلی چیز یعنی ان کی طرف سے ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے پر آمادگی کی شرط برقرار ہے۔ اب دونوں آیتوں کو ملا کر نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان حکومت ان پر حکم شرعی لگانے کی پابند تب ہے جبکہ وہ از خود اس مقصد کے لیے مسلمان حکومت کی طرف رجوع کریں۔ (۵۰)

جصاص کی اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حنفیہ کا نقطۂ نظر بھی اس مسئلے میں وہی ہے جو شافعیہ اور حنابلہ کا بیان ہوا۔ یعنی ان مذاہب میں اگرچہ غیر مسلم پر بھی حد زنا جاری کرنے کا تصور موجود ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ غیر مسلم از خود ہماری طرف رجوع کریں۔ اگر وہ اس طرح کے معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے ہم مذہب جج سے فیصلے کرانے کے خواہش مند ہوں تو زبردستی ان پر اسلامی قانون لاگو نہیں کیا جائے گا۔ پھر جو بات اوپر ابوبکر جصاص سے نقل کی گئی ہے، وہی بات ایک دوسرے معروف حنفی فقیہ کاسانی نے بھی اپنی معروف کتاب بدائع الصنائع میں کہی ہے۔ (۵۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے چاروں معروف مذاہب میں سے کسی کی رو سے بھی اسلامی ریاست اس بات کی پابند نہیں ہے کہ وہ حلال وحرام کے معاملات میں از خود ان پر شرعی احکام اور حد زنا وغیرہ نافذ کرنے کا انتظام واہتمام کرے اور اس طرح کی کوئی قانون سازی

کرے، بلکہ فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کی رو سے تو غیر مسلموں کی طرف سے ایسا تقاضا ہونے کی صورت میں بھی اسلامی ریاست اس بات کی پابند نہیں ہے۔

البتہ یہاں دو باتیں قابلِ وضاحت ہیں۔ایک تو یہ کہ یہ حکم ''دیانات'' یعنی خالص حلال وحرام کے مسائل کے بارے میں ہے جیسے زنا بالرضا اور شراب نوشی وغیرہ، جہاں مقدمے کی نوعیت ایسی ہو کہ اس میں کسی بندے کی حق تلفی اور ظلم ہو جیسے چوری، ڈاکا اور زنا بالجبر وغیرہ، ان میں غیر مسلموں پر بھی مسلمانوں کا پبلک لا نافذ ہوگا۔(۵۲) دوسری بات یہ کہ خالص حلال وحرام کے معاملے میں حد واجب نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح کے امور میں سرے سے انہیں سزا ہی نہیں دی جائے گی، بلکہ جن فقہا نے حد جاری نہ کرنے کی تصریح کی ہے انہوں نے ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ زنا اور شراب نوشی جیسے کام اسلامی معاشرے میں کھلم کھلا کریں، یا ایسے انداز سے کریں کہ مسلمان معاشرے بالخصوص ناپختہ نوجوانوں پر برے اثرات مرتب ہوں تو ان کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا۔اگر چہ وہ اسے اپنے مذہب میں جائز ہی سمجھتے ہوں۔اگر روکنے کے لیے تعزیری سزا دینا پڑے تو یہ بھی کیا جائے گا۔(۵۳)

غیر مسلموں پر خود ان کے مطالبے اور تقاضے کے بغیر حد زنا نافذ نہ کرنا اس لیے بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں یہ ایک طے شدہ ضابطہ ہے جس کا حوالہ خصوصاً فقہائے حنفیہ نے بہت کثرت سے دیا ہے أمرنا بترکھم و مایدینون ۔(۵۴) یعنی ''ہم اس بات کے پابند ہیں کہ ان کے خالص دینی معاملات میں مداخلت نہ کریں''۔کون سی چیز جائز ہے اور کون سی ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس میں قباحت اور برائی کتنی ہے؟ اس کا فیصلہ اپنے اپنے مذاہب کے مطابق وہ خود کریں گے۔اس لیے ہمیں نہیں چاہیے کہ ہم اپنے دینی تصورات کے مطابق کسی کام کو سنگین گناہ قرار دے کر اس کے ارتکاب پر انہیں سنگین سزائیں دیں۔البتہ یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ فقہ حنفی کے بعض مراجع میں جہاں ان کے مذہبی امور و تصورات میں عدم مداخلت کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہیں زنا اور سود کا اس سے استثنا بھی کیا گیا ہے۔اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کام ان کے مذہب میں بھی حرام ہیں۔اس کا جواب

یہ ہے کہ اول تو اس استثنا کا نتیجہ صرف اتنا نکلتا ہے کہ انہیں مسلمان ریاست میں اس طرح کے کام کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ حد جاری کرنے یا نہ کرنے کی بات ہی نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ حد جاری کرنے کے علاوہ بھی منع کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ سرخسی کی السیر الکبیر میں ہے: کل قرية من قرى أهل الذمة أظهروا فيها شيئا من الفسق مما لم يصالحوا عليه مثل الزنا والفواحش فانهم يمنعون من ذلك كله......فانهم يعتقدون الحرمة في ذلك كما يعتقده فيه المسلمون (۵۵) اس عبارت میں ایک تو زنا وغیرہ فواحش کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کاموں کو علانیہ کرنے کی بات کی گئی ہے۔ دوسرے ان کے مذہب میں بھی ان کے حرام ہونے کا تقاضا صرف اتنا بیان کیا ہے کہ انہیں ایسے کام کھلم کھلا کرنے سے منع کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز سے منع کرنا اور بات ہے اور حد واجب ہونا اور چیز ہے۔ اس لیے کہ حد کا تعلق محض حرمت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ حرمت کے خاص درجے کے ساتھ ہے۔

دوسرے یہ کہ دیانات کے مقدموں میں غیر مسلموں پر اسلامی فیصلے لاگو کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فقہا میں جو بحث چلی ہے اور جس کا خلاصہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بحث سورہ مائدہ کی آیات کی روشنی میں ہوئی ہے، اور ان آیات کا شانِ نزول ہی یہودیوں کے زنا کا واقعہ ہے، لہٰذا زنا کے مقدمات کو اس بحث سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان کی طرف سے حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کرانے کی خواہش کے بغیر ان پر حد زنا جاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر یہ بات بھی یہاں قابل لحاظ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غیر مسلموں پر حد زنا کا صرف ایک ہی واقعہ ملتا ہے۔ اور وہ ہے یہودی زانی اور زانیہ کو رجم کرنے کا واقعہ۔ اس واقعے میں یہ بات واضح طور پر تقریباً تمام روایات میں موجود ہے کہ یہودی اس مقدمے کا فیصلہ کرانے کے لیے از خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔

غیر مسلموں پر حد زنا جاری نہ کرنے کی تائید خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے فرمان سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ نے مسلمان زانی پر حد جاری کرنے اور اس کی شریک جرم نصرانی عورت کو اس کے اہل مذہب کے حوالے کرنے کا حکم دیا تھا۔ (۵٦)

حاصل بحث

یہ کہ حدزنا آرڈیننس کو مسلمانوں کے پرسنل لا کے طور پر نافذ کیا جانا چاہیے اس لیے کہ یہ فقہ مالکی کے عین مطابق ہے، اور مخصوص حالات کے پیش نظر مقننہ کو متعلقہ ملک میں مروجہ فقہ کے علاوہ کسی دوسری مسلمہ فقہ کا نقطۂ نظر اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ حدزنا آرڈیننس کو مسلمانوں کے پرسنل لا کے طور پر نافذ کرنا فقہ حنفی، شافعی اور حنبلی کے بھی خلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان فقہوں میں بھی اسلامی ریاست کو اس بات کا پابند نہیں بنایا گیا کہ وہ غیر مسلموں پر از خود حدِ زنا جیسے احکام نافذ کرے۔

یہ خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کے فیصلے کے بھی مطابق ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت ۴۲ اور آیت ۴۸ کا تقاضا بھی یہی ہے۔

شریعت کا عام اصول ہے کہ خالص دیانات (حلال وحرام) کے مسائل میں غیر مسلموں پر حکم شرعی لاگو نہیں کیا جائے گا۔ انہیں صرف فواحش کے علانیہ ارتکاب اور مسلمان معاشرے کو خراب کرنے سے روکا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے حد کے بجائے تعزیر کافی، بلکہ ثبوتِ جرم میں آسانی کی وجہ سے زیادہ کارآمد ہے۔ حدزنا آرڈیننس کو مسلم پرسنل لا کے طور پر نافذ کرنے سے بعض اقلیتوں کا جو یہ خیال ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں مشکلات پیش آرہی ہیں اس کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی حدقذف آرڈیننس کو بھی مسلمانوں کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ حدِ قذف درحقیقت حدزنا ہی کی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ اگر کسی غیر مسلم پر بدکاری کا جھوٹا الزام لگتا ہے تو اسے صرف مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کی ازالۂ حیثیت عرفی یا جھوٹی رپورٹ درج کرانے کے بارے میں دفعات کے تحت دادطلبی کرنا چاہیے۔

زنا کی سزا میں شبے کا تصور

پاکستان میں مروج حدزنا آرڈیننس میں دو قسم کے زنا کی تعریفیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک زنا دوسرا "زنا موجب حد"، حوالے کی آسانی کے لیے ہم پہلی قسم کو "زنا موجب تعزیر" سے تعبیر کر سکتے ہیں، شبے کے تصور کے حوالے سے دونوں پر یہاں مختصراً کچھ کہنا ہے۔

جہاں تک ''زنا موجب حد'' میں شبے کا تعلق ہے تو حنفیہ سمیت فقہا کی اکثریت ''شبہ'' کے عنصر کو حد ساقط کرنے کا ایک سبب مانتی ہے اور بقول ابن حزمؒ، حنفیہ شبہات کی وجہ سے حد ساقط کرنے میں سب سے نمایاں ہیں۔ حد زنا آرڈیننس میں بھی ''شبہ'' کے تصور کی رعایت کرتے ہوئے دفعہ 5(1) میں یہ لفظ شامل کیے گئے ہیں:

to whom he is not ,and does not suspect himself to be married

اسی طرح کے لفظ اگلی ذیلی شق میں عورت کے حوالے سے ذکر کیے گئے ہیں، لیکن ''شبہ'' کے بارے میں چند باتیں قابل توجہ ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح ''محصن''، ''زنا'' اور ''حد'' جیسے اصطلاحی الفاظ کو بعینہ قانون میں لے لیا گیا ہے۔ ''شبہ'' بھی ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اس لیے اس کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کے بجائے بعینہ یہ لفظ قانون میں ہونا چاہیے۔ اصطلاحی لفظ کو اسی طرح قانون میں شامل کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی تشریح کے سلسلے میں خود بخود اسلامی مصادر کی طرف رجوع کا راستہ کھلتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس قانون کے مخاطب اگر ایسے لوگ ہوں جنہیں فقہ اسلامی میں پوری مہارت حاصل ہے تو قانون میں ''شبہ'' کا لفظ ذکر کرنا بھی کافی ہوسکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں عملاً ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ہمارے ہاں قانون ایسے لوگوں کے ذریعے نافذ ہونا ہوتا ہے جنہوں نے اسلامی قانون کو ایک ضمنی مضمون کے طور پر پڑھا ہوتا ہے یا اس کا کوئی مختصر کورس کیا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے خاص طور پر نچلی عدالتوں میں قانون کے اطلاق میں غلطیاں واقع ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس طرح کے کئی تجربات پہلے بھی حدود آرڈیننس کے سلسلے میں ہوچکے ہیں۔ بجائے اس کے کہ پہلے نچلی عدالتیں غلط فیصلے صادر کریں اور سال ہا سال تک اعلیٰ عدالتوں کی طرف سے ان غلطیوں کے ازالے کا انتظار کیا جائے، شروع ہی سے قانون کی تسوید اس انداز سے ہو کہ ایسی غلطیوں کے امکانات کم سے کم باقی رہیں۔ اس لیے قانون ہی میں ''شبہ'' کے تصور کی تفصیل اور وضاحت آجانا مناسب ہے۔ نیز قانون کے مذکورہ لفظوں کا بظاہر مطلب یہ بن رہا ہے کہ

شبہ وہ معتبر ہے جو ملزم کے ذہن میں ہو، بذات خود وقوعہ میں شبے کا عنصر موجود ہونا کافی نہیں ہے۔

تیسری بات یہاں یہ قابل ذکر ہے کہ زنا آرڈیننس کی دفعہ۲ (الف) کی رو سے بلوغت میں جسمانی اور طبعی بلوغت (puberty) کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، لہٰذا اگر لڑکے کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کی سولہ سال سے کم ہے لیکن جسمانی طور پر وہ بالغ ہے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ اس پر بھی بعض حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بلوغت کی اس تعریف کی وجہ سے بہت چھوٹی عمر کا لڑکا یا لڑکی بھی اس قانون کی زد میں آ جائے گا۔ خصوصاً ہمارے زمانے میں بچے جسمانی طور پر جلدی بالغ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ عمر عقل وشعور کے اعتبار سے بہت ہی ناپختگی کی ہوتی ہے۔ اس عمر میں انہیں اتنی بڑی سزا کا مستحق ٹھہرانا، قرین انصاف معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے اس آرڈیننس میں ذکر کردہ بالغ (Adult) کی تعریف تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں اس بحث کا تذکرہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس موضوع پر بلوغت کے معیار کے بجائے ''شبہ'' کے نقطۂ نظر سے بھی غور ہو سکتا ہے۔ ایک تو اس حوالے سے کہ فقہا کے ہاں حرمت کا علم نہ ہونا بالخصوص نو مسلم کے لیے شبہ شمار کیا گیا ہے۔ دوسرے بالخصوص بچی کے حوالے سے کہ اس میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس عمل میں اس کی رضا مندی شامل نہ ہو اور ماحول کا اس پر ایسا دباؤ ہو کہ وہ مزاحمت بھی نہ کر سکے۔ اور بعد میں بھی شدید نفسیاتی تناؤ کی وجہ سے صورت حال پورے طور پر واضح نہ کر سکے۔ چنانچہ جدید ماہرین نفسیات نے کچھ عرصے سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی خواتین کی اس طرح کی ذہنی کیفیت پر باقاعدہ ایک مرض کے طور پر غور شروع کر دیا ہے۔ (۵۷) یہ بھی ذہن میں رہے کہ عورت کو حد زنا سے بری کرنے کے لیے اصطلاحی معنی میں اکراہ کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، ''عدمِ رضامندی'' کا عنصر کسی بھی درجے میں پایا جانا کافی ہے۔ اس کے پیش نظر اہل علم کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ کیا اٹھارہ سال سے کم عمر بالخصوص بچی کی کم عمری ''شبہ'' کا باعث بن سکتی ہے یا نہیں۔ کیا اسے زنا بالرضا کی مرتکب قرار دینا خلاف احتیاط نہیں ہوگا۔

زنا موجب تعزیر میں شبے کا عنصر

ہمارے قانون میں زنا (موجب تعزیر) میں شبہ کا عنصر ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ زنا کی تعریف

میں Validly married کے لفظوں کی موجودگی نے زنا موجب تعزیر میں شبہ کے عمل دخل کا دروازہ نہ صرف بند کر دیا ہے بلکہ بعض نچلی عدالتوں میں ایسی صورتوں میں بھی میاں بیوی کو زنا کی سزا سنائی گئی ہے جن میں زوجین کے درمیان شرعاً نکاح صحیح موجود تھا۔لیکن قانوناً وہ ابھی پچھلے خاوند کی منکوحہ تھی۔مثلاً ایک عیسائی عورت مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے نکاح کر لیتی ہے اور سابقہ عیسائی خاوند ان پر زنا کا مقدمہ درج کرا دیتا ہے۔یا ایک شخص اپنی بیوی کو زبانی طلاق دے دیتا ہے اور وہ عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیتی ہے۔اگرچہ اعلیٰ عدالتوں نے ان فیصلوں کو برقرار نہیں رکھا اور یہی قرار دیا ہے کہ اگر کوئی نکاح شرعاً درست ہو اگرچہ قانون اسے تسلیم نہ بھی کرے تو حدود آرڈیننس کے معاملے میں اسے ''جائز شادی'' ہی قرار دیا جائے گا۔(۵۸) اعلیٰ عدالتوں کے اس طرح کے فیصلوں نے کافی حد تک مشکلات کو کم تو کر دیا ہے لیکن پھر بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ''شبہ فی الزنا'' کی درجہ بندی کی جائے۔بعض اوقات شبہ اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ وہ محض ''شبہ'' نہیں رہتا بلکہ ''عذر'' کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔اس میں نکاح فاسد کی بعض صورتیں داخل ہو سکتی ہیں جس میں نکاح کرنے والوں کو اس کے فاسد ہونے کا علم نہ ہو، یا نکاح غیر صحیح بلکہ باطل ہو لیکن اس کی وجہ امر واقعہ سے لاعلمی بنی ہو۔مثلاً غلطی سے کسی دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کر لیا، یا بے محل جنسی عمل ایسا ہو جس میں ''نسیان'' کا عنصر موجود ہو مثلاً اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دے چکا ہو، لیکن وہ عدت کے دوران خاوند ہی کے گھر میں رہائش پذیر ہے۔ایسی حالت میں وہ جنسی عمل کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہمیں طلاق دینا یاد نہیں رہا تھا، تو یہ اس معروف حدیث مبارکہ کے تحت آجائے گا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وہ کام معاف کر دیے ہیں جو جبر، غلطی یا بھول چوک کی وجہ سے ہوں۔(۵۹) یا مثلاً انہیں طلاقِ رجعی اور طلاقِ بائن کا فرق معلوم نہیں تھا، اس لیے وہ اس جنسی عمل کو رجوع سمجھتے رہے۔مرد و عورت میں رضاعت کی وجہ سے حرمت کا ایسا دقیق رشتہ تھا جسے فقہی مہارت رکھنے والا ہی سمجھ سکتا تھا۔انہوں نے لاعلمی کی وجہ سے نکاح کر لیا۔اس صورت میں قانون حد کو تو واضح طور پر معاف کر رہا ہے لیکن تعزیر کی معافی واضح نہیں بلکہ زنا کی تعریف میں Validly

married کے لفظ بظاہر سزا کا تقاضا کر رہے ہیں۔

دوسری قسم کے شبہات وہ ہیں جن میں ''عذر'' کا عنصر واضح نہیں ہوتا۔ معمولی ''شبہ'' کی وجہ سے اگر چہ حد ساقط ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود جرم اور گناہ کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ جیسے کسی عورت سے گناہ کے لیے اجارہ کرنا، ایسی محرم عورت سے نکاح کرنا جس کا محرم ہونا بہت واضح ہو۔ ظاہری حالات کے تحت غالب گمان یہی ہے کہ ملزم کو بھی حرمت کا علم تھا۔

دوسری قسم کے شبہات کا اثر تو صرف حد ساقط کرنے تک ہونا چاہیے۔ لیکن پہلی قسم کے شبہات چونکہ اعذار بھی ہیں، اس لیے ان کا اثر حد تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ان کی وجہ سے تعزیر کا حکم بھی ساقط ہونا چاہیے۔ اہل علم کو غور کر کے اس مقصد کے لیے شبہات کی درجہ بندی کرنا چاہیے۔

عصمت دری (Rape)

عصمت دری یا زنا بالجبر (Rape) عام زنا سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ عام زنا اخلاقیات اور سوسائٹی کے خلاف جرم ہے، جبکہ عصمت دری میں ناجائز جنسی عمل ہونے کے ناتے سے یہ بات تو پائی ہی جاتی ہے، اس کے ساتھ ایک اضافی قباحت بھی ہے: وہ یہ کہ یہ ایک انسان کے ارادے، اس کی شخصیت اور اس کے مستقبل کے خلاف بھی ایک جرم ہے۔ فقہا کی اصطلاح کے مطابق یہ کہہ سکتے ہیں عام زنا میں صرف حق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے جبکہ عصمت دری میں حق اللہ کے ساتھ حق العبد کی پامالی بھی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فقہا حد زنا پر بحث کرتے ہوئے جس کثرت سے اسے حق اللہ قرار دیتے ہیں اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ ان کے پیش نظر عموماً زنا بالرضا ہوتا ہے جو خالصتاً حق اللہ سے متعلق ہے۔ زنا بالجبر میں حق اللہ کے ساتھ حق العبد کا پہلو بھی ہے اور جبر کے عنصر کی وجہ سے اس کی سنگینی بھی زیادہ ہے۔ اس اضافی پہلو سے عام فقہا ''حد زنا'' کے تحت بحث اس لیے نہیں کرتے کہ وہ اسے تعزیر میں شامل کر کے حالات و زمانہ کے لحاظ سے زیادہ قابل تغیر و تبدیل قانون کے تحت لانا چاہتے ہیں، تاکہ ہر دور کے حکام کو اس سنگین معاشرتی برائی کے خلاف مؤثر قانونی اقدامات کرنے

میں سہولت ہو، البتہ جیسا کہ آگے ہم دیکھیں گے کہ بعض فقہا نے زنا بالجبر کی بعض صورتوں کو حرابہ میں بھی داخل کیا ہے۔

پاکستان میں نافذ حد زنا آرڈیننس کے حوالے سے بھی اعتراضات کا بڑا حصہ عصمت دری (Rape) کے متعلق ہے۔ ان اعتراضات میں یا تو یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ عورت کو بے جا شریکِ جرم قرار دے کر اس کے خلاف قانونی کارروائی ہوئی ہے یا یہ سوال کہ ملزم کے ساتھ نرمی برتی گئی اور اس کے چھوٹ نکلنے کے راستے رکھے گئے ہیں۔

گزشتہ چند عشروں سے مغرب میں Rape قانونی مفکرین کا اہم موضوع رہا ہے۔ بالخصوص حقوقِ نسواں کے حوالے سے پیدا ہونے والی ''بیداری'' نے ان قوانین پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ زنا بالرضا کو تو مغربی قوانین جرم ہی شمار نہیں کرتے، البتہ زنا بالجبر کے بارے میں مغربی قوانین اور تصورات کا رجحان ملزم کے ساتھ سختی اور زیادتی کے شکار (Victim) کے ساتھ ہمدردی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ انگلینڈ اور اس کے کامن لا سے متاثرہ قوانین میں ابتدا میں ملزم مرد کو ناجائز الزام سے تحفظ اور صفائی کے مواقع زیادہ سے زیادہ فراہم کیے گئے تھے۔ ساٹھ کے عشرے کے بعد سے بعض مغربی قوانین میں ایسی تبدیلیاں شروع ہوئی ہیں جن سے اس طرح کے تحفظات اور مواقع کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ برطانوی کامن لا کے ایک اصول *Fresh complaint rule* کے مطابق اگر کوئی خاتون زیادتی کی شکایت میں تاخیر کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ ''زیادتی'' کا الزام غلط ہے اور یہ عمل اس کی رضامندی سے ہوا ہے۔ *Utmost resistance doctrine* کے تحت عورت کو یہ ثابت کرنا ہوتا تھا کہ اس نے ملزم کے ارادے کے خلاف مزاحمت کی ہے۔ عدالتی کارروائی کے دوران مدعیہ کو وکیل صفائی کی طرف سے اپنے کردار کے حوالے سے بھی سوالاتِ جرح کا سامنا کرنا پڑتا تھا، تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ مدعیہ اپنے کردار کے حوالے سے کتنی پاک دامن ہے۔ اگر اس کا اپنا کردار ہی مشکوک ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس جنسی عمل میں بھی اس کی رضامندی کے امکانات زیادہ ہیں۔ یہ سارے کے سارے اصول اور قانونی تصورات ملزم کو زیادہ سے زیادہ صفائی اور سزا سے بچنے کے مواقع فراہم

کرتے ہیں۔

لیکن امریکا سمیت بعض مغربی معاشروں میں گزشتہ کچھ عشروں سے ان تصورات کو نظر انداز کرنے کا رجحان ظاہر ہوا ہے۔ بعض ریاستوں میں اس حوالے سے قانون سازی بھی ہوئی ہے۔ان ساری تبدیلیوں کے پیچھے قانون کو مستغیثہ کا زیادہ سے زیادہ حامی اور ملزم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سخت بنانے اور عورت کے اندر قانونی اتھارٹیوں کو رپورٹ کرنے کا حوصلہ پیدا کرنے کی سوچ کارفرما ہے۔اس مقصد کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے عورت کے ساتھ رویّوں کو بھی زیادہ سے زیادہ ہمدردانہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔(٦١)

عصمت دری کے حوالے سے حدود آرڈیننس پر حقوق انسانی اور حقوق خواتین کی تنظیموں کی طرف سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں چند عشروں کے دوران رونما ہونے والے تصورات اور تبدیلیوں کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لینا مناسب ہو گا کہ جن معاشروں میں یہ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہاں ان کے نتائج کیا رہے ہیں۔کیا واقعی مجرم کے گرد قانون کا دائرہ تنگ کرنا آسان ہو گیا ہے؟ کیا عورت میں ریپ کے واقعات سے قانونی اتھارٹی کو رپورٹ کرنے کا حوصلہ بڑھا ہے؟ اور کیا واقعی عصمت دری کے واقعات کم ہو کر عورت خود کو زیادہ محفوظ محسوس کرنے لگی ہے؟ تو اس سلسلے میں انسائیکلوپیڈیا انکارٹا کے مقالہ نگار کا کہنا ہے:

> *Rape remains an underreported crime. In the past victims were hesitant to report rapes becauas of insensitive and sometimes hostile treatment by law enforcement personnel. Although, dramatic changes have taken place in public and professional attitudes towards rape in recent years, many victims remain hesitant to report rape. Even where the police and courts are more sympathetic, victims often do not report a rape because they feel embarassed or ashamed, blame themselves, fear retaliation, or do not wish to relieve the experience*(٦١)

Collier's Year Book کے ایک ایڈیٹر لوئیس بلوم فیلڈ کے مضمون کے مطابق امریکا میں ہر چھ منٹ میں ایک عورت ریپ کا شکار ہوتی ہے۔ یہ تناسب صرف ان واقعات کا ہے جو باقاعدہ قانون کی نظر میں آتے ہیں۔ حقیقی واقعات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں امریکا ہی کے ''جسٹس ڈیپارٹمنٹ'' کی طرف سے کیے گئے ایک سروے کے مطابق ریپ کے آدھے سے بھی کم واقعات رپورٹ ہوتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ رپورٹ ہونے والے واقعات کا تناسب اور بھی کم ہو گیا۔ چنانچہ ۱۹۹۰ء میں امریکی سینٹ کی عدالتی کمیٹی کی طرف سے کیے گئے ایک سروے کے مطابق ریپ کے صرف دس فیصد واقعات کی رپورٹ درج کرائی جاتی ہے۔ نوے فیصد واقعات میں متاثرہ فریق خاموشی ہی کو ترجیح دیتا ہے۔ (۶۲)

پاکستان کے حد زنا آرڈیننس پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس کے نفاذ کے بعد عصمت دری کے واقعات میں کمی ہونے کے بجائے اضافہ ہوا ہے۔ (۶۳) لیکن اوپر ذکر کردہ تفصیل سے بسہولت اس بات کو سمجھا جا سکتا ہے کہ قانون کسی بھی مسئلے کے حل کا ایک پہلو تو ہو سکتا ہے، مکمل اور واحد حل کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اس اجمالی جائزے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عصمت دری کے حوالے سے یہ جدید رجحانات زیادہ سے زیادہ پچھلی نصف صدی کی پیداوار ہیں۔ اتنے کم عرصے میں کوئی بھی انسانی فکر، پختگی کے اس مرحلے تک نہیں پہنچ سکتی کہ اسے ایک عالمی معیار قرار دے کر دنیا بھر کے قوانین کو اس پر پرکھا جائے، جبکہ ان تصورات کی اپنی جائے پیدائش میں ان کے خاطر خواہ ثمرات سامنے نہ آئے ہوں۔ اس لیے مسلمان دانش وروں کو ان رجحانات کا تنقیدی جائزہ لینا چاہیے، بالخصوص دنیا کے اہلِ دانش کو اس طرح کے تجربات کی روشنی میں اس طرف متوجہ کرنا چاہیے کہ جنسی جرائم کی روک تھام کی چابی کہیں اسلام کے ''سدِ ذریعہ'' کے اصول میں تو مضمر نہیں جس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرآن زنا سے منع کرنے کے بجائے زنا کے قریب جانے سے منع کرتا ہے۔ تاہم ان صفحات کا مقصد فکری اور اصولی کے بجائے مسئلے کے صرف فقہی پہلوؤں پر غور کرنا ہے۔

زنا بالجبر میں جبر کا جو عنصر شامل ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے دو قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

ا۔عورت کے حوالے سے پیدا ہونے والے مسائل

الف۔ جبر کا اثر عورت کے سزا سے بری ہونے پر

ب۔کیا جبر کا بارِ ثبوت بھی عورت پر ہے،اور کیا محض حمل کسی عورت کے خلاف زنا بالرضا کا کافی ثبوت ہے؟

د۔مستغیثہ اگر زنا بالجبر کا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو کیا اس پر حد قذف ہوگی؟

۲۔مرد کے حوالے سے پیدا ہونے والے مسائل

الف۔ کیا وکیل صفائی کو عورت سے اس کے کردار کے حوالے سے سوال کرنے کا موقع ملنا چاہیے یا نہیں؟

ب۔کیا عصمت دری اور عام زنا میں کچھ فرق ہے؟

ا۔عورت کی سزا پر جبر کا اثر

اس بات پر تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ جس عورت کے ساتھ جبراً زنا ہوا ہے اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ ہمارے علم میں اس مسئلے میں کسی فقیہ کی کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔(۶۴)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے ہونے والے کاموں کو معاف کر دیا ہے اور ان کاموں کو جن پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔(۶۵) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فجر کے وقت نماز کے لیے آتے ہوئے ایک خاتون کے ساتھ کسی شخص نے زبردستی زنا کیا۔آپ نے مرد کے بارے میں تو سزا کا حکم سنایا، عورت کو کوئی سزا نہیں دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے آکر یہ شکایت کی کہ اس کے ایک مہمان نے اس کی ہمشیرہ کے ساتھ زبردستی زنا کر کے اس کی بکارت کو زائل کر دیا ہے۔ملزم نے اعتراف بھی کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس مرد کو تو کوڑے لگوائے، عورت کو کوئی سزا نہیں دی۔ بعد میں دونوں کا نکاح بھی کروا دیا۔(۶۶) حضرت عمرؓ کے زمانے میں

بھی بیت المال کے ایک غلام نے بیت المال ہی کی ایک باندی کے ساتھ زبردستی زنا کیا تو حضرت عمرؓ نے غلام پر تو حد جاری کی، باندی کو کوئی سزا نہیں دی۔ (۶۷)

خلفائے راشدین کے دور کے اس نوعیت کے بعض واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جبر سے مراد جسمانی طور پر بے بس اور مجبور کر دینا یا قتل یا ضرب شدید کی دھمکی دینا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں ہر ایسی صورت داخل ہے جہاں ناجائز جنسی عمل عورت کی رضامندی کے بغیر ہوا ہو یا اس کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کی رضامندی حاصل کی گئی ہو۔ چنانچہ سعیدؒ بن مسیّب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک عورت کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے زنا کیا ہے، لیکن خود اس عورت نے واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی وہ ایک جنگل میں تھی۔ وہاں اسے پیاس لگی۔ ایک چرواہے کے پاس پانی تھا، اس نے پانی مانگا۔ اس نے پانی دینے کے لیے یہ شرط لگائی کہ مجھے اپنے ساتھ بدکاری کا موقع دو۔ پانی کی خاطر اس نے آمادگی ظاہر کر دی۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو کوئی سزا نہیں دی، بلکہ اسے کچھ مال دے کر رخصت کر دیا۔ (۶۸)

۲۔ جبر کا بارِ ثبوت

جب ایک عورت کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے ساتھ زنا ہوا ہے لیکن یہ واضح نہ ہو کہ اس کی رضامندی سے ہوا ہے یا رضامندی کے بغیر، مثلاً ایک غیر شادی شدہ عورت حاملہ ہو جاتی ہے، حمل سے اتنا تو واضح ہو جائے کہ اس سے زنا ہوا ہے، لیکن رضا یا عدم رضا کا معاملہ واضح نہ ہو، تو کیا اس زنا کو زنا بالجبر ثابت کرنے کی ذمہ داری عورت پر عائد ہوگی یا محض اس کا اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرے ساتھ یہ فعل میری رضامندی کے بغیر ہوا ہے۔ اس میں مالکیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ غیر شادی شدہ عورت حاملہ پائی جاتی ہے تو یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس نے زنا کیا ہے۔ اگر وہ کہتی ہے کہ اس کے ساتھ جبر ہوا ہے تو گویا وہ ثبوتِ جرم کے بعد ایک استثنا کا دعویٰ کر رہی ہے۔ اس کا بارِ ثبوت بھی اسی پر ہوگا۔ البتہ جبر کے ثبوت کے لیے قرائنی شہادت بھی کافی ہے، مثلاً کسی نے اس عورت کے چیخنے چلانے کی آواز سنی ہو یا وقوعے کے بعد اس کے جسم پر تشدد کے آثار پائے گئے ہوں۔ اگر اس طرح کے قرائن سے بھی وہ مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتی

ہے کہ اس کے ساتھ جبر ہوا ہے تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ ابتدا میں تو خاموش رہتی ہے اور جب حمل واضح ہو جانے کی وجہ سے پکڑی جائے تو کہے کہ میرے ساتھ زنا بالجبر ہوا ہے، اور جبر کا کوئی قرینہ اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ زنا بالرضا کی مرتکب ہوئی ہے، اس لیے اسے سزا دی جائے گی۔ (۶۹)

جبکہ حنفیہ سمیت جمہور فقہا کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جبر یا عدم رضا کا بارِ ثبوت عورت پر نہیں ہے، بلکہ اس کا بیان ہی عدمِ رضا ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اگرچہ غیر شادی شدہ ہونے کی حالت میں اس کا حمل واضح ہو چکا ہو، لہٰذا اگر وہ یہ کہتی ہے کہ میرے ساتھ جبر ہوا ہے، یا وقوعے کی کوئی ایسی نوعیت بیان کرتی ہے جس سے سزا ساقط ہو جائے تو اس سے سزا ساقط کرنے کی حد تک اس کے بیان پر ہی اعتماد کیا جائے گا۔ حتی کہ اگر وہ ایسا کوئی بھی بیان نہیں دیتی، لیکن زنا کا اقرار بھی نہیں کرتی تب بھی اسے کوئی بیان دینے پر مجبور کرنے کے بجائے اس سے سزا ساقط کر دی جائے گی۔ (۷۰)

حنفیہ اور جمہور کا کہنا یہ ہے کہ غیر شادی شدہ عورت کے حمل سے اگرچہ زنا ثابت ہو جاتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ زنا کس طرح کی صورتِ حال میں ہوا ہے۔ اس بات کا امکان ضرور ہے کہ زنا بالجبر ہوا ہو یا وقوعے کی نوعیت ایسی ہو جس میں حد جاری نہ ہوتی ہو۔ یہ احتمال شبہ ضرور پیدا کرتا ہے، اور حد شبہ کی وجہ سے بھی ساقط ہو جایا کرتی ہے۔ یہ شبہ اس کی خاموشی کی صورت میں بھی موجود ہے اور اگر وہ جبر کا دعویٰ کرتی ہے تو یہ شبہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ بلکہ معروف حنبلی فقیہ ابن قدامہ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہا ہے کہ حمل نہ صرف زنا بالرضا کی دلیل نہیں بلکہ خود زنا کی بھی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ حمل تو دخول (Penetration) کے بغیر بھی ٹھہر سکتا ہے، اس لیے کہ نطفہ یا اس کا کوئی حصہ کسی اور ذریعے سے بھی رحم میں جا سکتا ہے۔ (۷۱) ابن قدامہ کی اس بات سے جہاں جمہور فقہا کی دلیل مزید پختہ ہو جاتی ہے وہیں فقہائے اسلام کی دوررس نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آج کی جدید سائنس و ٹیکنالوجی نے مصنوعی تولید کے کئی طریقے ایجاد کیے ہیں۔ سائنس کا معمولی علم رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ بغیر دخول کے بھی رحم مادر میں

استقرارِ حمل ممکن ہے۔ لیکن ابن قدامہ نے یہ بات آج سے تقریباً آٹھ صدیاں پہلے کہی ہے جبکہ سائنس وٹیکنالوجی کی ان دریافتوں کا تصور بھی نہیں تھا۔

حنفیہ اور جمہور فقہا کی دلیل عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین کے وہ واقعات بھی ہیں جن میں محض عورت کے بیان کی وجہ سے جبر کو تسلیم کر کے اسے بری کر دیا گیا، چنانچہ خود ایک مالکی فقیہ ابن عبدالبر تسلیم کرتے ہیں:

قدجاء من عمر في عدة قضايا أنه درأالحدبدعوى الاكراه ونحوه

حضرت عمرؓ سے متعدد مقدمات میں منقول ہے کہ انہوں نے اکراہ (جبر) کے محض دعوے کی وجہ سے حد کو ساقط کر دیا۔ (۷۲)

اوپر سعیدؒ بن مسیب کے حوالے سے چرواہے کا جو واقعہ ذکر ہوا، اس میں بھی یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے بیان ہی پر اعتماد کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ چرواہے نے اس کی پیاس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے زیادتی کی ہے۔

سعیدؒ بن منصور نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک غیر شادی شدہ عورت حاملہ ہوگئی۔ اسے حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا، اس نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ مجھے نیند بہت گہری آتی ہے، نیند ہی کی حالت میں ایک شخص نے میرے ساتھ زیادتی کی۔ مجھے جاگ اس وقت آئی جب وہ فارغ ہو چکا تھا۔ اس کے اس بیان پر ہی حضرت عمرؓ نے اسے بغیر کسی سزا کے چھوڑ دیا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ نزال بن سبرہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے منیٰ میں ایک عورت کو دیکھا جس کے ارد گرد لوگوں کا رش لگا ہوا تھا، اور لوگ اسے کہہ رہے تھے کہ تم نے زنا کیا ہے اس لیے کہ وہ بغیر شادی کے حاملہ ہو چکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے صورتِ حال پوچھی۔ اس نے کہا کہ مجھے جب نیند آتی ہے تو گہری آتی ہے۔ ایک رات میں تہجد کے لیے اٹھی لیکن دوبارہ آنکھ لگ گئی۔ مجھے جاگ اس وقت آئی جب کہ ایک شخص مجھ پر سوار تھا جو جلدی سے بھاگ گیا اور میں اسے پہچان نہ سکی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے حد کو ساقط کر دیا اور یہ کہا کہ اگر اس عورت کو یوں سنگسار کر دیا جاتا تو مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ وادی عذاب الٰہی کی وجہ سے آگ سے نہ

بھر دی جاتی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے تمام علاقوں کے گورنروں کے نام مراسلہ جاری کیا کہ میری آخری منظوری کے بغیر کسی کو سزائے موت نہ دی جائے۔ (۷۳)

طارق بن شہاب نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک ایسی عورت کا معاملہ پیش کیا گیا جو بغیر شادی کے حاملہ ہوگئی تھی۔ وہ عبادت گزار تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا، یہ ہوا ہوگا کہ وہ سجدے کی حالت میں ہوگی۔ اسی حالت میں وہ مستغرق ہوگی کہ اس کے ساتھ ایسا فعل ہوگیا ہوگا۔ چنانچہ اس سے پوچھے جانے پر اس نے بھی یہی واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔ (۷۴)

اس طرح کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ محض حمل زنا بالرضا کا کافی ثبوت نہیں سمجھا گیا۔ اور یہ بھی کہ وقوعے کی نوعیت کے بارے میں عورت کو بری کرنے کی حد تک محض عورت کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔ انہی واقعات کی بنیاد پر بعض مالکیہ نے بھی امام مالک کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کیا۔ مثلاً معروف مالکی فقیہ و محدث ابن عبدالبر نے دلیل کے اعتبار سے جمہور فقہا کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (۷۵)

حضرت عمرؓ کا ایک خطبہ صحیح بخاری وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں انہوں نے زنا کے ثبوت کے ذرائع بیان کرتے ہوئے حمل کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی سے مالکیہ نے استدلال کیا ہے لیکن ابن عبدالبر نے اس استدلال کو یہ کہ کر رد کر دیا ہے کہ خود حضرت عمرؓ کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے (۷۶)، یعنی حضرت عمرؓ کے اس قول کو ان کے اپنے عمل کی روشنی میں ہی سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا بھی ایک قول ہے:

"اے لوگو! زنا دو قسم کا ہوتا ہے ایک پوشیدہ زنا اور ایک علانیہ زنا۔ پوشیدہ زنا تو یہ ہے کہ گواہ گواہی دیں، اس صورت میں گواہ سب سے پہلے رجم کریں گے۔ کھلم کھلا زنا یہ ہے کہ حمل ٹھہر جائے یا اقرار سے زنا ثابت ہو، تو اس صورت میں امام سب سے پہلے رجم کرے گا"۔ (۷۷)

حضرت علیؓ کے اس قول سے بھی اگرچہ بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ حمل بھی ثبوت زنا کا ایک

طریقہ ہے لیکن حضرت علیؓ کے اس قول کو بھی ان کے عمل ہی کے ذریعے سمجھنا چاہیے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ بات ایک عورت کو رجم کرتے ہوئے کہی ہے۔ حضرت علیؓ سے جس خاتون کا رجم کرنا ثابت ہے وہ شراحہ ہمدانیہ ہے۔ معلوم ہوا حضرت علیؓ نے یہ بات بھی شراحہ ہمدانیہ کے رجم کے موقع پر کہی ہے۔ شراحہ ہمدانیہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے زنا کا اعتراف کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس سے یہ کہا تھا کہ شاید تم سوئی ہو، اس حالت میں تمہارے ساتھ یہ فعل ہوا ہو۔ اس نے کہا کہ نہیں، حضرت علیؓ نے کہا: شاید تم سے زبردستی زنا کیا گیا ہو۔ اس نے کہا کہ نہیں، حضرت علیؓ نے کہا کہ شاید تمہارا کسی سے نکاح ہوا ہو اور تم ظاہر نہ کرنا چاہتی ہو، مثلاً اس وجہ سے کہ تمہارا خاوند ہماری مخالف جماعت سے تعلق رکھتا ہو، یہ حمل اس سے ٹھہرا ہو۔ اس نے کہا: نہیں۔ (۸۷) ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ عورت ان میں کسی کا جواب بھی اثبات میں دیتی تو اس سے حد ساقط کر دی جاتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی رائے بھی یہی تھی کہ حمل کس وجہ سے ٹھہرا۔ اگر زنا کی وجہ سے ٹھہرا ہے تو زنا کس حالت میں ہوا ہے۔ اس کے بارے میں محض عورت کے بیان کو کافی سمجھا جائے گا۔ غیر شادی شدہ عورت کا حاملہ ہونا زنا کا قرینہ محض اس حد تک ہے کہ اس کی بنیاد پر عورت سے پوچھا جائے گا۔ آگے اس کے بیان پر مزید جرح یا اس سے ثبوت کے مطالبے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امریکا کی مسلم خواتین کی ایک تنظیم Muslim Women Lawyers For Human Rights کی ایک رپورٹ میں حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا قول اور ان کے اپنے عمل کی تشریح میں بہت اچھی بات کہی گئی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ زنا ایک گناہ ہے جس کا تعلق بنیادی طور پر دو بندوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس لیے ایک حد تک یہ پرائیویٹ معاملہ ہے، لہٰذا ریاست اس کے بارے میں پوچھ گچھ اور تحقیق و تفتیش نہیں کرے گی لیکن جب غیر شادی شدہ عورت حاملہ ہو جاتی ہے اور یہ بات معروف و مشہور بھی ہو جاتی ہے تو محض نجی کے بجائے یہ سوسائٹی کا معاملہ بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ بظاہر سمجھا یہی جائے گا کہ یہ حمل زنا کی وجہ سے ٹھہرا ہے، اسی حالت میں اس کو نظر انداز کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ریاست نے بدکاری کے ایک واقعے کو نظر انداز

کر دیا ہے۔اس سے معاشرے کی اخلاقی حالت پر برے اثرات مرتب ہوں گے۔اس لیے اس عورت کو یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی پوزیشن واضح کرے۔مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ جبر ہوا ہے، اس نے متعلقہ شخص سے نکاح کر رکھا تھا، وغیرہ وغیرہ (اگر اس طرح کی وضاحت کرتی ہے تو اسے قبول کرلیا جائے گا، حاکم اسے اس طرح کی بات کہنے کی طرف اس کا ذہن متوجہ بھی کر سکتا ہے)۔اگر وہ اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتی اور اپنی رضامندی کے ساتھ زنا کا اقرار کرلیتی ہے تو وہ چار گواہوں یا چار مرتبہ اقرار کے بغیر بھی سزا کی مستحق ہوگی۔(۷۹)

پاکستان کی قانونی صورتِ حال

غیر شادی شدہ عورت کے حمل کے بارے میں کوئی واضح قانون پاکستان میں موجود نہیں ہے، البتہ مختلف عدالتی فیصلے موجود ہیں، یہاں ان میں سے دو فیصلوں کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) جہاں مینا بنام سرکار (وفاقی شرعی عدالت)

(۲) گل حامدہ بنام سرکار (وفاقی شرعی عدالت)

ان میں سے پہلے مقدمے میں جہاں مینا پندرہ سولہ سال کی ایک یتیم لڑکی ہے جو اپنے حقیقی چچا گلاب خان اور اس کے بیٹے رحمت فقیر کے ہاتھوں زیادتی کا شکار ہوکر حاملہ ہوجاتی ہے لیکن پانچ چھ ماہ تک خاموش رہتی ہے اور کسی کے سامنے ذکر نہیں کرتی کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر ہوا ہے۔پانچ چھ ماہ بعد حمل واضح ہونے پر اسی کا ایک اور رشتہ دار گلاب خان، رحمت فقیر اور جہاں مینا کے خلاف زنا بالرضا کا مقدمہ درج کراتا ہے۔نچلی عدالت گلاب خاں اور رحمت فقیر کو تو چار گواہوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے بری کردیتی ہے، البتہ جہاں مینا کو سو کوڑوں کی سزا دے دیتی ہے۔اس بنیاد پر کہ اس عورت کا مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۴۲ کے تحت عدالت میں بیان زنا کا اقرار ہے۔وفاقی شرعی عدالت کے سنگل بنچ مشتمل بر جسٹس ظہور الحق نے ملزمہ کی اپیل پر اپنے فیصلے میں دونوں مرد ملزموں کو بری کرنے کے فیصلے سے اتفاق کیا، البتہ ملزمہ کے بیان کو اقرار شمار کرتے ہوئے حد زنا آرڈیننس کی دفعہ ۵ کے تحت سو کوڑوں کی سزا دینے سے اتفاق نہیں کیا

اور قرار دیا کہ ضابطہ فوج داری کی دفعہ ۳۴۲ کے تحت دیا جانے والا بیان حدزنا آرڈیننس کی دفعہ ۸ (الف) کے تحت اقرار کے مترادف نہیں ہے۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت نے ملزمہ کو تین سال قید بامشقت کی سزا اس بنیاد پر سنائی کہ وہ غیر شادی شدہ ہونے کی حالت میں حاملہ ہوئی اور پانچ ماہ گزرنے کے باوجود اس نے ازخود زنا بالجبر کی شکایت نہیں کی اور نہ اپنے دادا سمیت اپنے کسی قریبی عزیز کو اس بارے میں آگاہ کیا۔ جب اس کے خلاف زنا کی رپورٹ درج ہوئی تو اس نے یہ موقف اختیار کر لیا اور عدالت میں یہی کہا کہ میرے ساتھ زنا بالجبر ہوا ہے۔ عدالت کا کہنا یہ ہے کہ اگر جبر کے دعوے میں وہ سچی تھی تو اس نے ازخود اس کا کسی سے ذکر کیوں نہیں کیا۔ حالانکہ اس کے پاس اس کا موقع بھی تھا، لہٰذا حمل سے زنا تو ثابت ہو گیا۔ لیکن ثبوت چونکہ حد کے معیار پر پورا نہیں اترتا اس لیے تعزیری سزا سنا دی گئی۔ (۸۰)

وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ کئی اصولوں پر مبنی ہے:

پہلا یہ کہ حمل بذاتِ خود زنا کا ثبوت ہے۔ حالانکہ حنفیہ اور جمہور فقہا کے ہاں ایسا نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ عورت کو بری کرنے کے حق میں بھی جبر کا بارِ ثبوت عورت پر ڈالا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اوپر ذکر کردہ احادیث اور حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کے فیصلوں کے بالکل خلاف ہے۔ ان احادیث اور قضایا سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو بری کرنے کے لیے صرف اس کا بیان ہی کافی ہے۔ البتہ جبر کی وجہ سے مرد کو اضافی سزا دینے کے لیے جبر پر باقاعدہ ثبوت کی ضرورت ہے۔

تیسرے یہ کہ عورت کا بروقت جبر کی شکایت اور اطلاع نہ کرنا اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ سچی ہوتی تو ازخود بروقت واقعے کی اطلاع کرتی، لہٰذا اگر عورت بروقت شکایت نہیں کرتی تو اس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ زنا تو ہوا ہے، لیکن اس کی رضامندی سے۔ یہ بات درحقیقت جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے انگلینڈ کے کامن لا کے اصول Fresh complaint rule پر مبنی ہے۔ یہ اصول اس حد تک تو لیا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے ملزم مرد کے حق میں شبہ پیدا ہو جائے، لیکن اس کی بنیاد پر خود عورت کو مجرم ٹھہرانا یا اکثر فقہا کے مذہب اور خلفائے راشدین کے عمل کی رو سے درست نہیں ہے۔ اوپر دورِ فاروقی اور دورِ مرتضوی کے جو واقعات نقل کیے گئے

ہیں، ان سب میں یہی ہے کہ حمل واضح ہو جانے کے بعد عورت سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ اس کی رضامندی کے بغیر اس کے ساتھ زنا ہوا ہے تو اس کی بات کو محض اس بنیاد پر رد نہیں کیا گیا کہ تم نے ازخود بروقت کیوں نہیں بتایا۔ ویسے بھی عورت کے بروقت زنا بالجبر کے بارے میں نہ بتانے کی ضروری نہیں کہ صرف یہ وجہ ہو کہ وہ اس فعل میں رضامندی سے شریک تھی۔ خاموش رہنے کی اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً شرم وحیا وغیرہ، چنانچہ ساٹھ کے عشرے میں جب حقوقِ نسواں کے حوالے سے بیداری شروع ہوئی اور عصمت دری کے قوانین پر ازسرنو غور شروع ہوا تو کامن لا کا یہ اصول بھی زیر بحث آیا اور آج کل عمومی رجحان اس اصول کے مطابق نہیں ہے (۸۰ الف) جبکہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا بیشتر فقہا اور خلفائے راشدین نے اس اصول کو نہیں اپنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلفا اور فقہا پہلے ہی اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں مغربی قانونی فکر اب پہنچی ہے۔

البتہ وفاقی شرعی عدالت کے ایک حالیہ فیصلے میں اس کے برعکس موقف اختیار کر کے سابقہ فیصلے کے اثرات کو کافی حد تک کم کر دیا گیا ہے۔ گل حامدہ کے مقدمے میں بھی نچلی عدالت نے زنا بالجبر کی بروقت شکایت نہ کرنے کی بنیاد پر اسے زنا بالرضا کا مرتکب قرار دے کر سزا دی تھی۔ وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس ظفر پاشا چودھری نے اپنے فیصلے میں بڑی وضاحت کے ساتھ قرار دیا کہ محض رپورٹ میں تاخیر کی بنیاد پر کسی شخص کو اور خصوصاً عورت کو زنا بالرضا کا مجرم ٹھہرانا اسلامی اصولوں سے متصادم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے ساتھ دہرا ظلم ہو رہا ہے۔ ایک طرف چند لوگوں نے اس کے ساتھ زبردستی ناجائز جنسی عمل کر کے اس کے مستقبل کو تاریک کر دیا ہے اور دوسری طرف بجائے اسے کوئی ریلیف دینے کے الٹا اسے ہی ملزم ٹھہرایا جا رہا ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ عورت کی طرف سے زنا بالجبر کی رپورٹ میں تاخیر کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً شرم وحیا، معاشرے کا خوف اور گھر والوں کا ڈر وغیرہ۔ اس لیے محض رپورٹ میں تاخیر کی بنیاد پر اس کے اس دعوے کو کہ اس کے ساتھ جبراً زنا ہوا ہے، رد کرنا غلط مفروضے پر مبنی ہے۔ (۸۱)

لیکن اس فیصلے کے پیراگراف ۱۱ میں کہا گیا ہے:

> Not only she herself was the first person to disclose this fact but she also explained the reasons for not disclosing it earlier.

اس سے یہ تأثر ابھرتا ہے کہ اگر وہ ازخود رپورٹ نہ کرے، یا ایک عرصے تک خاموشی کی وجوہ بیان نہ کر سکے تو صورتِ حال مختلف ہوگی۔ لیکن خلفائے راشدین کے زمانے کے اوپر ذکر کردہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ ازخود رپورٹ نہ کرے بلکہ حمل کی وجہ سے اسے پکڑ کرلایا جائے، یا تاخیر کی وجوہ بیان نہ کر سکے تب بھی محض اس کے دعویٰ جبر کی وجہ سے اسے بری کردیا جائے گا۔ زنا کے مقدمات کے بارے میں شریعت کا عمومی مزاج بھی یہی ہے کہ ملزم کو چھوڑنے کے حتی الامکان راستے نکالے جائیں نہ کہ اسے پھنسانے کی کوشش کی جائے۔

وفاقی شرعی عدالت کا یہ آخری فیصلہ زیادتی کا شکار ہوکر حاملہ ہونے والی خواتین کی مشکلات کو کم کرنے اور قانون میں موجود ابہام کو دور کرنے میں کافی مددگار ہوسکتا ہے، تاہم یہ باقاعدہ قانون سازی کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جب کبھی حدزنا آرڈیننس پر قانون ساز حلقوں میں غور ہو تو زنا بالجبر کا یہ پہلو کہ حمل یا رپورٹ میں تاخیر عورت کے شریکِ جرم ہونے کی دلیل نہیں، باقاعدہ طور پر قانون میں شامل ہونا چاہیے۔

۳۔ زنا بالجبر کی مستغیثہ پر حدقذف

شریعت کا عام معروف اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ موجود نہ ہوں تو تہمت لگانے والے پر حدقذف ہوتی ہے یعنی اسے اسّی کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک خاتون کے ساتھ زنا بالجبر ہوتا ہے اور وہ متعین شخص یا اشخاص کے خلاف رپورٹ درج کراتی ہے کہ فلاں فلاں نے میرے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے لیکن وہ اس الزام کو ثابت نہیں کر پاتی، یا گواہ چار سے کم ہیں تو کیا عورت پر حدقذف ہوگی؟ اس سوال کا واضح جواب حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں نہیں ملتا۔ البتہ مالکیہ نے ''اغتصاب'' کی اصطلاح کے تحت

اس مسئلے سے بحث کی ہے۔ مالکیہ کا مذہب اس مسئلے میں یہ ہے کہ جس شخص پر اس نے تہمت لگائی ہے اگر تو اس کا عمومی کردار اچھا ہے، یا اس کے کردار کے معاملے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں تو اگر وہ وقوعے کے فوراً بعد رپورٹ کرتی ہے جس سے اس کے دعوے کو سچا ہونے کا قرینہ ضروری مل جاتا ہے تو عورت سے حدِ قذف ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر کچھ عرصے بعد اس طرح کا دعویٰ کرتی ہے تو مالکیہ کے دو قول ہیں۔ ابن القاسم کا قول یہ ہے کہ اس کے پاس ثبوت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ مرد سے قسم لینے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا قول مالکیہ کے ہاں یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اس عورت پر حد نہیں ہے۔ البتہ مرد سے قسم لی جائے گی، اگر وہ قسم کھالے کہ اس پر لگنے والا الزام جھوٹا ہے تو اسے بھی بالکلیہ بری کر دیا جائے گا۔ مرد قسم نہ کھائے اور عورت اپنے دعوے کے سچا ہونے پر قسم کھالے تو عورت کے مہرِ مثل کے برابر مالی معاوضہ (Compensation) کی ڈگری مرد کے خلاف جاری کر دی جائے گی۔ (۸۲) اور اگر وہ جبراً زنا کرنے کا دعویٰ ایسے شخص کے خلاف کرتی ہے جس کا کردار اور چال چلن اچھا نہیں ہے تو عورت سے حدِ قذف ساقط ہو جائے گی، خواہ اسی وقت دعویٰ کرے یا کچھ عرصے کے بعد۔ (۸۳)

پھر مدعا علیہ مرد کے چال چلن کے بارے میں علم نہ ہونے کی صورت میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ خود عورت کا چال چلن کیسا ہے۔ اگر عورت کا چال چلن اچھا ہے تو بھی جرم ثابت نہ کر سکنے کی صورت میں اس پر حدِ قذف نہیں ہوگی۔ (۸۴)

المدونۃ الکبریٰ میں مدعا علیہ کی شہرت اچھی نہ ہونے کی صورت میں امام مالک سے نقل کیا گیا ہے نظر السلطان فی ذلک. یعنی حاکم صورتِ حال پر غور کر کے مناسب فیصلہ کرے گا۔ مالکیہ کے ہاں ذکر کردہ ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز ان کے ہاں قرائن ہیں۔ اگر بحیثیت مجموعی قرائن یہ بتا رہے ہیں کہ عورت کا دعویٰ بالکل ہی بے بنیاد اور بدنیتی پر مبنی ہے تو اس پر حدِ قذف ہوگی، وگرنہ نہیں۔

ابن حزم نے المحلی میں اس مسئلے کے بارے میں سلف کے کچھ اور اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً عمر بن عبدالعزیز کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ اگر ایک شخص بھی شہادت دے کہ اس نے اس

عورت کو چیختے اور شور مچاتے ہوئے سنا ہے تو عورت سے حد قذف ساقط ہو جائے گی، وگرنہ نہیں۔ ربیعۃ الرای کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے عورت کے چیخنے کی آواز سنی، یا مرد کو عورت کے ساتھ خلوت میں دیکھا گیا، یا کوئی اور ظاہری اثر پایا گیا تو چار گواہ نہ ہونے کے باوجود عورت پر حد قذف نہیں ہوگی۔ یحییٰ بن سعید انصاری کی بھی یہی رائے ہے، البتہ اس صورت میں ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ مرد کو سخت سزا دی جائے گی۔ (۸۵)

مالکیہ سمیت ان سب اقوال میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ فیصلہ قرائن اور واقعاتی شہادتوں کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ ابن حزم ہی نے قتادہ اور زہری کا قول نقل کیا ہے کہ اگر عورت کے پاس ثبوت نہ ہو تو اس پر حد قذف جاری ہوگی۔ (۸۶) اس مسئلے میں صحیح نتیجے تک پہنچنے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات پر غور ضروری ہے:

۱۔ مرد پر زنا کی تہمت کی صورت میں حد قذف کی شرعی حیثیت

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی صورت میں حد قذف ہے، کیا مرد پر لگائی جانے والی تہمت کی سزا بھی یہی ہے۔ اس میں سورۂ نور کی آیت: ۴ میں صراحتاً صرف عورت پر تہمت کی سزا بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور چار گواہ پیش نہیں کرتے انہیں اسی کوڑے لگاؤ''۔

احادیث مبارکہ میں جہاں ''قذف'' کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، وہاں بھی مؤنث کا صیغہ ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات تباہ کن گناہوں سے بچو، ان گناہوں میں سے ایک کا ذکر ان لفظوں میں ہے: وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات۔ (۸۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حد قذف کے جو واقعات ملتے ہیں وہ بھی سب

کے سب عورت پر تہمت ہی کے بارے میں ہیں۔ جبکہ ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ ''حد (قذف) صرف دو صورتوں میں ہے، ایک یہ کہ پاک دامن عورت پر تہمت لگائی جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی شخص کے نسب کی نفی کر دی جائے''۔ (۸۸)

ظاہر ہے کہ کسی شخص کے نسب کی نفی کرنا بھی درحقیقت اس کی ماں پر ہی الزام ہے، ابن مسعودؓ کا یہ اثر بھی قذف کو عورت کے ساتھ مخصوص کر رہا ہے۔ ہیثمی نے اس کی سند کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ البتہ آخری راوی ابن مسعودؓ کے پوتے قاسم کی اپنے دادا سے ملاقات ثابت نہیں ہے لیکن ایک تو قاسم اسی گھرانے کے ایک فرد ہیں۔ اس لیے ان کی نقل کی ہوئی بات کی صحت کے امکانات زیادہ ہیں، دوسرے طبقہ تابعین میں سند میں انقطاع نسبتاً زیادہ قابل گوارا سمجھا جاتا ہے۔ تیسرے کئی فقہا حنفیہ و حنابلہ نے اس حدیث سے بعض مسائل پر استدلال بھی کیا ہے (۸۹) جو ان کے ہاں حدیث کے قابلِ اعتماد ہونے کی دلیل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقریباً تمام فقہا مرد پر تہمت کی صورت میں بھی اسی کوڑوں کی سزا کے قائل ہیں۔ اس کا ماخذ کیا ہے؟ صریح حدیث تو اس پر نہیں ہے، البتہ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

من قذف مملوكه بالزنا يقام عليه الحد يوم القيامة إلا أن يكون كما قال

جو شخص اپنے مملوک پر زنا کی تہمت لگائے گا تو قیامت کے دن اس پر حد قائم کی جائے گی، مگر یہ کہ وہ ایسا ہی ہو جیسا اس نے کہا۔ (۹۰)

اس حدیث سے مرد پر تہمت کی صورت میں حد ہونے کا تصور ملتا ہے، اس لیے کہ بظاہر حدیث کا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ تہمت زدہ شخص کے غلام ہونے کی وجہ سے دنیا میں اس پر حد جاری نہیں ہوگی اس لیے آخرت میں جاری ہوگی۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو دنیا میں بھی اس پر حد جاری ہوتی، لیکن بہرحال یہ تصریح نہیں بلکہ ایک استنباط ہے۔

اس کے علاوہ خلفائے راشدین کے دور کے بعض فیصلے ایسے ملتے ہیں جن میں مرد پر تہمت

کی وجہ سے بھی حد قذف لگائی گئی۔ مثلاً ابو بکرہ، شبل بن معبد اور نافع پر حضرت عمرؓ نے حد قذف لگائی، اس لیے کہ انہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ کے خلاف زنا کی گواہی دی تھی لیکن چار گواہ پورے نہیں ہو سکے تھے۔ ہیثمی اس واقعہ کو طبرانی کی **المعجم الکبیر** کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (۹۱) ایک شخص نے دوسرے کی ہجو کرتے ہوئے اس پر زنا کی تہمت لگائی۔ دوسرے نے حضرت عمرؓ کے ہاں شکایت کر دی۔ پہلے شخص نے کہا کہ میں تمہیں نہیں کہہ رہا تھا بلکہ کسی اور کو کہہ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی توجیہ رد کرتے ہوئے اسے حد قذف لگانے کا حکم دیا۔ (۹۲) حضرت علیؓ کے زمانے میں ایک غلام نے ایک آزاد شخص پر تہمت لگائی تو حضرت علیؓ نے اسے چالیس کوڑے لگوائے۔ (۹۳)

اس کے علاوہ کئی علما نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآنی نص تو عورت پر تہمت لگانے ہی کے بارے میں ہے، مگر مرد کو عورت پر قیاس کر لیا گیا ہے، لہٰذا محصن پر تہمت لگانا محصنہ پر تہمت لگانے ہی کی طرح ہے۔ اور یہ قیاس ایسا ہے جس پر علما کا اجماع ہے۔ (۹۴) لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ اجماع کس دور کے علما کا تصور ہوگا۔ نیز مرد پر زنا کی تہمت لگنا بھی اس کے لیے عار ہے لیکن عورت کو اس طرح کی تہمت سے جتنی عار لاحق ہوتی ہے وہ بہر حال مرد کے مقابلے میں زیادہ ہے اس لیے مقیس اور مقیس علیہ میں علت کے اشتراک کے باوجود دونوں کے درجے میں تفاوت بھی ہے۔ بظاہر اس کا اثر حکم کے تفاوت پر بھی مرتب ہونا چاہیے۔

بعض مفسرین نے مرد پر تہمت کو خود سورہ نور کی آیت ۴ میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً یہ کہ ''المحصنات'' صفت ہے ''النفوس'' کی یا ''الفروج'' کی وغیرہ وغیرہ۔ یہ تکلف خصوصاً منکرین قیاس کو کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ ابن حزم نے بھی **المحلی** میں اسی طرح کی توجیہات ذکر کی ہیں، لیکن عربی زبان کا ذوق رکھنے والا ان توجیہات کو تسلیم کر بھی لے تب بھی اسے قرآنی آیت کا قطعی مدلول قرار دینا مشکل ہے۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورت پر تہمت کی وجہ سے حد قذف تو دلیل قطعی سے ثابت ہے اور مرد پر تہمت کی سزا دلیل ظنی سے۔ اور شاید یہ کہنا درست ہو کہ اس کے

ثبوت کا درجہ شرب خمر کی سزا سے بھی کم ہے۔ اس لیے یہ کہنا تو ٹھیک ہے مرد پر تہمت کی صورت میں قذف کی سزا لاگو ہوگی، لیکن اس حد کو ساقط کرنے کے لیے اس طرح کی دلیل اور وجہ کی ضرورت نہیں ہے جیسی عورت پر تہمت کی صورت میں حد قذف کو ساقط کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

۲-عورت کا استغاثہ قذف ہے یا نہیں؟

زنا بالجبر کی مدعیہ اگر اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو اس پر حد قذف ہونے یا نہ ہونے کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ اس کا یہ دعویٰ قذف بھی ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں ابن حزم کا کہنا یہ ہے کہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسی عورت قاذفہ ہے یا نہیں۔ اگر قاذفہ ہے تو اس پر حد قذف بھی ہونا چاہیے۔ اور اگر قاذفہ نہیں ہے تو حد قذف کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس کو قاذفہ کہا ہی نہیں جا سکتا بلکہ وہ تو ''مدعیہ'' اور ''مشتکیہ'' ہے، اس لیے کہ اس کا مقصد تو اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کے خلاف دادرسی طلب کرنا ہے۔ یہ قذف میں داخل نہیں ہے۔ (۹۵)

ابن حزم والی یہ بات اگرچہ دوسرے فقہا نے صراحتاً ذکر نہیں کی لیکن عام فقہا کے اصولوں سے بظاہر متعارض بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ عام فقہا زنا کی سزا کے مسائل ذکر کرتے ہوئے جس کثرت سے اسے حق اللہ قرار دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر اصل زنا بالرضا کے مسائل ہی ہیں۔ زنا بالرضا میں چار گواہ نہ ہونے کی صورت میں حد قذف جاری کرنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں اس طرح کے معاملے کو عدالت میں لانے کی حوصلہ شکنی کرنا ہے خصوصاً یقینی ثبوت نہ ہونے کی صورت میں۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے کہا جا چکا ہے کہ زنا بالرضا کو جرم قرار دیتے ہوئے اسلام اس پر اگرچہ سخت سزائیں تجویز کرتا ہے لیکن اس کا اصل منشا یہی ہے کہ ایسے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ پردہ پوشی کی کوشش کی جائے۔ اور یہ معاملہ عدالت میں لایا ہی نہ جائے۔ حد قذف کی مشروعیت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اور یہ بات بڑی معقول ہے کہ جس کا حق ہے خود وہی کہہ دے کہ اس حق کے سلسلے میں عدالت سے رجوع نہ کیا جائے، لیکن زنا بالجبر میں صرف اللہ کا حق متعلق نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق بندے کے حق سے بھی ہے۔ زنا بالجبر کا شکار ہونے والی خاتون اگر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے تو وہ اپنی حق تلفی کے خلاف دادرسی کی

طالب ہے۔ اگر ایسے جرم کا پورا ثبوت پیش نہ کر سکنے کی صورت میں سزا دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے یہ کہا جا رہا ہے کہ تم نے اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کے خلاف عدالت سے رجوع ہی کیوں کیا۔ سوال یہ ہے کہ پھر عدالتوں کا مقصد ہی کیا ہے۔ ہمارے ماحول میں خاص طور پر یہ بات بڑی اہم ہے کہ بعض جرائم کے گواہ ہوتے ہیں لیکن عدالت میں پیش نہیں ہوتے، خصوصاً بااثر لوگوں کے خلاف کوئی بھی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

حاصل یہ کہ زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت اگر رپورٹ درج کراتی ہے تو چونکہ یہ حق العبد کا معاملہ اور حصول انصاف کی کوشش ہے اس لیے ملزم کے بری ہونے کی صورت میں عورت پر حد قذف نہیں ہوگی۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ شافعیہ کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ کسی مقدمے میں گواہ پیش ہوں، اور فریق مخالف گواہ پر جرح کرتے ہوئے اس پر زنا کا الزام عائد کرے تو جرح کرنے والے پہ حد قذف نہیں۔ شروانی متعدد شافعیہ سے اس کی وجہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، لأن غرضه الدفع عن نفسه لاالتعيير ۔ (۹۶) اس سے معلوم ہوا کہ زنا کا الزام لگانے کا مقصد اگر اپنا حق حاصل کرنا ہو، عار دلانا مقصود نہ ہو تو اس پر حد نہیں ہوگی۔ بلکہ شافعیہ کے ہاں تو قذف کی تعریف ہی ان لفظوں سے کی گئی ہے:

الرمي بالزنا في معرض التعيير ۔(۹۷)

''زنا کی ایسی تہمت جو عار دلانے کے سلسلے میں ہو''۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن حزم کے علاوہ دوسرے فقہا کے ہاں بھی یہ تصور موجود ہے کہ زنا کا جو الزام حصول انصاف کے لیے ناگزیر ہو وہ قذف میں داخل نہیں، اور ابن حزم مذکورہ رائے میں متفرد نہیں۔

۳- کیا حد زنا ثابت نہ ہونے کی صورت میں حد قذف لازم ہے؟

کیا یہ ضروری ہے کہ جب بھی کوئی کسی کے خلاف زنا کی رپورٹ درج کرائے یا ایسی بات عدالت میں کہے تو ملزم پر حد زنا جاری ہو یا دعویٰ کرنے والے شخص پر حد قذف، یا کسی صورت میں درمیان کا راستہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثبوت ناکافی ہونے کی وجہ سے ملزم حد زنا سے بھی بچ جائے

اور تہمت لگانے والے پر حد قذف بھی جاری نہ ہو۔ اگرچہ ایک عام تصور یہی ہے کہ زنا کے چار گواہ نہ ہونے کی صورت میں حد قذف ہی متعین ہے لیکن فقہ اسلامی کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ ملزم پر حد جاری نہ ہونے یا چار گواہ موجود نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ الزام لگانے والے پر بہر صورت قذف کی سزا لاگو ہو۔ اس کی ایک استثنائی صورت تو یہ اوپر گزر چکی کہ جب ایسا الزام لگانا حصول انصاف کے لیے ناگزیر ہو تو حد قذف نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی خلفائے راشدین کے عمل اور فقہا کی عبارات میں ایسی باتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر الزام لگانے والے کا کوئی عذر معلوم ہو جائے یا یہ بات واضح ہو جائے کہ اس کے الزام میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے، اگرچہ وہ ثبوت اس درجے کے نہ ہوں کہ ان کی بنیاد پر حد جاری کی جا سکے تو الزام لگانے والے سے حد قذف ساقط ہو جائے گی۔ یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

۱۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص نے دوسرے پر الزام لگایا کہ تو فلاں عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے۔ وہ شخص واقعی اس خاتون کے ہاں جاتا بھی تھا لیکن درحقیقت اس نے اس سے مخفی طور پر نکاح کیا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے الزام لگانے والے پر حد جاری نہیں کی اور یہ کہا کہ نکاح کھلم کھلا کر کے عورتوں کی شرم گاہوں کو (زنا کی تہمت سے) محفوظ بنایا کرو۔ (۹۸)

۲۔ ایک شخص کسی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور گواہ پیش نہیں کر سکتا تو کیا تہمت لگانے والا حد قذف سے بچنے کے لیے یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ ملزم سے قسم لی جائے۔ اس میں شافعیہ کے دو قول ہیں۔ اکثر شافعیہ کا مذہب یہی ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر ملزم قسم کھانے سے انکار کر دے تو تہمت لگانے والے سے حد قذف ساقط ہو جائے گی۔ نکول عن الیمین (قسم کھانے سے انکار) اتنا مضبوط ثبوت نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر ملزم پر حد جاری کی جائے لیکن الزام میں کچھ سچائی ہونے اور ''دال میں کالا کالا'' ہونے کا اتنا قرینہ ضرور ہے کہ اس کی بنیاد پر حد قذف ساقط کی جا سکے۔ بلکہ شافعیہ کے ایک قول کے مطابق تو اگر تہمت کسی انتقال کر جانے والے شخص پر لگائی گئی ہو تو اس کے وارث سے قسم لی جائے گی کہ مجھے یقین ہے کہ مرنے والے شخص نے زنا نہیں کیا۔ اس کے بغیر وارث کے مطالبے پر قاذف پر حد نہیں ہوگی، نووی کا کہنا یہ ہے کہ خود امام شافعی نے بھی اس مسئلے کی

تصریح کی ہے۔(۹۹)

۳۔ اگر کسی شخص کے خلاف زنا کی گواہی دینے والے فاسق ہوں تو ملزم پر حدزنا جاری نہیں ہوگی اور گواہوں پر حدقذف بھی نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے معروف حنفی فقیہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: فیثبت بشهاد تهم شبهة الزنا فسقط الحد عنهم (۱۰۰). معلوم ہوا کہ الزام لگانے والے سے حدقذف کو ساقط کرنے کے لیے ''شبهة الزنا'' بھی کافی ہے۔

۴۔ اس بحث کے شروع میں ابن حزم کی المحلی کے حوالے سے عمر بن عبدالعزیز سمیت بعض تابعین کے جو اقوال نقل کیے گئے تھے ان میں بھی قدر مشترک یہی تھا کہ اگر ایسے قرائن موجود ہوں جن سے عورت کے دعوے کی کسی قدر تصدیق ہوتی ہو اگرچہ وہ ثبوت مرد کو سزا دینے کے لیے کافی نہ ہو تو عورت سے حدقذف ساقط ہو جائے گی۔

اوپر ذکر کردہ عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر الزام لگانے والے کا کوئی عذر واضح ہو جائے یا الزام سچا ہونے کا شبہ بھی پیدا ہو جائے، تو اس پر حدقذف جاری نہیں ہوگی۔ اس اصول کا اعتبار مرد پر لگائی جانے والی تہمت میں ضرور ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس صورت میں سزا کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں ہے۔ اس لیے اس سزا کو ساقط کرنے کے لیے زیادہ بڑی بنیاد کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ اصول کہ زنا کا الزام لگانے کے بعد دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی، یا تو ملزم پر حدزنا جاری ہوگی اگر چار گواہ موجود ہوں۔ یا الزام لگانے والے پر حدقذف، اگر چار گواہ نہ ہوں۔ اول تو اوپر ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ اصول اتنا عام نہیں ہے۔ دوسرے یہ اصول جن نصوص سے نکل رہا ہے وہ عورت پر تہمت کے بارے میں ہیں۔ مثلاً سورہ نور کی آیت ۴ میں پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورہ نور ہی کی آیت ۱۳ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ. فَاِذْلَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَاللّٰهِ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ

یہ چار گواہ کیوں نہ لائے؟ جب یہ گواہ پیش نہیں کر سکے تو یہ لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔
یہ آیتیں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والی تہمت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں۔ اسی طرح جب ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپ نے اس طرح کے سب سوالوں کے جواب میں یہی بات فرمائی کہ اگر اپنی بیوی پر بھی تہمت لگاؤ گے تب بھی یا تو گواہ پیش کرنا ہوں گے، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگے گی۔ یہ معاملہ بھی عورت پر تہمت ہی کے بارے میں تھا۔ بعد میں لعان کی آیات نے یہ بتا دیا کہ جہاں ایسی صورت حال ہو کہ الزام لگانا الزم لگانے والے کی مجبوری ہو، وہاں البینة والاحد فی ظهرک والا اصول جاری نہیں ہوگا۔ مثلاً اپنی بیوی کے معاملے میں مجبوری یہ ہے کہ اگر خاموش رہتا ہے تو امکان ہے کہ کسی اور کے نطفے سے پیدا ہونے والا بچہ اس کی طرف منسوب ہو جائے اور اسے اس کی ذمہ داریاں قبول کرنا پڑیں۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد فقہا نے لکھا ہے کہ اگر زنا کی وجہ سے بیوی حاملہ نہ ہو تو مرد کے لیے لعان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے خاموشی سے برداشت کر لینے کا یا طلاق دے دینے کا راستہ بہتر ہے۔ (۱۰۱)

حاصل بحث یہ کہ اگر زنا بالجبر کا شکار ہونے والی خاتون اپنا دعویٰ پورے طور پر ثابت نہیں کر سکتی اور ملزم بری ہو جاتا ہے، تب بھی خاتون پر قذف کی سزا نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کا رپورٹ درج کرانا قذف نہیں ہے بلکہ ایک بندے کی طرف سے اپنے حق کے حصول کے لیے چارہ جوئی ہے۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ مرد پر تہمت کی سزا اس طرح کی دلیل قطعی سے ثابت نہیں جس طرح کی عورت پر تہمت کی سزا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جبکہ بحیثیت مجموعی یہ محسوس ہو رہا ہو کہ اگرچہ مرد پر الزام پورے طور پر ثابت نہیں ہو سکا، لیکن دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

البتہ اگر یہ بات پوری طرح پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ عورت کا یہ دعویٰ خالصتاً بدنیتی پر مبنی تھا اس کے ساتھ اس طرح کا واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں ہے، یا کسی اور کا قصور اس نے ملزم کے کھاتے میں جان بوجھ کر ڈال دیا ہے تو اس کو سزا ملنا چاہیے خواہ ''قذف'' کے تحت یا غلط مقدمہ درج کرانے کے لیے عام قوانین کے تحت ملے۔

۴۔ مستغیثہ کے کردار پر جرح کا مسئلہ

گزشتہ تین چار دہائیوں سے مغربی دنیا کے لیے عصمت دری کے واقعات اہم مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ حقوقِ نسواں کے بارے میں پیدا ہونے والی بے داری نے اس مسئلے کو اور زیادہ نمایاں کر دیا ہے۔ متعدد مغربی ملکوں یا ریاستوں میں متعدد قانونی تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور کچھ تبدیلیوں کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ اصل میں روایتی انگریزی قانون کے زیر اثر رہنے والے ملکوں میں قانون کا بنیادی رخ مرد کو غلط الزام سے بچانے اور اسے زیادہ سے زیادہ صفائی کے مواقع فراہم کرنے کی طرف تھا جس کی وجہ سے جرم کا شکار ہونے والی عورت جرم کی قانونی رپورٹ کی جرأت نہیں کرتی تھی۔ اس لیے اب قوانین میں زیادہ تر تبدیلیاں اس مقصد کے تحت کی جارہی ہیں کہ متاثرہ عورت میں جرم کی رپورٹ درج کرانے کا زیادہ سے زیادہ حوصلہ پیدا کیا جائے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ روایتی قانون میں زنا بالجبر کا دعوی کرنے والی عورت کے اپنے کردار اور چال چلن کو بھی عدالت میں زیر بحث لایا جاتا تھا تاکہ وکیل صفائی یہ ثابت کر سکے کہ اگر اس کے ساتھ جنسی عمل ہوا بھی ہے تو اس کی رضا مندی سے ہوا ہے۔ اب مغربی دنیا کے بعض حلقے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ عورت پر اس طرح کی جرح نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جرح کا خوف عورت میں جرم کی رپورٹ درج کرانے کا حوصلہ نہیں پیدا ہونے دیتا۔

پاکستان کے قانون شہادت مجریہ ۱۹۸۴ء کی دفعہ ۱۵۱ کی کلاز (۴) کی رُو سے زنا بالجبر کے مقدمے میں فریق صفائی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مستغیثہ کے عام چال چلن پر بحث کر کے اس کا فاحشہ ہونا ثابت کرے تاکہ الزام میں ''جبر'' کے عنصر کو ثابت نہ کیا جا سکے۔ اس دفعہ کے بارے میں بھی یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اسے ختم کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ایک خاتون کے لیے اس طرح کے سوالات کا سامنا کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس کی وجہ سے وہ استغاثہ دائر کرنے سے ہی گریز کرے گی۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ایک عورت کا عمومی چال چلن اگر درست نہ ہو، تب بھی اس کے ساتھ زنا بالجبر کرنے والا سزا کا مستحق ہے۔ مستغیثہ

کا کردار اچھا نہ ہونا مرد کے بارے میں جرم کے عنصر کو ختم نہیں کرتا، لیکن کسی کو سزا دلانے کے شوق میں ملزم سے اپنی صفائی کے مواقع چھین لینا بھی عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہو گا۔ قانون کی رُو سے زنا بالرضا کی سزا کم ہے اور زنا بالجبر کی زیادہ ہے۔ اگر اس طرح کے سوالات کے ذریعے وکیلِ صفائی عدالت کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ ملزم پر عائد ہونے والا جرم کم درجے کا ہے تو اس کا موقع ملنا ملزم کا حق ہے جو بہرحال اسے ملنا چاہیے۔ چنانچہ جسٹس اینڈ لا کمیشن آف پاکستان نے بھی اس تجویز پر غور وخوض کرنے کے بعد اسے رد کر دیا ہے۔ (۱۰۲)

اصل بات یہ ہے کہ روایتی انگریزی قانون اور اس سے متاثرہ قوانین کی بنیاد ہی عورت کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے پر تھی۔ اس لیے ان قوانین میں متاثرہ عورت کے لیے استغاثہ کے دروازے ہی بند کر دیے گئے تھے۔ عورت کو جھوٹا سمجھنے کا یہ رجحان ایک انتہا تھی۔ اب دوسری انتہا بعض حلقوں کی یہ خواہش ہے کہ عصمت دری کے مقدمات میں عدالتیں بغیر کسی ردّ وقدح اور بحث وتمحیص کے عورت کی بیان کردہ کہانی کو تسلیم کرتے ہوئے ملزم کو سخت سزا سنانے کے لیے تیار بیٹھی ہوں۔ عورت اگر فاحشہ ہو تو اس بات کے امکانات ہر دور میں رہے ہیں کہ جب اس کی رضا ورغبت سے ہونے والا جرم حمل یا کسی اور وجہ سے ظاہر ہونے لگے تو اپنے اصل شریکِ جرم کو چھپانے کے لیے سارا الزام کسی اور پر دھر دے۔ چنانچہ پچھلے زمانوں کا اسی نوعیت کا ایک واقعہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک فاحشہ عورت کسی چرواہے سے ناجائز طور پر حاملہ ہوگئی۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے الزام "جریج" نامی ایک عبادت گزار شخص پر لگا دیا جس کو کسی وجہ سے اس کی ماں نے بددعا دے رکھی تھی۔ لوگوں نے مشتعل ہو کر اس کا صومعہ ہی منہدم کر ڈالا۔ بعد میں اس شخص کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ اس شیر خوار بچے کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی اور اس نے وضاحت کی کہ میں فلاں چرواہے کے نطفے سے ہوں۔ حدیث میں اس الزام تراشی کا محرک بھی بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ یہ عورت درحقیقت خود اس عبادت گزار شخص کو اپنے ساتھ گناہ میں ملوث کرنا چاہتی تھی۔ اس

کی طرف سے انکار کا انتقام اس نے اس انداز سے لیا۔(۱۰۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی بیعت کے وقت جن جن امور کا عہد لینے کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے ان میں ایک عہد یہ بھی ہے: وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ (الممتحنۃ: ۱۲) یعنی ''وہ ایسا نہیں کریں گی کہ خود بہتان گھڑ کر کسی کی طرف منسوب کر دیں'' اس کا پس منظر بھی یہی ہے کہ بعض اوقات عورتیں بدکاری میں کسی اور کے ساتھ ملوث ہوتیں لیکن حمل ٹھہر جانے کے بعد اسے منسوب کسی اور کی طرف کر دیتیں۔ وہ معاشرے جن میں باہمی رضامندی کے ساتھ ہر قسم کے جنسی تعلق کو نہ صرف قانوناً جائز سمجھا جاتا ہو بلکہ اس کے گناہ اور باعثِ عار ہونے کا تصور بھی باقی نہ رہا ہو، وہاں شاید یہ بات کہی جا سکتی ہو کہ اگر جنسی عمل میں عورت کی رضامندی شامل ہوتی تو وہ اسے تسلیم کرنے سے نہ ہچکچاتی لیکن مسلمان معاشرے میں ایسا ہونا بہت مشکل ہے۔ اس لیے اس بات کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی مقدمے میں زیرِ بحث جنسی عمل میں عورت کی رضامندی بھی شامل ہو جسے وہ تسلیم نہ کر رہی ہو یا اصل مجرم ہی کوئی اور ہو، عورت کی طرف سے دعوئ جبر کی وجہ سے اسے تو سزا معاف کر دینا چاہیے لیکن اسے اتنا معصوم سمجھنا بھی درست نہیں ہوگا کہ ملزم کو صفائی کے مواقع سے محروم کر دیا جائے۔

اسلامی قانون اور ہمارے زمانے کے سیکولر قوانین میں ایک بڑا فرق ہے۔ ان سیکولر قوانین میں جبر ثابت نہ ہونے کا لازمی نتیجہ ملزم کا بری ہونا ہوتا ہے۔ اس لیے مغربی دنیا کی قانون سازی میں ریپ کی تعریف کو وسیع سے وسیع تر کرنے اور زیادہ سے زیادہ صورتوں میں جبر کے ثبوت کو تسلیم کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اسلامی قانون میں جبر ثابت نہ ہو تب بھی زنا بذاتِ خود قابلِ حد یا قابلِ تعزیر جرم ہے۔ اس لیے یہاں جبر کے عدمِ ثبوت کا مطلب مجرم کا بالکلیہ چھوٹ جانا نہیں ہے۔

قانونی تجربہ رکھنے والے حضرات کو اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ عورت کو قانونِ شہادت کی دفعہ (۴) ۱۵۱ کے تحت سوالات سے استثنا اس صورت میں دے دیا جائے

جبکہ وہ اس بات پر آمادہ ہو کہ ملزم کو صرف زنا بالرضا کی سزا دی جائے زنا بالجبر کی نہیں۔ گویا ان سوالات کے ذریعے سزا میں جو تخفیف فریقِ صفائی کرانا چاہتا ہے، وہ پہلے ہی استغاثہ کی رضامندی سے طے ہو جائے۔

زنا بالجبر کی سزا

زنا بالجبر کی سزا کیا ہونا چاہیے اور اسلامی نقطہ نظر سے یہ جرائم کے کس خانے میں فٹ بیٹھتا ہے؟ یہ سوال بھی معاصر فقہی بحث و نظر کا اہم موضوع ہے۔ اتنی بات تو شریعت کے عام اصولوں اور قدیم فقہی مراجع اور خلفائے راشدین کے عمل سے واضح ہوتی ہے کہ زنا بالجبر کا معاملہ عام زنا سے خاصا مختلف ہے۔ زنا بالرضا میں چونکہ صرف حق اللہ متعلق ہوتا ہے زنا بالجبر میں حق العبد بھی۔ اس لیے اس دوسرے میں ملزم کو اتنی زیادہ رعایتیں نہیں ملنا چاہییں جتنی پہلے میں ملتی ہیں۔ نیز اس میں ''زنا'' کے ساتھ ''جبر'' کا جرم بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کی سزا بھی سنگین ہونا چاہیے۔

زنا بالجبر کی مستغیثہ پر حد قذف کے حکم کے تحت پہلے تابعین کے جو اقوال نقل کیے گئے تھے، ان میں یہ بات بھی آئی تھی کہ محض قرائن کی بنیاد پر ہی عورت کو حد قذف سے بھی بری کر دیا جائے اور ملزم کو بھی سخت ترین سزا دی جائے گی۔ فقہ مالکی میں بھی عورت کے دعویٰ کی سچائی پر واضح قرائن ہونے کی صورت میں اگرچہ وہ اثباتِ حد کے لیے ناکافی ہوں ملزم کو تعزیری طور پر سخت سزا دینے کا ذکر ملتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں زنا کا مجرم اگر غیر مسلم ہو تو اسے صرف کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے سزائے موت نہیں۔ لیکن اگر یہی غیر مسلم کسی کے ساتھ زنا بالجبر کرے، تو امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ اس پر مسلمانوں والی حد ہی جاری ہو گی۔ (۱۰۴) یعنی شادی شدہ ہونے کی صورت میں اسے رجم کیا جائے گا۔ غیر مسلم حنفیہ کے ہاں محصن نہیں ہوتا، اس لیے یہاں اسے رجم کرنا بظاہر ''جبر'' کی وجہ سے اضافی سزا ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کے سامنے ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک غیر مسلم

مرد نے مسلمان عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔ (۱۰۵) حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں ایک عورت اپنے جانور پر سوار ہو کر جا رہی تھی۔ ایک عیسائی نے اس جانور کے پیچھے کوئی چیز چبھوئی، تاکہ جانور بدکے اور عورت گر جائے۔ جب وہ نہ گری تو اس نے دھکا دے کر اسے نیچے گرایا اور اسے اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنایا۔ حضرت عمرؓ نے اسے سولی کی سزا کا حکم سنایا۔ (۱۰۶) پھانسی یا سولی کی سزا عام سزائے موت سے سخت سمجھی جاتی تھی۔ بیہقی کی روایت کے مطابق اسلام میں یہ پہلا شخص تھا جسے سولی پر لٹکایا گیا۔ سزا میں یہ سختی جنسی جرم میں جبر اور دیدہ دلیری و بے باکی کے عنصر کی وجہ سے تھی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسے یہ سزا آیت محاربہ کے تحت دی گئی ہو۔

اس سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ زنا بالجبر کے مقدمات کے ساتھ عام زنا والا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ ریپ درحقیقت زنا ہے ہی نہیں۔ اس لیے اسے قانون میں زنا کے تحت رکھنا غلط ہے۔ ایک تجویز زنا بالجبر یا ریپ کو سورہ مائدہ کی آیت ۳۳ کے تحت محاربہ اور فساد فی الارض کے تحت داخل کرنے کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زنا بالجبر یا ریپ کثیر الجہتی (Multi dimensional) جرم ہے۔ اس میں اگر دخول (Peneteration) بھی پایا جاتا ہے تو ایک شخص کے ساتھ جبر کا جرم ہونے کے ساتھ ساتھ زنا کا جرم بھی بنتا ہے۔ اگر اس کا ثبوت حد کے معیار پر پورا اترتا ہے تو حد زنا نافذ کی جائے گی۔ اگر زانی محصن ہے اور رجم کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں تو یہ بذاتِ خود سنگین ترین سزا ہے۔ اس لیے بظاہر زنا کی سزا کے علاوہ ''جبر'' کی وجہ سے اضافی سزا کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی، تاہم اگر اضافی سزا دینا ہی ہو تو گنجائش ہے کہ سو کوڑے لگا کر رجم کیا جائے اور اگر مجرم کے غیر محصن ہونے کی وجہ سے حد سو کوڑوں کی شکل میں ہے تو جبر کے اضافی جرم کی وجہ سے مزید سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ زنا کا ثبوت ''نفاذِ حد'' کے معیار پر پورا اترے۔ ایسی صورت میں جبر کے پہلو کی وجہ سے سخت تعزیری سزا دی جائے جو امام ابو یوسفؒ کے اوپر ذکر

کردہ قول اورابو عبیدہؓ بن جراح کے فیصلے کے مطابق سزائے موت بھی ہوسکتی ہے۔اس صورت میں اس جرم کے ساتھ ''تعزیر'' کے تحت نمٹنے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جرم کے ثبوت کے سلسلے میں ان معیاروں کی ضرورت نہیں رہے گی جو حد کے ثبوت میں ہوتے ہیں۔ نیز ثبوت کے معیار اور طریقے وقت کے ساتھ بدلنے میں بھی آسانی ہوگی۔بس اتنا ضروری ہے کہ ملزم کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ ہو جو عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہو۔

یہاں تک ہمارے قانون کی پوزیشن بھی تقریباً یہی ہے کہ اس میں جبر کی صورت میں اضافی سزا بھی تجویز کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس جرم کے دو پہلو اور ہیں،ایک یہ کہ دخول کا عمل نہیں پایا جاتا ہے،جبراً اس سے کم درجے کا جنسی فعل ہوتا ہے،اگر باہمی رضامندی سے ہوتا تو چونکہ زنا کی تعریف اس پر صادق نہیں آرہی اس لیے گناہ ہونے کے باوجود قانون اسے نظر انداز کرسکتا ہے لیکن یہی عمل اگر جبراً ہوتا ہے تو زنا کی تعریف میں نہ آنے کے باوجود محض گناہ نہیں بلکہ بندے کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے ایسا جرم بھی ہے جو قانون کی زد میں آنا چاہیے۔قابل غور بات یہ ہے کہ اسے محض ''اقدامِ زنا بالجبر'' کے تحت لانا کافی ہوگا،یا قانون میں اسے مستقل قابلِ تعزیر جرم بنانا چاہیے۔

زنا بالجبر کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ بعض اوقات یہ جرم اس انداز سے سرزد ہوتا ہے کہ اس میں متاثرہ فریق کی عدمِ رضامندی ہی نہیں ہوتی بلکہ ملزم کی طرف سے طاقت کا استعمال یا اس کی دھمکی بھی ہوتی ہے۔کبھی محسوس ہوتا ہے کہ ملزم حد سے زیادہ خود سر اور بے باک ہوگیا ہے۔اس کا مقصد ہی معاشرے پر اپنی دھاک بٹھانا اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ کسی اتھارٹی کو کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ایسے لوگ بعض اوقات مل کر اپنا گروپ بھی بنا لیتے ہیں۔ایسی صورتوں میں دخول ثابت ہونے کی صورت میں یہ زنا تو ہے ہی،اس کے ساتھ ساتھ یہ سورہ مائدہ کی آیت ۳۳ کے تحت محاربہ میں بھی داخل ہے۔محاربہ اور فساد فی الارض میں داخل ہونے کے لیے دخول کی شرط بھی نہیں ہونا چاہیے۔چنانچہ وفاقی شرعی عدالت بھی رشیدہ پٹیل بنام سرکار کیس میں اجتماعی زیادتی کی صورت میں اس طرح کی سفارش کرچکی ہے۔فقہ کی عام کتابوں

میں اگرچہ اس آیت میں ذکر کردہ سزا کا ذکر صرف ڈاکے کے بارے میں کیا جاتا ہے لیکن قرآنی الفاظ میں اس طرح کی کوئی قید مذکور نہیں۔ معروف مالکی فقیہ و محدث ابن العربی نے ان لوگوں پر اظہارِ افسوس کیا ہے جو مال لوٹنے کے لیے حملہ آور ہونے کو تو حرابہ میں داخل کرتے ہیں آبرو کو اس میں داخل نہیں کرتے۔(۱۰۷) حنفیہ میں سے جصاص نے جادوگر کے قتل پر بحث کرتے ہوئے اسے بھی آیتِ محاربہ کے تحت داخل کیا ہے۔(۱۰۸)، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ آیت راہ زنی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ ریپ کے چار پہلو ہو سکتے ہیں:

۱۔ یہ ناجائز دخول ہونے کی وجہ سے زنا ہے، قابلِ حد یا قابلِ تعزیر
۲۔ دخول نہ ہونے کی صورت میں بھی یہ زنا سے کم تر درجے کا ناجائز جنسی فعل ہے۔
۳۔ کسی شخص کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی فعل کرنا ہے۔
۴۔ محاربہ اور فساد فی الارض کی کوشش ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ زنا بالجبر کی مختلف صورتوں کی درجہ بندی کر کے ان پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سزا تجویز کی جائے۔

نتائجِ بحث

۱۔ پاکستان کے تمام قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانا ایک دستوری تقاضا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں اس سمت ایک قدم اٹھاتے ہوئے حدود آرڈیننس نافذ کیے گئے جو ایک اہم قدم ہونے کے ساتھ منفرد تجربہ تھا۔ اس بات کی ضرورت تھی، ہے اور رہے گی کہ نفاذ کے بعد کے تجربات سے پیدا ہونے والے مسائل کے پیشِ نظر قرآن و سنت کی روشنی میں ان پر مسلسل غور ہوتا رہے۔ اس لیے کہ حدود کے احکام اگرچہ اللہ کی طرف سے ہیں لیکن قانون کی خاص تسوید اور فقہا کے اقوال میں سے قانون سازی کے لیے کسی کا انتخاب انسانی فعل ہے جس پر غور کی ہمیشہ گنجائش رہتی ہے، تاکہ اس کے نتائج عدل و انصاف کی فراہمی کی صورت میں نکلیں جو

اسلامی ریاست کا اہم مقصد ہے۔

۲۔ حدود آرڈیننس کی وجہ سے جن مسائل ومشکلات کے پیدا ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے، ان میں سے زیادہ تر کا تعلق ان واقعات کے ساتھ ہے جو حدود کے بجائے تعزیرات سے متعلق ہیں۔ نیز مسائل پیدا ہونے کے اسباب میں قانون کا بعض جگہوں پر ابہام اور اس کا دوسرے مروجہ قوانین کے ساتھ تعلق، ان قوانین حدود کی تشریح عام مروجہ قانونی تصورات کی روشنی میں کرنا شامل ہیں۔ اس لیے اس قانون کو مزید واضح اور مستقل بنانے کی ضرورت ہے۔ بہتر ہوگا کہ تعزیری دفعات کو مجموعہ تعزیرات کا حصہ بنا دیا جائے۔

۳۔ حدزنا بالخصوص زنا بالرضا کے مقدمات کو ہینڈل کرنے کے بارے میں اسلامی مزاج عام قانونی رخ اور مزاج سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے حد زنا آرڈیننس کے لیے ضابطے کے قوانین مستقل ہوں، خواہ وہ اسی آرڈیننس کا حصہ ہوں۔

۴۔ مقدمہ درج کر کے چالان عدالت میں پیش کرنا درحقیقت رفع الحد الی الامام کی جدید شکل ہے۔ اس سے پہلے قانون میں کوئی ایسی اتھارٹی طے کی جائے جو اس مرحلے سے پہلے اس بات کا جائزہ لے کہ کیا واقعی ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں جو اوپر ذکر کردہ احادیث مبارکہ اور فقہا کی تصریحات کے مطابق اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ملزم کو عدالت میں پیش کر کے سزا دلوانے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اتھارٹی کون ہو؟ اونچے رینک کا پولیس آفیسر ہو، انتظامی مجسٹریٹ ہو یا عوامی نمائندوں میں سے کوئی ہو، اس پر قانونی زندگی کا تجربہ رکھنے والوں کو غور کرنا چاہیے۔

۵۔ قانون میں اس طرح کی مجوزہ اتھارٹی کو واضح ہدایات بھی دی جائیں کہ وہ مذکورہ بالا فیصلہ کرنے میں کن کن امور کی رعایت رکھے گا، مثلاً یہی کہ مجرم کی شکایت پہلی دفعہ آئی ہے، ملزم اپنے فعل پر نادم ہے اور تائب ہے یا نہیں۔

۶۔ عدالت کو بھی اس بات کا اختیار ہو کہ اگر وہ محسوس کرے کہ ابتدائی مراحل میں ان امور کی رعایت نہیں رکھی گئی تو وہ ''اعراض'' سے کام لیتے ہوئے مقدمے کی سماعت سے انکار کر دے کہ اس کے پاس کرنے کے لیے اور بہت سے کام ہیں۔

۷۔ حدزنا اور حدقذف کو مسلمانوں کے پرسنل لا کے طور پر نافذ کیا جائے۔

۷۔ قانون میں ''شبہ'' کا تصور جس انداز میں دیا گیا ہے وہ مبہم ہے۔ قانون میں اصطلاحی لفظ ''شبہ'' ہی استعمال کیا جائے اور اس کے اطلاق کی وضاحت کی جائے، نیز جو ''شبہ'' عذر کی حد تک پہنچا ہوا ہو، اسے تعزیری صورتوں میں بھی مؤثر قرار دیا جائے۔

۸۔ بغیر شادی کے حاملہ ہونے والی بچی کے محض حمل کو رپورٹ میں تاخیر یا رپورٹ نہ کرنے کو اس کے ساتھ رضامندی کے ساتھ شریک جرم ہونے کا ثبوت نہ سمجھا جائے، بلکہ اسے بری کرنے کے لیے اس کے بیان ہی کو کافی سمجھا جائے۔

۹۔ زنا بالجبر کی مستغیثہ اگر سزا کے لیے کافی ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس پر حدقذف جاری نہیں ہونا چاہیے، الا یہ کہ یہ بات بہت واضح ہو جائے کہ اس نے یہ دعویٰ محض بد نیتی سے ملزم کو پریشان کرنے کے لیے کیا تھا۔

۱۰۔ چونکہ قانون میں زنا بالجبر کی سزا زیادہ ہے اور زنا بالرضا کی کم، اس لیے ملزم کو یہ حق ملنا انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ قرائن وشواہد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ اس عمل میں دوسرے فریق کی رضامندی بھی شامل تھی۔ اس لیے قانون شہادت کی دفعہ ۱۵۱ کی ذیلی شق (۴) کو ختم کرنے کا مطالبہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ مستغیثہ کو اس صورت میں اس دفعہ کی رو سے ہونے والی جرح سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے جب وہ اس بات پر آمادہ ہو کہ ثبوت جرم کے بعد سزا زنا بالرضا والی دی جائے، زنا بالجبر والی نہیں۔

——❖——

حوالہ جات

۱- حاکم، المستدرک، ج ۳، ص ۲۸۷؛ ابن ماجہ، السنن، باب لصاحب الحق سلطان، حدیث ۲۴۲۶، باب الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، حدیث ۴۰۱۰؛ بیہقی، السنن الکبریٰ، ج ۶، ص ۱۴۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

۲- ابن ماجہ، السنن، حدیث ۳۶۷۸؛ بیہقی، السنن الکبریٰ، ج ۵، ص ۳۶۳

۳- بیہقی، شعب الایمان، ج ۷ص ۴۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت طبع اول ۱۹۹۰ء
۴- ابوداؤد: حدیث ۳۰۵۲؛ بیہقی: السنن الکبری، ج ۹ ص ۲۰۵
۵- روزنامہ نوائے وقت، ۱۵ اپریل ۲۰۰۵ء
۶- محمد تقی عثمانی، تکملة فتح الملهم، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۱۴۲۰ھ، ج ۲ ص ۵۰۸-۵۱۵
۷- تبریزی، مشکاة المصابیح ص ۳۲۲، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۸- ابن ماجہ، السنن، کتاب الحدود، باب الستر علی المؤمن، حدیث ۲۵۴۵
۹- ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود، حدیث ۱۴۲۴
۱۰- ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الستر علی المؤمن ودرء الحدود بالشبہات، حدیث ۲۵۴۵
۱۱- عینی، عمدة القاری، ج ۲۰ ص ۲۵۹، داراحیاء التراث بیروت ایڈیشن وسال غیر مذکور
۱۲- ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۴ ص ۳۳۳، دارصادر بیروت، سال وایڈیشن غیر مذکور
۱۳- نسائی، السنن الکبری، حدیث ۷۲۰۰
۱۴- ابن حبان، الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، ج ۱۰ ص ۲۴۷، حدیث ۴۴۰۰ مؤسسة الرسالة بیروت، طبع ثانی ۱۹۹۳ء
۱۵- ابوداؤد، السنن، حدیث ۴۳۳۴؛ نسائی، السنن الکبری، حدیث ۷۲۰۲؛ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
۱۶- ابن حجر عسقلانی، المطالب العالیة، ج ۲ ص ۱۲۰، دارالمعرفة، بیروت، سال وایڈیشن غیر مذکور
۱۷- بیہقی، السنن الکبری، ج ۸ ص ۳۳۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۱۸- المستدرک، ج ۴ ص ۳۸۲، دارالفکر، بیروت
۱۹- بیہقی، السنن الکبری، ج ۸ ص ۳۳۱
۱۹(الف)- ایضاً، ج ۸ ص ۳۳۰
۲۰- المستدرک، ج ۴ ص ۳۷۷؛ بیہقی، السنن الکبری، ج ۸ ص ۳۳۳
۲۱- ابوداؤد، السنن، حدیث ۴۸۸۹
۲۲- بیہقی، السنن الکبری، ج ۸ ص ۳۳۳
۲۳- ابوداؤد، السنن، حدیث ۴۸۹۰
۲۴- ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ج ۱۱ ص ۴۹۰، ادارۃ القرآن، کراچی طبع ثالث، ۱۴۱۵ھ
۲۵- ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۷ ص ۵۹، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ایڈیشن وسال غیر مذکور

۲۶- مستدرک حاکم، ج ۴ص ۲۴۴ (حاکم نے اس حدیث کو صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے اور ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے)۔

۲۷- البحر الرائق، ج ۷ص ۶۰

۲۸- ابن قدامہ، الکافی ،ج ۴ص ۱۷۳، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۸ھ؛ نووی، روضۃ الطالبین، ج ۱۰ص ۹۷، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۱ھ

۲۹- نووی، روضۃ الطالبین ،ج ۱۰ص ۱۵۹

۳۰- ابن نجیم، البحر الرائق

۳۱- إعلاء السنن، ج ۱۱ص ۵۰۱

۳۲- ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۱۷۶، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۹۷۸ء

۳۳- عبدالرحمن محمد نجدی، کتب وفتاوی ابن تیمیۃ فی الفقه، ج ۳۵ص ۳۹۸

۳۴- اعلاء السنن، ج ۱۱ص ۵۰۱

۳۵- مرغینانی، الهدایة، ج ۳ص ۱۳۴، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان

۳۶- البہوتی: کشاف القناع، ۳۲۰/۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ

۳۷- کتاب الخراج، ص ۱۵۱

۳۸- ابن حزم، المحلی، ج ۱۱ص ۱۳۲، مسئلہ ۲۱۶۸، دار الجیل، بیروت، ایڈیشن وسال غیر مذکور

۳۹- إعلاء السنن، ج ۱۱ص ۵۰۰

۴۰- بیہقی، السنن الکبری، ج ۶ ص ۱۲۳

۴۱- محمد طفیل ہاشمی، حدود آرڈیننس کتاب وسنت کی روشنی میں، عورت فاؤنڈیشن، ص ۱۷۸

۴۲- ابن العربی، أحکام القرآن، ج ۲ص ۱۰۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت طبع اول، ۲۰۰۱ء؛ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج ۶ص ۱۷۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء؛ ابن عبدالبر، الاستذکار، ج ۶ص ۴۶۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء

۴۳- سحنون، المدونة الکبری، ج ۱۶ص ۲۴۲، دار صادر، بیروت

۴۴- شافعی، الأم، ج ۴ص ۲۱۰، دار المعرفۃ، بیروت، ایڈیشن وسال غیر مذکور؛ ابن عبدالبر، الاستذکار، ج ۶، ص ۴۶۸

۴۵- الأم، ج ۶ص ۱۳۸

۴۶- الاستذکار، ج ۶ص ۴۶۸

۴۷- ابن قدامہ، المغنی، ج ۸ص ۲۱۴، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ الریاض ایڈیشن وسال غیر مذکور

۴۸- قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج ۶ ص ۱۸۵

۴۹- فتح الباری، ج ۲۱ ص ۳۰۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ایڈیشن وسال غیر مذکور

۵۰- ابوبکر رازی جصاص، أحکام القرآن، ج ۲ ص ۴۲۷، سہیل اکیڈمی، لاہور

۵۱- بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۳۱۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۵۲- شافعی، الأم، ج ۳ ص ۲۱۰؛ قرطبی، الجامع لأحکام لقرآن، ج ۶ ص ۱۷۹، ۱۸۵

۵۳- قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج ۶ ص ۱۵۸؛ ابن عبدالبر، الاستذکار، ج ۶ ص ۴۶۸

۵۴- مرغینانی، الهدایة، باب المہر، ج ۲ ص ۳۳۸، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان؛ البحر الرائق، ج ۳ ص ۲۰۱، ج ۵ ص ۸۱، دارالمعرفۃ، بیروت؛ ردالمحتار علی الدر المختار، ج ۳ ص ۳۰۰، ایچ ایم سعید، کراچی

۵۵- إعلاء السنن، ج ۱۱ ص ۵۲۱

۵۶- الأم، ج ۶ ص ۱۳۸؛ ابن حزم، المحلی، ج ۱۱ ص ۱۵۸، مسئلہ ۲۱۸۳

۵۷- انسائکلو پیڈیا انکارٹا مقالہ Rape(law)

58. Gul Muhammad Khan, Justice(r), *Hudood laws InPakistan*,PSC, 1988(FSC) 982, p.25

۵۹- ابن ماجہ، السنن، حدیث ۲۰۴۵

۶۰- تفصیل کے لیے دیکھیے: انسائکلو پیڈیا انکارٹا مقالہ Rape

۶۱- ایضاً

62. Ensyclopedia Encarta Side Bar Article "Date Rape"

63. www.dawn.com/2003/10/08

۶۴- ابن قدامہ، المغنی، ج ۸ ص ۱۸۶

۶۵- نیل الأوطار، ج ۳ ص ۶۵۹

۶۶- زیلعی، نصب الرایة، ج ۳ ص ۳۳۱، مکتبہ اسلامیہ، لاہور

۶۷- ایضاً، ج ۳ ص ۳۳۲

۶۸- السنن، ج ۱۱ ص ۶۲۷

۶۹- سحنون، المدونة الکبری، ج ۱۳ ص ۱۷۶؛ ابن عبدالبر، الاستذکار، ج ۷ ص ۱۴۶

۷۰- ابنِ قدامہ، المغنی، ج ۸، ص ۲۱۰

۷۱- ایضاً، حوالہ بالا

۷۲- ابنِ حجر، فتح الباری، ج ۱۲، ص ۱۸۹

۷۳- ابو یوسف، الخراج، ص ۱۵۳؛ ابنِ عبدالبر، الاستذکار، ج ۷، ص ۴۸۶، دارالکتب العلمیۃ، بیروت؛ ابنِ حجر، فتح الباری، ج ۱۲، ص ۱۸۹؛ عثمانی، إعلاء السنن، ج ۱۱، ص ۶۲۴

۷۴- إعلاء السنن، ج ۱۱، ص ۶۲۵

۷۵- الاستذکار، ج ۷، ص ۴۸۶

۷۶- ایضاً

۷۷- ابنِ قدامہ، المغنی، ج ۸، ص ۲۱۱

۷۸- ابنِ ابی شیبہ، المصنف، ج ۸، ص ۲۲۰

۷۹- www.karamah.com

۸۰- جہاں مینا بنام سرکار، پی ایل جے ۱۹۸۳ء، وفاقی شرعی عدالت ۱۳۴

۸۰الف انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ Rape

۸۱- پاکستان کریمنل لا جرنل ۲۰۰۵ء، فیڈرل شریعت کورٹ ۱۶۷

۸۲- الاتقان والأحكام شرح تحفة الأحكام المعروف بشرح ميّارة :باب الضرب وسائر الجنايات، فصل في الاغتصاب

۸۳- حوالہ بالا ومواق، التاج والاكليل، ج ۵، ص ۲۹۲، دارالفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۸۴- شرح میارہ

۸۵- المحلی، ج ۱۱، ص ۲۹۱: مسئلہ ۲۲۴۱

۸۶- ایضاً

۸۷- صحیح بخاری، حدیث ۲۷۶۲

۸۸- ہیثمی، مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۸۳، مؤسسۃ المعارف، بیروت ۱۹۸۶ء

۸۹- ابنِ قدامہ، الکافی، ص ۲۲۱، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۸ء؛ المغنی ج ۹، ص ۸۲، دارالفکر، بیروت؛ بحر، ج ۵، ص ۳۶، دارالفکر، بیروت؛ سرخسی، المبسوط، ج ۹، ص ۱۲۱، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ؛ فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۲۱

۹۰- کنز العمال، ج ۵، ص ۳۸۷، حدیث ۱۳۳۰۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت طبع پنجم ۱۹۸۵ء

۹۱- مجمع الزوائد، ج۶،ص۲۸۳

۹۲- کنز العمال، حدیث۱۳۹۷۲

۹۳- کنز العمال، حدیث۱۳۹۸۰

۹۴- الاستذکار، ج ۴، ص ۵۲۲

۹۵- المحلی، ج۱۱،ص۲۹۳، مسئلہ:۲۲۴۱

۹۶- تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی، ج۹،ص۱۲۱، دار احیاء التراث العربی، دیگر تفصیل غیر مذکور

۹۷- تحفۃ المحتاج، ج۹،ص۱۱۹

۹۸- کنز العمال، ج ۵،ص۵۶۶، حدیث۱۳۹۸۳

۹۹- روضۃ الطالبین، ج۸،ص۳۲۵

۱۰۰- ابنِ عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج۴،ص۳۳

۱۰۱- نووی، روضۃ الطالبین، ج۸،ص۳۲۸: ابن مفلح، الفروع

102. Law And Justice Comission Of Pakistan: Anual Report 2003 p.29

۱۰۳- صحیح بخاری، حدیث۳۴۳۶

۱۰۴- کتاب الخراج، ص۱۷۸

۱۰۵- ایضاً

۱۰۶- ایضاً

۱۰۷- ابن العربی، أحکام القرآن، ج۲،ص۱۰۶

۱۰۸- جصاص، أحکام القرآن، ج ۱،ص۶۵

حد قذف آرڈیننس ۱۹۷۹ء: ایک معروضی مطالعہ

غزالہ غالب خان*

تفصیلی تعارف اور موازنہ

حد قذف آرڈیننس ۱۹۷۹ء کا مطالعہ کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ قانون قذف سے متعلقہ ان بنیادی اسلامی تعلیمات پر ایک نظر ڈالی جائے جن کی روشنی میں مذکورہ آرڈیننس کی جزیات کو مرتب کیا گیا ہے۔ ذیل میں قرآن وسنت کی روشنی میں اس قانون کے مآخذ کی تفصیل دی جارہی ہے:

ا۔ قذف اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

عزت وناموس ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور جو کوئی کسی پر زنا کا جھوٹا الزام عائد کرتا ہے تو وہ دراصل اس کے اس بنیادی حق کو پامال کرتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں ''صراحتاً'' یا ''ضمناً'' زنا کی تہمت لگانا قذف کہلاتا ہے۔ شریعت میں قذف کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے اور قاذف کے لیے دنیاوی سزاؤں کے علاوہ عذاب الٰہی کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ اس جرم کی حساسیت اور معاشرے پر اس کے اثرات کے پیش نظر خالق کائنات نے خود قرآن مجید میں اس جرم کی سزا مقرر فرمادی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

* ریسرچ فیلو، ویمن ایڈ ٹرسٹ، اسلام آباد

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا. وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا. فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥(۱)

ترجمہ: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں کہ اللہ ضرور (ان کے حق میں) غفور اور رحیم ہے۔

مذکورہ بالا آیت قانون قذف کی بنیاد ہے۔ یہ آیت واقعہ افک کے بعد نازل ہوئی جب منافقین نے ایک واقعہ کو غلط رنگ دے کر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائی۔ چنانچہ جو شخص زنا کا الزام ثابت نہ کر سکے اس کے لیے آیت قذف کی رو سے تین سزائیں ثابت ہوتی ہیں: یہ کہ اسے ۸۰ کوڑے لگائے جائیں۔ یہ کہ اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ یہ کہ اس سے معاملہ کرتے وقت اسے فاسق گردانا جائے۔

اس حکم کا منشا یہ ہے کہ معاشرے میں لوگوں کے ناجائز تعلقات کے چرچے قطعی طور پر بند کر دیے جائیں۔ شریعت کا اصل مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو اپنی آنکھوں سے بدکاری کرتے دیکھ لے لیکن اسے چار گواہ دستیاب نہ ہوں تو وہ خاموش رہے تاکہ فواحش کی اشاعت نہ ہو۔

کیونکہ جو لوگ فواحش کو پھیلاتے ہیں ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ(۲)

ترجمہ: جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔

البتہ اگر کسی کے پاس گواہ موجود ہوں اور بدکاری اس قدر سر عام کی جا رہی ہو کہ گواہوں کی تعداد چار یا اس سے بڑھ جائے تو مناسب صورت یہ ہے کہ معاشرے میں بے ہودہ تذکرے کرنے

کے بجائے معاملے کو حکام کے پاس پہنچایا جائے اور جرم کو ثابت کر کے مجرم کو مقررہ سزا دلوائی جائے۔ ان سزاؤں کے علاوہ قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر قاذف کے لیے بڑے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

ترجمہ: جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قذف کو مہلک گناہوں میں شمار کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ فرمایا: ''سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو''۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! وہ کون سی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی ایسی جان کو قتل کرنا جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، کافروں سے لڑائی کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اور بھولی بھالی پاک دامن ایمان دار عورتوں پر تہمت لگانا''۔ (۴)

اس حدیث میں بیان کردہ تمام گناہ، گناہ کبیرہ ہیں جن پر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

لعان: شریعت میں قذف کے عمومی قانون میں ایک استثنائی صورت بھی دی گئی ہے جس کے تحت جب کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے لیکن اس الزام کے ثبوت میں چار چشم دید گواہ پیش کرنے میں ناکام رہتا ہے تو ایسی صورتِ حال میں قذف کی کارروائی نہیں ہوتی، بلکہ اسے شریعت کی زبان میں لعان کہا جاتا ہے۔ سورہ النور کی آیات ۶ تا ۱۰ میں لعان کا مفصل قانون بیان کیا گیا ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہلال بن اُمیّہ نے نبی کریمؐ کی خدمت میں آ کر اپنی بیوی کا معاملہ پیش کیا جسے انہوں نے بچشم خود ملوث دیکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''ثبوت لاؤ ورنہ تم پر حد قذف جاری ہوگی''۔ صحابہ میں اس پر عام پریشانی پھیل گئی اور ہلال نے کہا: اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں بالکل صحیح واقعہ عرض کر رہا ہوں جسے میری آنکھوں نے دیکھا اور

کانوں نے سنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ بچادے گا۔ (۵) اس پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہو۔ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس (بیوی) پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہو۔ تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کا رحم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا التفات فرمانے والا اور حکیم ہے تو (بیویوں پر الزام کا معاملہ تمہیں بڑی پیچیدگی میں ڈال دیتا)۔ (۶)

ان آیات میں ایسے مقدمات میں جو طریقہ تجویز کیا گیا ہے' اسے اسلامی قانون کی اصطلاح میں ''لعان'' کہا جاتا ہے۔

۲۔ آرڈیننس کی دفعات کا مختصر تعارف

۱۹۷۹ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل درآمد کرتے ہوئے حکومت وقت نے ۲۰ دفعات پر مشتمل حد قذف آرڈیننس جاری و نافذ کیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ قذف کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو مروجہ قانون کا باقاعدہ حصہ بنایا جائے۔ اس آرڈیننس میں زنا کا جھوٹا الزام لگانے والے افراد کے لیے حد اور تعزیر کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔

آرڈیننس کے تحت بالغ سے مراد ۱۸ سال کی عمر کا مرد یا ۱۶ سال کی عمر کی عورت یا جو افراد ویسے ہی بالغ ہو چکے ہوں۔ حد سے مراد قرآن پاک یا سنت رسولؐ میں مقرر کردہ سزا ہے۔ تعزیر سے مراد کوئی بھی سزا جو کہ حد کے علاوہ ہو۔

زنا سے مراد ایک مرد اور عورت کا آپس میں ایسے حالات میں مباشرت کرنا کہ جب وہ جائز

طور پر آپس میں شادی شدہ نہ ہوں اور یہ کہ وہ یہ عمل بلا جبر واکراہ کریں۔

آرڈیننس کے تحت زنا بالجبر کا مطلب کسی شخص کا کسی ایسے مرد یا عورت سے مباشرت کرنا جس کے ساتھ اس کا جائز نکاح نہ ہو۔ وہ یہ عمل زیادتی کے شکار کی رضامندی کے بغیر یا خلاف کرے، یا رضامندی سے ایسا کرے لیکن یہ رضامندی موت یا زخمی کرنے کا خوف دلا کر حاصل کی گئی ہو، یا اس شخص کو اس دھوکے میں رکھا جائے کہ وہ سمجھے کہ مجرم کے ساتھ اس کا جائز نکاح ہے۔

محصن سے مراد ایک عاقل بالغ مسلمان ہے جس نے اپنی جائز مسلمان عاقل بالغ بیوی یا خاوند کے ساتھ مباشرت کی ہو۔ تزکیۃ الشہود کی شرائط سے مراد گواہوں کا صادق ہونا اور کبائر سے اجتناب کرنا ہے۔

آرڈیننس کی رو سے جرم قذف تین اہم جزئیات پر مشتمل ہے یعنی کسی شخص پر زنا کی تہمت لگانا یا شائع کرنا، یہ تہمت زبانی یا تحریری الفاظ یا اشارات یا حرکات وسکنات کے ذریعے ہو اور اس نیت کے ساتھ لگائی جائے کہ متعلقہ شخص کو نقصان پہنچے اور اس کے احساسات مجروح ہوں۔ کسی مردہ شخص پر ایسی تہمت لگانا بھی قذف ہے بشرطیکہ یہ تہمت زندہ ہونے کی صورت میں اس کے یا اس کے خاندان کے افراد کے لیے باعث تکلیف ہوتی۔ اشاروں کنایوں یا طنزیہ طور پر لگائی گئی تہمت زنا قذف کہلاتی ہے۔

مبہم الفاظ میں تہمت لگانا جیسے کسی کے متعلق یہ الفاظ'' جبکہ ان کی خوبصورت بیویوں کو اپنے بستر کی زینت بنایا'' قذف کی تعریف میں نہیں آتا۔ (۷)

اگر ایک شخص کسی دوسرے پر یہ تہمت لگائے کہ وہ ایک ناجائز بچہ ہے تو سمجھا جائے گا کہ اس شخص کی والدہ کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ زنا کا سچا الزام جو کہ عوامی مفاد کے پیش نظر لگایا یا شائع کیا جائے وہ قذف نہیں۔ نیک نیتی کے ساتھ کسی شخص کے خلاف تہمت زنا کسی مجاز شخص کے سامنے پیش کرنا بھی قذف نہیں کہلائے گا لیکن مندرجہ ذیل صورتوں میں ایسی تہمت قذف ہی کہلائے گی:

(۱) مستغیث عدالت میں کسی پر تہمت زنا لگائے لیکن چار گواہ نہ پیش کر سکے۔

(۲) عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ کسی گواہ نے زنا یا زنا بالجبر کے ارتکاب کی جھوٹی گواہی دی ہے۔
(۳) عدالت یہ نتیجہ اخذ کرے کہ مستغیث نے زنا بالجبر کا جھوٹا الزام لگایا ہے۔

آرڈیننس میں قذف کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں یعنی قذف موجب حد اور قذف موجب تعزیر۔ قذف موجب حد سے مراد یہ ہے کہ ایک بالغ شخص جانتے بوجھتے ہوئے اور بغیر کسی ابہام کے زنا موجب حد کی تہمت لگائے۔ یا یہ تہمت کسی ایسے شخص پر لگائی جائے جو کہ محصن ہو اور مباشرت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

قذف موجب حد کا ثبوت ان صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو سکتی ہے: مجاز عدالت کے روبرو اعتراف جرم یا عدالت کے روبرو جرم قذف کا ارتکاب یا دو بالغ مسلمان مرد جو کہ تزکیۃ الشہود کی شرائط پوری کرتے ہوئے قذف کے ارتکاب کی براہ راست گواہی دیں۔

ملزم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں گواہ بھی غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔

قذف موجب حد عدالت میں ثابت ہو جانے پر مجرم کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور اس سزا یافتہ مجرم کی گواہی کسی بھی عدالت میں قابل قبول نہ ہوگی۔

اسی کوڑوں کی سزا پر عمل اس وقت تک معطل رہے گا جب تک کہ وفاقی شرعی عدالت سزا کی توثیق نہ کر دے۔ اس دوران مجرم کو سادہ قید میں رکھا جائے گا۔

قذف نا قابل دست اندازی پولیس جرم ہے اور حد قذف کے تحت کسی کے خلاف کارروائی اس وقت تک شروع نہیں کی جائے گی جب تک ان افراد میں سے کوئی فرد پولیس کے پاس مقدمہ کا اندراج نہ کرائے یا عدالت میں استغاثہ دائر نہ کرے۔ یعنی جس شخص کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے وہ بذات خود یا اس کا کوئی مختار، وہ شخص جس کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے وہ مردہ ہو تو اس کے آباواجداد یا اولاد میں سے کوئی شخص۔

قذف کے مندرجہ ذیل مقدمات میں حد نافذ نہیں ہوگی، تاہم ان تمام صورتوں میں عدالت یا تو مقدمے کی دوبارہ سماعت کا حکم دے سکتی ہے یا ریکارڈ پر موجود گواہی کی بنیاد پر تعزیری سزا دے سکتی ہے:

(۱) اولاد کے خلاف قذف کا ارتکاب

(۲) مستغیث عدالتی کارروائی کے دوران وفات پا جائے

(۳) تہمت سچ ثابت ہو جائے

(۴) حد جاری ہونے سے قبل مستغیث قذف کا الزام واپس لے لے

(۵) جب مستغیث یہ بیان کرے کہ ملزم نے جھوٹا اعتراف قذف کیا تھا

(۶) گواہوں میں سے کوئی جھوٹی گواہی دے جس سے گواہوں کی تعداد دو سے کم ہو جائے

مندرجہ ذیل صورتوں میں قذف کے ارتکاب پر حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ تعزیر کا نفاذ ہوگا:

(۱) قذف کا ارتکاب جس میں کسی وجہ سے حد جاری نہ ہو سکے۔ مثلاً گواہوں میں سے کوئی تزکیۃ الشہود کی شرائط پر پورا نہ اترے

(۲) قذف کے ثبوت کی عدم موجودگی

(۳) ایسے مقدمات جن میں حد کا نفاذ نہ ہو سکتا ہو

قذف کی تعزیری سزا دو سال تک قید، چالیس تک کوڑے اور جرمانہ ہے۔

اگر کوئی شخص قذف پر مشتمل مواد چھاپتا یا کندہ کرتا ہے یا وہ ایسا مواد فروخت کرے تو وہ دو سال تک قید، تیس تک کوڑوں یا جرمانہ یا کوئی سی دو سزاؤں کا مستحق ہوگا۔

لعان کی کارروائی کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) شوہر اپنی محصنہ بیوی پر زنا کا الزام لگائے

(۲) یہ الزام عدالت کے روبرو لگایا جائے

(۳) بیوی الزام کو سچ تسلیم نہ کرے

(۴) شوہر حلفاً یہ بیان دے:

''میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی (بیوی کا نام لے گا) کے خلاف زنا کے الزام میں یقینی طور پر سچا ہوں''۔

(۵) شوہر کے حلفیہ بیان کے جواب میں بیوی یہ حلف اٹھائے گی:

''میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتی ہوں کہ میرا شوہر میرے خلاف زنا کے الزام میں یقینی طور پر جھوٹا ہے''۔

(۶) شوہر اور بیوی کے حلف مکمل ہو جانے کے بعد عدالت تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرے گی جس کے خلاف اپیل نہیں ہو سکے گی۔

(۷) اگر شوہر حلفاً بیان دینے سے انکاری ہو تو اسے اس وقت تک سادہ قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ بیان نہیں دیتا۔

(۸) اگر بیوی حلفاً بیان دینے سے انکار کرے تو اسے اس وقت تک سادہ قید میں ڈالا جائے گا جب تک کہ وہ حلف نہ اٹھالے یا شوہر کے الزام کو سچ تسلیم نہ کر لے۔

(۹) اس آخرالذکر صورت میں اسے حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے تحت زنا موجب حد کی سزا دی جائے گی۔

آرڈیننس کے تحت چلنے والے مقدمات کی سماعت سیشن کورٹ میں ہو گی جس کے خلاف اپیل کی سماعت کا اختیار وفاقی شرعی عدالت کو ہو گا۔ آرڈیننس کی دفعات کو باقی تمام قوانین پر حاوی قرار دیا گیا ہے۔ قذف کا مقدمہ جس عدالت میں چلے گا اس کے جج کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۳۔ دفعات تعزیرات پاکستان متعلق بہ ہتک عزت اور حد قذف آرڈیننس کا موازنہ

حد قذف آرڈیننس کے نفاذ سے قبل ''زنا'' کے جھوٹے الزام کے حوالے سے ملک میں کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ تعزیرات پاکستان میں ہتک عزت کے قانون سے متعلق دفعات ۴۹۹ تا ۵۰۲ تو موجود تھیں۔ یہ دفعات عمومی نوعیت کی تھیں اور ان دفعات میں زنا کے الزام سمیت ہر اس الزام پر سزا مقرر کی گئی تھی جس سے کسی شخص کی شہرت کو نقصان پہنچتا ہو یا اس شخص کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو لیکن قذف آرڈیننس خاص طور پر زنا کے جھوٹے الزام کے حوالے سے ہے۔ ذیل میں دونوں قوانین کے درمیان مختصراً موازنہ پیش کیا جا رہا ہے:

معیارِ شہادت: اس قانون سے قبل زنا کے جھوٹے الزام کے لیے بھی عام معیار شہادت مقرر تھا یعنی مستغیث کسی بھی ذریعے سے ملزم کا جرم ثابت کر لیتا تو ملزم سزا کا مستحق قرار پا جاتا تھا۔ اس آرڈی نینس کے تحت جرم قذف موجب حد کے ثبوت کے لیے الگ سے معیار شہادت مقرر کیا گیا ہے۔ قذف آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۶ میں جرمِ قذف موجب حد کے ثبوت کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ملزم مجاز عدالت کے روبرو جرمِ قذف کا ارتکاب کرے یا ارتکاب کا اعتراف کرے یا کم از کم دو مسلمان مرد گواہ براہ راست گواہی دیں کہ ملزم نے ان کے سامنے جرمِ قذف کا ارتکاب کیا ہے۔

سزا کی نوعیت: قبل ازیں تعزیرات پاکستان کی دفعات میں زنا کے جھوٹے الزام پر بھی صرف دو سال تک قید یا جرمانے یا دونوں کی سزا تھی۔ اس آرڈینینس کے تحت ایسے فرد کے لیے حد کی صورت میں ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی ہے، نیز ایسے شخص کی گواہی کو کسی بھی عدالت میں ناقابل قبول قرار دے دیا گیا ہے۔ تعزیر کی صورت میں دو سال قید، ۴۰ تک کوڑے اور جرمانے کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

لعان کی کارروائی: سورۃ النور کی آیات ۶ تا ۱۰ کو بنیاد بناتے ہوئے اس آرڈینینس کے تحت پہلی بار لعان کی کارروائی کو قانونی شکل دی گئی۔ اس سے پہلے اس حوالے سے کوئی قانون موجود نہیں تھا۔

قذف کا ناقابل راضی نامہ ہونا: قبل ازیں اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر زنا کا جھوٹا الزام لگاتا یعنی جرمِ قذف کا ارتکاب کرتا تو متاثرہ شخص ہتکِ عزت سے متعلق تعزیرات پاکستان کی دفعات کے تحت اس کے خلاف کارروائی کر سکتا تھا، تاہم مذکورہ بالا دفعات کے تحت یہ جرم قابل راضی نامہ تھا یعنی اگر مستغیث ملزم کو معاف کر دیتا یا اس سے راضی نامہ کر لیتا تو مقدمہ خارج کر دیا جاتا۔ لیکن قذف آرڈینینس کے تحت یہ جرم ناقابل راضی نامہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ایک بار معاملہ عدالت کے روبرو پیش ہو جانے کے بعد فریقین کے درمیان صلح یا راضی نامے کا کوئی تصور نہیں۔

قذف کا ناقابل ضمانت ہونا: ہتک عزت کے گزشتہ قانون کے تحت زنا کے الزام سمیت

، ہر قسم کا الزام قابل ضمانت تھا۔ ملزم گرفتار ہونے کے بعد فوری طور پر ضمانت پر رہائی پا سکتا تھا۔ اب اس آرڈیننس کے تحت یہ جرم قابل ضمانت نہیں ہے اور عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر ملزم ضمانت پر رہائی کی درخواست پیش کرے تو ہر مقدمے کے اپنے حالات و واقعات کے پیش نظر عدالت اس درخواست کو قبول یا مسترد کر سکتی ہے۔

استثنائی صورتیں: تعزیرات پاکستان کی دفعات میں ہتک عزت کے جرم کے حوالے سے دس ایسی استثنائی صورتیں بیان کی گئی ہیں جن میں ہتک عزت کا جرم، جرم قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن اس آرڈیننس کے تحت زنا کے الزام کے حوالے سے صرف دو استثنائی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ہتک عزت کے قانون کے تحت دس استثنائی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عوامی مفاد میں سچا الزام لگانا

۲۔ نیک نیتی کے ساتھ کسی سرکاری ملازم کے رویے کے متعلق رائے کا اظہار کرنا

۳۔ کسی عوامی مسئلے کے حوالے سے کسی شخص کے رویے کے بارے میں اظہار خیال

۴۔ کسی عدالتی کارروائی یا فیصلے کو شائع کرنا

۵۔ کسی مقدمے کی سماعت کے دوران کسی فریق مقدمہ یا کسی گواہ کے کردار کے بارے میں نیک نیتی سے رائے زنی کرنا

۶۔ جب کسی شخص کی کارکردگی کے بارے میں کسی دوسرے شخص سے رائے لی جائے تو اس کے بارے میں نیک نیتی سے رائے زنی کرنا

۷۔ قانونی اختیار کے تحت کسی کی سرزنش کرنا

۸۔ بااختیار افراد کے سامنے نیک نیتی کے ساتھ کسی پر الزام لگانا

۹۔ عوامی مفاد میں کسی شخص کے کردار پر بات کرنا

۱۰۔ عوامی مفاد میں نیک نیتی کے ساتھ کسی کو کسی کے بارے میں متنبہ کرنا

قذف آرڈیننس کی دفعہ 3 میں مندرجہ ذیل دو استثنائی صورتیں دی گئی ہیں:

۱۔ عوامی مفاد میں کسی پر سچا الزام لگانا

۲- کسی مجاز افسر کے سامنے کسی دوسرے شخص پر زنا کا الزام لگانا

تاہم مندرجہ ذیل صورتیں اس استثنا میں شامل نہیں:

الف- عدالت کے روبرو چار گواہوں کے بغیر زنا کا الزام لگانا

ب- عدالت کسی گواہ کے بارے میں یہ نتیجہ اخذ کرے کہ اس نے زنا یا زنا بالجبر کے ارتکاب کی جھوٹی گواہی دی ہے

ج- عدالت یہ نتیجہ اخذ کرے کہ مستغیث نے زنا بالجبر کا جھوٹا الزام لگایا ہے

جج کا مذہب: اس آرڈیننس کے تحت مقدمات کی سماعت کے لیے جج کا مسلمان ہونا ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔تعزیرات پاکستان کے تحت ہتک عزت کے قانون میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں تھی۔

حد قذف آرڈیننس کی عملی تطبیق، اسلامی تعلیمات اور عدالتی فیصلوں کی روشنی میں

حدود قوانین کے نفاذ کے فوراً بعد مختلف طبقہ ہائے فکر میں ان پر آرا کا اظہار کیا گیا لیکن یہ بحث بوجوہ علمی کے بجائے سیاسی بحث بن گئی۔ایک طبقے نے معاشرے میں خواتین کے ساتھ ناانصافیوں کا ذمہ دار ہی اس قانون کو قرار دیا۔اور اس کی تنسیخ کے لیے باقاعدہ کام شروع کیا۔ دوسری جانب اس قانون کو ضرورت سے زیادہ تقدس کا درجہ دے دیا گیا۔اور ان قوانین پر کسی بھی قسم کی بحث کو ناپسندیدہ سمجھا گیا۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حدود قوانین میں مناسب اور ضروری ترامیم بھی اسلامی نفاذ کی راہ میں رکاوٹ ہوں گی یا اس طرح اسلامی نظام ختم ہو جائے گا۔ان دو انتہائی رویوں کی وجہ سے ایک جانب یہ قانون اپنے فطری ارتقائی عمل سے محروم ہو گیا اور دوسری جانب عوام ہی نہیں، دانشور اور پڑھے لکھے طبقات کی ایک بڑی تعداد بھی شدید الجھاؤ کا شکار ہو گئی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان قوانین کے بارے میں ان دونوں انتہائی رویوں کو ترک کیا جائے اور اعتدال کے ساتھ جہاں حدود قوانین میں بہتری کی گنجائش ہو، وہاں مناسب ترامیم کر دی جائیں۔ چنانچہ ذیل میں اسلامی تعلیمات اور عدالتی فیصلوں کی روشنی میں حد قذف آرڈیننس

کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ قذف آرڈیننس کا غیر مؤثر کردار

قذف کا قانون دراصل زنا کے جھوٹے الزامات کا راستہ روکنے کے لیے بطور ایک انسدادی تدبیر کے وضع کیا گیا تھا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں زنا کے جھوٹے الزامات کی بھرمار کے باوجود قذف آرڈیننس ان جھوٹے الزامات کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکا۔ اس کی کیا وجوہ ہیں اور قذف آرڈیننس کی کون سی خامیاں ہیں جو اس کے مؤثر نفاذ کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ ذیل میں ہم ان وجوہ کا جائزہ لیں گے:

اس آرڈیننس کے نفاذ میں ایک رکاوٹ دفعہ ۸ ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

اس آرڈیننس کے تحت کوئی کارروائی اس وقت تک شروع نہیں ہوگی جب تک مندرجہ ذیل افراد میں سے کوئی فرد پولیس کو رپورٹ نہیں کرتا یا عدالت میں استغاثہ دائر نہیں کرتا۔

(الف) اگر وہ شخص جس کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے زندہ ہے، تو وہ خود یا اس کا کوئی مختار

(ب) اگر وہ شخص جس کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے وہ مردہ ہے تو اس کے آباو اجداد یا اولاد میں سے کوئی شخص

جرم کا ناقابل دست اندازی پولیس ہونا: مذکورہ بالا دفعہ میں جرم قذف کو ناقابل دست اندازی پولیس جرم بنا دیا گیا ہے۔ عدالت یا پولیس ازخود کسی شخص کے خلاف قذف کی کارروائی نہیں کر سکتی اور یہ ضروری ہے کہ قذف کا شکار شخص مستغیث بن کر عدالت میں آئے یا پولیس کے پاس مقدمے کا اندراج کروائے۔ ہمارے ہاں جرم ثابت نہ ہونے کی بنا پر بے شمار افراد زنا کے الزام سے بری ہوتے ہیں۔ لیکن طویل عدالتی کارروائی کا سامنا کرنے کے بعد ان میں اتنی سکت باقی نہیں رہتی کہ وہ زنا کا جھوٹا الزام لگانے والے کے خلاف قذف کے مقدمے کی کارروائی کا آغاز کریں۔ جہاں کسی نے کسی شخص کے خلاف جرم قذف کا ارتکاب عام لوگوں کے سامنے کیا ہو تو

ایسی صورت حال میں تو یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ قاذف کے خلاف کارروائی مقذوف کے مطالبے ہی پر ہوگی لیکن جہاں قاذف کسی شخص کے خلاف زنا کے ارتکاب کا جھوٹا پرچہ درج کرواتا ہے اور پھر اپنے اس الزام کو ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے تو زنا کے الزام سے بری ہونے والے شخص کا مستغیث بن کر عدالت میں آنے اور قذف کا مطالبہ کرنے کا انتظار کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں اور عدالت کو از خود ایسے شخص کے خلاف کارروائی کا آغاز کر دینا چاہیے۔

شریعت کا موقف: جہاں تک اس مؤقف کا تعلق ہے کہ شریعت نے عدالت کو از خود زنا کے جھوٹے مقدمے کے مستغیث کے خلاف حدِ قذف کے تحت کارروائی کرنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ مقذوف کا مستغیث بن کر عدالت میں آنا ضروری ہے تو دلائل اس کی نفی کرتے ہیں۔ آیت قذف اس حوالے سے بہت واضح ہے۔ یہاں، کہیں بھی مقذوف کے مطالبے کو حد قذف جاری کرنے کے لیے ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ ارشاد نبویؐ ہے ''حدود کو آپس ہی میں معاف کر دو مگر جس حد کا معاملہ میرے تک پہنچ گیا وہ واجب ہوگئی''۔(۸) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ نے آ کر بیان کیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بچشم خود کسی کے ساتھ ملوث دیکھا تھا اس پر آپؐ نے فرمایا ''ثبوت لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی''۔(۹) اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب زنا کا الزام کسی عدالت کے سامنے لگایا جائے اور الزام لگانے والا اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکے تو جس کے خلاف الزام لگایا جارہا ہے اسے مستغیث بن کر عدالت میں آنے کی ضرورت نہیں بلکہ عدالت از خود کارروائی کرتے ہوئے حد قذف جاری کر سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد حکومت میں مغیرہ بن شعبہ کے مشہور واقعہ میں زنا کا جھوٹا الزام لگانے والوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف مستغیث کے مطالبے کے بغیر از خود قذف کی حد جاری فرمائی۔(۱۰) بعض فقہا کی بھی یہی رائے ہے مثلاً معروف فقیہ ابن ابی لیلیٰ کا کہنا ہے کہ حد قذف حق اللہ ہے۔ اس لیے قاذف پر بہر حال حد جاری ہوگی خواہ مقذوف مطالبہ کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح امام مالکؒ کے نزدیک اگر قذف کا ارتکاب حاکم کے سامنے کیا جائے تو

مقذوف کے مطالبے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ عدالت ازخود اس پر کارروائی کر سکتی ہے، لہٰذا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زنا کے ایسے مقدمات جو عدالت میں زیر سماعت رہنے کے بعد ثابت نہ ہو سکیں ان میں عدالت کو ازخود مستغیث کے خلاف قذف کی کارروائی شروع کرنے کا اختیار دیا جائے تاکہ قذف آرڈیننس زنا کے جھوٹے الزامات کے راستے میں ایک مؤثر رکاوٹ ثابت ہو سکے۔

۲۔ آیت قذف کا مردوں پر اطلاق

آیت قذف سے بعض افراد یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ صرف پاک دامن خواتین پر الزام لگانے کے حوالے سے ہے اور مردوں پر ایسا الزام لگانا قذف نہیں لیکن قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں مردوں پر زنا کا الزام لگانے کو بھی قذف کی تعریف میں شامل کر دیا گیا ہے۔ دفعہ ۳ کے الفاظ یہ ہیں:

جو کوئی زبانی یا تحریری الفاظ یا اشارات یا اپنی حرکات و سکنات کے ذریعے کسی شخص پر اس نیت کے ساتھ زنا کی تہمت لگاتا ہے، یا شائع کرتا ہے کہ اسے نقصان پہنچایا جائے، یا یہ جانتے ہوئے یا یقین رکھتے ہوئے کہ ایسی تہمت اس کی شہرت کو نقصان پہنچائے گی، یا ایسے شخص کے احساسات کو مجروح کرے گی، تو کہا جائے گا کہ اس نے قذف کا ارتکاب کیا ہے۔ سوائے ذیل میں واضح کی گئی صورتوں کے:

پہلی وضاحت: کسی بھی شخص کا کسی مردہ شخص پر زنا کا ایسا الزام قذف کہلائے گا، اگر یہ الزام اس کے زندہ ہونے کی صورت میں اس کی شہرت کو نقصان پہنچاتا، یا اس کے احساسات کو مجروح کرتا، یا اس کے خاندان یا قریبی رشتہ داروں کے احساسات کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔

دوسری وضاحت: ایک ایسا الزام جو کہ اشاروں کنایوں کی صورت میں ہو یا جو طنزیہ طور پر بیان کیا گیا ہو، قذف کہلائے گا۔ آیت قذف کے مطالعے سے بظاہر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں صرف پاک دامن خواتین پر الزام لگانے کو قذف قرار دیا گیا ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ مردوں پر زنا کے جھوٹے الزام کو قذف کی تعریف میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کریم کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بہت سے احکامات ایسے ہیں کہ جہاں کسی ایک صنف کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن اس کے حکم کا اطلاق دونوں اصناف پر ہوتا ہے۔ آیت قذف میں بظاہر صرف مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اشتراکِ علت کی وجہ سے مرد و خواتین دونوں اس آیت کے حکم میں شامل ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ آیت قذف کا بھی ہے، لہٰذا آیت کے ظاہر سے یہ اخذ کرنا درست نہیں ہے کہ قذف سے مراد صرف پاک دامن خواتین پر الزام لگانا ہے اور مردوں پر ایسا الزام لگانا قذف کی تعریف میں شامل نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنے غلام پر تہمت لگائی حالانکہ غلام اس تہمت سے بری تھا تو قیامت کے دن اسے کوڑے لگائے جائیں گے، الّا یہ کہ اس کی بات واقعہ کے مطابق ہو''۔ (۱۱)

صحابہؓ کا عمل: حضرت عمرؓ کا عمل بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ان کے دور میں ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میرے شوہر نے میری باندی سے زنا کیا ہے۔ اس شخص نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ میری بیوی نے باندی مجھے ہبہ کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا کہ یا تو اپنے مؤقف کے حق میں ثبوت مہیا کرو، ورنہ میں تمہارا سر پتھر سے کچل دوں گا۔ عورت نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہنے لگی یہ ٹھیک کہہ رہا ہے میں نے یہ باندی اسے ہبہ کی تھی لیکن میں غیرت کھا گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو کوڑے مارے اور مرد کو چھوڑ دیا۔ (۱۲)

فقہا کی رائے

تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حکم صرف عورتوں پر الزام لگانے تک محدود نہیں بلکہ مردوں پر بھی الزام لگانے کا یہی حکم ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ: وفاقی شرعی عدالت نے ایک مقدمہ ظہیر احمد بنام وفاق پاکستان ، میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے ۱۳:

سورہ النور کی آیت ۴ میں صرف عورتوں کے حوالے سے بات اس لیے کی گئی کیونکہ یہ واقعہ افک کے تناظر میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس کے حکم میں مرد شامل نہیں ہیں۔ دراصل جب بھی کسی مرد پر زنا کا الزام لگایا جاتا ہے تو خودبخود یہ الزام ایک عورت کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا نام سامنے نہیں آتا لیکن وہ ہمیشہ اس جرم میں فریق ثانی ہوتی ہے۔ آیت قذف کا حکم مردوں اور خواتین سب کے لیے عام ہے اور اس میں نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اس طرح آیت قذف میں الزام لگانے والوں کے لیے 'الـذیـن' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو صرف مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اگر کوئی عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس جرم سے مستثنیٰ قرار پائے، لہٰذا فقہ کے اصول تغلیب کے مطابق 'الذین' کے لفظ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ اسی طرح اگر سورۂ نور کی آیت ۴، ۱۹ اور سورہ الاحزاب کی آیت ۸ کو ملا کر پڑھا جائے تو دلالۃ النص کے فقہی اصول کے تحت 'المحصنات' کے معنی میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں جو کہ نص سے ثابت ہیں۔

لہٰذا قانون کی شکل یہ ہوگی کہ جو مرد یا عورت بھی کسی پاک دامن مرد یا عورت پر الزام لگائے وہ جرم قذف کے مرتکب ہوں گے اور قذف آرڈی نینس میں بجا طور پر مرد و خاتون میں سے کسی پر بھی زنا کے جھوٹے الزام کو قذف قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ قذف کی تعریف میں دیے گئے مستثنیات

حد قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں قذف کی تعریف کے بعد ان دو استثنائی صورتوں کا ذکر ہے جب زنا کا الزام قذف نہیں کہلائے گا۔ دفعہ ۳ میں دیے گئے مستثنیات کے الفاظ یہ ہیں:

پہلا استثنیٰ: سچا الزام جو کہ عوامی مفاد میں لگایا یا شائع کیا جائے۔

اگر کسی شخص پر زنا کا الزام سچا ہو اور عوامی مفاد میں لگایا یا شائع کیا جائے تو وہ قذف نہیں ہے اس الزام کا عوامی مفاد میں ہونا یا نہ ہونا امر واقعہ ہے۔

دوسرا استثنیٰ: الزام نیک نیتی سے کسی مجاز شخص کے سامنے پیش کیا جائے۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کے خلاف نیک نیتی کے ساتھ زنا کا الزام ایسے مجاز شخص کے سامنے پیش کرتا ہے جسے اس الزام کے حوالے سے کوئی قانونی اختیار حاصل ہے تو وہ قذف نہیں ہوگا، سوائے ان مقدمات کے جو ذیل میں مذکور ہیں:

(الف) ایک مستغیث عدالت میں ایک دوسرے شخص پر زنا کا الزام لگاتا ہے لیکن اس الزام کے ثبوت کے طور پر عدالت کے سامنے چار گواہ پیش کرنے میں ناکام رہتا ہے؛

(ب) اگر عدالت یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ایک گواہ نے زنا یا زنا بالجبر کے ارتکاب کی جھوٹی گواہی دی ہے؛

(ج) اگر عدالت یہ نتیجہ نکالے کہ مستغیث نے زنا بالجبر کا جھوٹا الزام لگایا ہے۔

یہ دونوں استثناءات تعزیرات پاکستان کی ہتکِ عزت سے متعلق دفعات سے لیے گئے ہیں اور بعض تبدیلیوں کے بعد انہیں قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ قانون ہتکِ عزت اور قانون قذف میں نمایاں فرق ہے۔ ہتکِ عزت کا قانون ایک عام قانون ہے جس میں ہر قسم کے توہین آمیز الزامات شامل ہیں جبکہ قذف آرڈیننس ایک خاص قانون ہے جس میں صرف زنا کے الزام کی بات کی گئی ہے۔

پہلا استثنیٰ اسلامی تعلیمات کے منافی: اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسے الزام کو صرف اسی وقت سچا مانا جائے گا جب الزام لگانے والا ایسے کسی فعل کے ارتکاب کے چار چشم دید گواہ پیش کر دے۔ قرآنی آیات اس حوالے سے بہت واضح ہیں۔ یہ معیار ثبوت اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے۔ جب تک شہادت کا یہ نصاب پورا نہیں ہوتا تو الزام زنا چاہے سچا ہو اور عوامی مفاد میں نیک نیتی سے ہی کیوں نہ لگایا جائے، قذف کی سزا کا باعث ہوگا، لہٰذا دفعہ ۳ کا پہلا استثنیٰ اسلامی تعلیمات کے منافی سمجھا جائے۔

دوسرا استثنیٰ، لفظ مجاز افسر کی وضاحت: دوسرے استثنیٰ کے بارے میں بھی بعض علما کا

استدلال یہ ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، لہٰذا اسے منسوخ کیا جائے کیونکہ کسی بھی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ گواہوں کی عدم موجودگی میں کسی پر الزام زنا لگائے اور بعدازاں یہ مؤقف اختیار کرے کہ چونکہ یہ الزام نیک نیتی سے مجاز افسر کے سامنے لگایا گیا، لہٰذا موجب حد نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اگر مذکورہ دفعہ کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عدالت کو مجاز افسر کی تشریح میں شامل نہیں قرار دیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے عبدالرشید بنام صفیہ بی بی میں لفظ ''مجاز افسر'' کی تشریح کرتے ہوئے وضاحت کی کہ یہ لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے، لہٰذا کسی نان نفقہ کے مقدمے میں جج فیملی کورٹ کو مجاز افسر نہیں شمار کیا جاسکتا اور اگر ایک شوہر نان نفقہ کے مقدمے میں اپنے جواب دعویٰ میں اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو بعدازاں یہ مؤقف اختیار کرنے پر کہ اس نے مجاز افسر کے سامنے نیک نیتی سے الزام لگایا، حد قذف سے نہیں بچ سکتا۔ (۱۴)

۴۔ زنا بالجبر کا جھوٹا الزام موجب حد قذف نہیں

شریعت میں حد قذف کی سزا زنا بالرضا کے جھوٹے الزام پر ہے۔ زنا بالجبر کے جھوٹے الزام پر نہیں لیکن قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ کے دوسرے استثنا کے تحت زنا بالجبر کا جھوٹا الزام لگانے والا بھی حد قذف کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے ایک مشہور مقدمہ 'رشیدہ پٹیل بنام وفاق پاکستان' میں تفصیلی بحث کے دوران میں یہ بیان کیا کہ زنا بالجبر زنا بالرضا سے بالکل مختلف جرم ہے، (۱۵) لہٰذا اس فیصلے کی روشنی میں زنا بالجبر کا جھوٹا الزام لگانے والے سے وہی برتاؤ ہونا چاہیے جس کا تقاضا وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ کرتا ہے۔

زنا بالرضا جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے رضامندی کا فعل ہے جبکہ زنا بالجبر میں ایک شخص عورت کی ذات، عزت اور شرف پر براہ راست حملہ کرتا ہے اور اس میں تشدد کا عنصر شامل ہوجانے کی وجہ سے جرم کی نوعیت کلیتاً بدل جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ عام جرم نہیں رہتا بلکہ فساد فی الارض اور دہشت گردی کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس پر حد زنا کے بجائے حد حرابہ کا نفاذ ہونا چاہیے اور حد حرابہ کے لیے چار نہیں بلکہ دو گواہوں کا نصاب مقرر ہے۔

آیت قذف میں چار گواہوں کی بات کی گئی ہے جو بالاتفاق زنا بالرضا کی شہادت کا نصاب ہے۔

ویسے بھی زنا بالجبر میں اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ ایک خاتون ظلم کا شکار بھی ہو لیکن موقع کے گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو۔ ان حالات میں ایسی مظلوم عورت پر حد قذف کا نفاذ انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے، لہٰذا زنا بالجبر کے مقدمات میں جرم ثابت نہ ہونے پر حد قذف کا نفاذ جائز نہیں ہے۔ تاہم الزام جھوٹا ثابت ہونے کی صورت میں اسے ہتکِ عزت کے عام قانون کے تحت مناسب سزا دی جاسکتی ہے۔

۵۔ عورت کی گواہی کی حیثیت، عینی گواہ ہوسکتی ہے۔

ایک عام غلط فہمی اس آرڈیننس کی دفعہ ۶ کے حوالے سے یہ ہے کہ اس آرڈیننس کے تحت عورت کی گواہی سرے سے قابل قبول ہی نہیں۔ دفعہ ۶ کے الفاظ یہ ہیں:

قذف جس میں حد جاری ہوتی ہے کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی:

(الف) ملزم ایک مجاز عدالت کے سامنے اس جرم کے ارتکاب کا اعتراف کرتا ہے؛

(ب) ملزم قذف کا ارتکاب عدالت کے روبرو کرتا ہے؛ اور

(ج) کم از کم دو بالغ مسلمان مرد گواہ جن میں قذف کا شکار شخص شمار نہیں ہوگا جن کے بارے میں عدالت کو یہ اطمینان ہو کہ وہ تزکیۃ الشہود کی شرائط پوری کرتے ہیں یعنی وہ صادق ہیں اور کبائر سے اجتناب کرتے ہیں۔ وہ قذف کے ارتکاب کی براہ راست گواہی دیں۔ تاہم اگر ملزم غیر مسلم ہوں تو گواہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں:

مزید یہ کہ مستغیث یا اس کے نامزد کردہ شخص کا بیان گواہوں کے بیان سے پہلے قلم بند کیا جائے گا۔

درحقیقت عملی صورت حال اس سے خاصی مختلف ہے۔ ہمارے ہاں قذف کے مقدمات میں کبھی کسی گواہ کو محض اس بنا پر عدالت میں گواہی سے نہیں روکا گیا کہ وہ عورت ہے۔ قذف کے مقدمات میں عورتیں بطور گواہ عدالتوں میں نہ صرف پیش ہوسکتی ہیں بلکہ ان کی گواہی کی بنیاد پر جرم ثابت ہونے کی صورت میں تعزیری سزائیں دی جاتی ہیں۔ مسئلہ صرف اتنا ہے اس آرڈیننس کی

رُو سے عورتیں گواہ تو ہوسکتی ہیں لیکن ان کی گواہی کی بنیاد پر حد یعنی ۸۰ کوڑوں کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ لیکن یہ کہنا کہ اس دفعہ کی وجہ سے معاشرے میں ناانصافی کو فروغ مل رہا ہے اور ملزم محض اس وجہ سے سزا سے بچ جاتے ہیں کہ مرد گواہ دستیاب نہیں بالکل غلط اور محض مفروضے پر مبنی اعتراض ہے۔

اس ضمن میں وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کا ذکر کرنا مناسب ہوگا جس کے مطابق ''حد قذف سے بچنے کے لیے وقوعہ کے جو چار عینی گواہ درکار ہیں وہ مجبوری اور مخصوص حالات کے مطابق مردوں اور عورتوں میں سے کوئی بھی ہو سکتے ہیں''۔ اپنے فیصلہ رشیدہ پٹیل بنام وفاق پاکستان میں عدالت نے یہ وضاحت کی کہ ''حقیقت یہ ہے کہ بعض امور و معاملات اختیاری ہوتے ہیں اور ان کے لیے گواہوں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے، لیکن بعض واقعات حادثوں کی طرح پیش آتے ہیں اور ان کے لیے پہلے سے گواہوں کی موجودگی یقینی نہیں ہو سکتی، اس لیے ایسے حوادث کے موقع پر جو بھی چار گواہ میسر ہوں ان کی چشم دید گواہی الزام کی حد تک وقوعہ کی ایسی تصدیق کر سکتی ہے جو نفس فعل کے اس امر کو محض الزام تراشی کی حد سے نکال لیتا ہے اور یہ بات ایک طرف الزام لگانے والے سے حد قذف رد کرنے کے لیے کافی ہے اور دوسری طرف مجرم کو تعزیری سزا دینے کے لیے، نیز ''شہدا'' کا لفظ عربی لغت میں مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے''۔

۶۔ اولاد کے خلاف قذف کا ارتکاب

اس آرڈیننس کی دفعہ (الف)(۱)۹ کی رُو سے جب کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کے خلاف قذف کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ دفعہ ۹ کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) مندرجہ ذیل مقدمات میں سے کسی میں حد نافذ نہیں ہوگی:

(الف) جب ایک شخص نے اپنی اولاد میں سے کسی کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا ہو؛

(ب) جب وہ شخص جس کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے اور وہ مستغیث ہے عدالتی کارروائی کے دوران وفات پا جائے؛ اور

(ج) جب تہمت سچ ثابت ہو جائے۔

(۲) اگر مستغیث حد کے جاری ہونے سے پہلے قذف کا الزام واپس لے لیتا ہے یا وہ بیان کرتا ہے کہ ملزم نے جھوٹا اعتراف کیا تھا یا گواہوں میں سے کسی نے جھوٹی گواہی دی جس سے گواہوں کی تعداد ۲ سے کم ہوگئی تو ایسے مقدمے میں حد جاری نہیں ہوگی، تاہم عدالت مقدمے کی دوبارہ سماعت کا حکم جاری کرسکتی ہے یا ریکارڈ پر موجود گواہی کی بنیاد پر تعزیری سزا دے سکتی ہے۔

دورِ حاضر میں والدین کی مرضی کے خلاف اپنی پسند سے شادی کرنے کے واقعات میں اضافہ ہوگیا ہے اور والدین اپنی ہی بچیوں کے خلاف زنا آرڈیننس کے تحت مقدمات درج کرواتے ہیں لیکن الزام غلط ثابت ہونے کے باوجود اس دفعہ کی آڑ میں سزا سے بچ جاتے ہیں۔

یہ بھی دراصل ایک غلط فہمی ہے کہ ایسے والدین سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ایسے والدین کو حد یعنی اسّی کوڑوں کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ ایسے والدین کے خلاف نہ صرف مقدمہ درج ہوسکتا ہے بلکہ تعزیراً سزا بھی ہوسکتی ہے اور ایسے مقدمات میں والدین کو سزائیں دی بھی جاتی ہیں۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ والدین کو حد کی سزا آخر کیوں نہیں دی جاسکتی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قصاص اور قطع ید کی سزا مقتول یا مستغیث کے والدین کو نہیں دی جاسکتی تو اسی پر فقہا نے قذف کی سزا کو بھی قیاس کیا ہے اور یہ رائے دی ہے کہ والدین کو قذف کی انتہائی سزا نہیں دی جائے گی۔ نیز فقہا کی یہ رائے بھی ہے کہ جہاں قرآن کے واضح احکام کے مطابق والدین کو اُف کہنے کی بھی اجازت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۱۶)

ترجمہ: پس ان دونوں کو اف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (۱۷)

مذکورہ بالا احکامات کی روشنی میں والدین کے خلاف قذف کی انتہائی سزا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

لعان: حد قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱۴ میں لعان کا بیان ہے۔ دفعہ ۱۴ کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

(۱) جب ایک شوہر عدالت کے روبرو اپنی بیوی پر جو دفعہ ۵ میں دیے گئے معانی کے لحاظ سے محصن ہے زنا کا الزام لگاتا ہے اور بیوی اس الزام کو سچ تسلیم نہیں کرتی تو لعان کے مندرجہ ذیل طریق کار کا اطلاق ہوگا:

(الف) شوہر عدالت کے روبرو حلفاً کہے گا: ''میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی (بیوی کا نام لے گا) کے خلاف زنا کے الزام میں یقینی طور پر سچا ہوں'' اور ایسا چار مرتبہ کہنے کے بعد وہ کہے گا: ''مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں اپنی بیوی (بیوی کا نام لے گا) کے خلاف زنا کے الزام میں جھوٹا ہوں''۔

(ب) ذیلی دفعہ الف کے مطابق شوہر کے بیان کے جواب میں بیوی عدالت کے روبرو حلفاً کہے گی: ''میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتی ہوں کہ میرا شوہر میرے خلاف زنا کے الزام میں یقینی طور پر جھوٹا ہے'' اور ایسا چار مرتبہ کہنے کے بعد کہے گی: ''مجھ پر اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہو اگر وہ میرے خلاف زنا کے الزام میں سچا ہو''۔

(۲) جب ذیلی دفعہ (۱) میں دیا گیا طریق کار مکمل ہو جائے گا تو عدالت میاں بیوی کے درمیان تنسیخ نکاح کا حکم جاری کرے گی۔ جو تنسیخ نکاح کی ڈگری کے طور پر نافذ العمل ہوگا اور اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوگی۔

(۳) جہاں شوہر یا بیوی ذیلی دفعہ (۱) میں دیے گئے طریق کار کو اختیار کرنے سے انکار کرتے ہیں تو ان میں سے جو بھی ایسا کرتا ہے اسے قید میں ڈال دیا جائے گا جب تک کہ وہ:

(الف) شوہر ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا طریق کار کو اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوتا یا:

(ب) بیوی ہونے کی صورت میں وہ مذکورہ بالا طریق کار کو اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوتی یا

خاوند کے الزام کو سچ تسلیم نہیں کرتی۔

(۴) ایک بیوی جس نے اپنے شوہر کے الزام کو سچ تسلیم کر لیا ہے تو اسے حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے تحت زنا جس میں حد جاری ہوتی ہے کی سزا دی جائے گی۔

اس دفعہ کے مطابق اگر شوہر اپنی بیوی کے خلاف زنا کا الزام لگاتا ہے تو اس پر حد قذف جاری نہیں ہوگی بلکہ لعان کی کارروائی ہوگی، اگر فریقین اپنے اپنے موقف کی تائید میں قسمیں کھالیں تو ایسی صورت میں ان کے درمیان تفریق کرادی جاتی ہے لیکن شوہر کو حد قذف یعنی اسّی کوڑوں کی سزا نہیں دی جاتی۔ بیوی شوہر پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کر سکے تو لعان کی کارروائی نہیں ہوتی بلکہ وہ حد قذف یعنی اسّی کوڑوں کی سزا کی مستحق قرار پاتی ہے۔

بعض افراد اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ ایک امتیازی سلوک ہے جو حد قذف کے حوالے سے خواتین کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ جرم زنا کے حوالے سے عمومی حکم تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس جرم کا ارتکاب دیکھے اور چار گواہ اسے میسر نہ ہوں تو خاموش رہے اور معاملے کو نظر انداز کردے۔ لیکن میاں بیوی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اگر شوہر اپنی بیوی کی بدچلنی دیکھ لے اور اس کے پاس چار گواہ موجود نہ بھی ہوں تو لعان کی کارروائی کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔

لعان کی حکمت یہ ہے کہ غیر کے نطفے کی شوہر کی طرف نسبت نہ ہو۔ کیونکہ نسب کا معاملہ اہم اور نازک ہے۔ کوئی بھی انسان یہ گوارا نہیں کرتا کہ غیر کے نطفے کی اس کی طرف نسبت کی جائے۔ لہٰذا لعان کا حکم وہیں دیا گیا ہے جہاں نسبت کا تعلق ہو۔ جہاں نسبت کا تعلق نہ ہو وہاں شرعاً لعان کا حکم بھی نہیں، بلکہ حد قذف جاری کرنے کا حکم ہے۔ اگر کوئی مرد کسی اجنبی عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو مرد پر حد قذف جاری ہوگی لعان نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجنبی عورت کے ساتھ اس مرد کے حسب نسب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس طرح اگر بیوی اپنے شوہر پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو لعان نہیں ہوگا، بلکہ بیوی پر حد قذف جاری ہوگی کیونکہ یہاں بھی بیوی کے ساتھ نسب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ اگر بیوی اپنے شوہر کو کسی کے ساتھ ملوث دیکھے اور چار گواہ نہ ہونے کی وجہ سے خاموش رہے

اور شوہر پر زنا کی تہمت نہ لگائے تب بھی دوسری عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ اس مرد کی طرف منسوب ہوگا۔ بیوی کی طرف اس بچے کی نسبت نہیں ہوگی اور اس کے خاموش رہنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لہٰذا ایسی صورت میں لعان بھی نہیں ہوگا، بلکہ چار چشم دید گواہوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے عورت پر حد قذف جاری کی جائے گی۔ لعان کا معاملہ کسی امتیازی سلوک کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ حسب نسب کی حفاظت کے لیے شریعت نے لعان کی راہ نکالی ہے۔

دوسرا سوال اس حوالے سے یہ اٹھایا جاتا ہے کہ اگر خاوند کے پاس چار گواہ موجود ہوں تو کیا پھر بھی لعان کی کارروائی ہوگی تو اس پر وفاقی شرعی عدالت اپنے دو فیصلوں میں — بختیار سید محمد بنام درِشہوار۱۸ اور کیپٹن عبدالغفور بنام وفاق پاکستان۱۹ — تفصیل سے بحث کے بعد یہ قرار دے چکی ہے کہ اگر شوہر کے خلاف چار گواہ موجود ہیں تو لعان کی کارروائی نہ ہوگی بلکہ وہ اپنی بیوی پر جرم زنا ثابت کر کے اسے سزا دلوا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے پاس چار گواہ موجود نہیں تو لعان کی کارروائی ہوگی۔

ذیلی دفعہ (۱) کے مطابق چار مرتبہ حلف اٹھانا یہ واضح کرتا ہے کہ شوہر چار گواہوں کو پیش نہیں کر سکتا اور یہ چار مرتبہ حلف گواہوں کے متبادل کے طور پر لیے گئے ہیں، تاہم عدالت نے اس ابہام کو دور کرنے کے لیے دفعہ۱۴ کی ذیلی دفعہ (۱) میں ان الفاظ کے اضافے کی تجویز دی: ''اور الزام کو ثابت کرنے کے لیے اپنے سوا کوئی گواہ پیش نہیں کر سکتا''۔

دوسرے مقدمہ 'کیپٹن عبدالغفور بنام وفاق پاکستان' میں بھی دفعہ۱۴ کے حوالے سے مندرجہ ذیل فیصلہ کیا گیا ہے:

قذف آرڈیننس کی دفعہ۱۴ اسلامی تعلیمات کے خلاف تو نہیں، تاہم اس میں خامی موجود ہے جسے دفعہ۱۴ کی ذیلی دفعہ (۱) کے آغاز میں ''چار گواہوں کی عدم دستیابی کی صورت میں'' کے الفاظ کا اضافہ کر کے دور کیا جا سکتا ہے، لہٰذا حکومت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ حد قذف آرڈیننس کی دفعہ۱۴ کی ذیلی دفعہ (۱) کے آغاز میں مذکورہ بالا الفاظ کا مورخہ ۸ جنوری ۱۹۹۳ء تک اضافہ کرے بصورت دیگر مذکورہ اضافہ خود بخود متعلقہ قانون کا حصہ بن جائے گا۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس فیصلے کے خلاف حکومت نے عدالتِ عظمٰی کے شریعت اپیلٹ بنچ میں اپیل دائر کر رکھی ہے جس پر فیصلہ ہونا باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کی مذکورہ بالا مجوزہ ترمیم تا حال قانون کا حصہ نہیں بن سکی۔

قذف آرڈی نینس کی بہتری کے لیے چند تجاویز

۱۔ حد قذف آرڈینینس کو ایک بہتر اور مؤثر قانون بنانے کے لیے ضروری ہے کہ قانون اپنے ارتقائی عمل سے گزرے اور عدالتی فیصلوں کی روشنی میں اس کے اندر بروقت ترامیم کی جائیں تا کہ اس کا بنیادی مقصد پورا کرتے ہوئے لوگوں کی عزت و ناموس کو تحفظ دیا جائے۔

۲۔ حدِ زنا آرڈی نینس کی دفعہ ۵ یا ۱۰ کے تحت قائم ہونے والے تمام مقدمات میں اگر مستغیث جرم ثابت کرنے میں ناکام رہے تو عدالت از خود اس کے خلاف حدِ قذف آرڈی نینس کے تحت کارروائی کرے اور بری ہونے والے ملزم کا مستغیث بن کر عدالت میں آنے اور قذف کی کارروائی شروع کرنے کا انتظار نہ کرے۔ اس حوالے سے دفعہ ۸ میں ترمیم کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ زنا بالجبر کے جھوٹے الزام کو قذف کی تعریف سے خارج کیا جائے۔ ایسے جھوٹے الزام لگانے والوں کے خلاف ہتکِ عزت کے قانون کے تحت کارروائی کی جائے۔

۴۔ قذف آرڈی نینس کی دفعہ ۳ میں دی گئی مستثنیات کو حذف کیا جائے۔

۵۔ قذف آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۱۴ کے آغاز میں ''چار گواہوں کی عدم دستیابی کی صورت میں'' کے الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ سورہ نور ۲۴:۴، ۵

۲۔ سورہ نور ۲۴:۱۹

۳۔ سورہ نور ۲۴:۲۳

۴۔ صحیح بخاری ،کتاب الوصایا، باب قولہ تعالیٰ: ''ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ---''
حدیث ۲۷۶۶؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب بیان اکبر الکبائر، حدیث ۸۹

۵۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، جلد ۳، ص ۳۵۶

۶۔ سورہ نور ۲۴: ۶-۱۰

7- 1979 PCr L J 454

۸۔ ابوداؤد و نسائی

۹۔ صحیح بخاری ترجمہ مولانا ظہور باری اعظمی، جلد دوم، باب ۷۷۳، حدیث ۱۸۵۸، ناشر دارالاشاعت، کراچی، ص ۹۷۰

۱۰۔ فقہ حضرت عمر، ترجمہ از ساجد الرحمٰن صدیقی، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، طبع دوم، ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۵۵۵

۱۱۔ صحیح بخاری ترجمہ از مولانا ظہور باری اعظمی، جلد سوم، باب ۹۹۴، حدیث ۱۷۵۴، ص ۶۷۹، ناشر دارالاشاعت، کراچی

۱۲۔ فقہ حضرت عمر از ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، ترجمہ از ساجد الرحمٰن صدیقی، ص ۵۵۲، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، طبع دوم ستمبر ۱۹۹۴ء

13. PLD 1982 FSC 244

14- PLJ 1984 FSC 66

15- PLD 1989 FSC 95

۱۶۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳

۱۷۔ ایضاً

18- PLD 1986 FSC 187

19- 1992 MLD 2326

بلوچستان میں قوانین حدود ۱۹۷۹ء کے نفاذ کا جائزہ

سید عبدالمالک آغا *

تمہید

۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو پاکستان میں قوانین حدود (حد زنا، حد قذف [بہتان]، حد شراب نوشی اور حد سرقہ وحرابہ [چوری وراہ زنی] کا نفاذ عمل میں آیا تھا۔ ان کے بارے میں دو طرح کے ردعمل سامنے آئے۔ ایک ردعمل بیرونی تھا جو اہل مغرب کی طرف سے تھا۔ مغرب مسلسل ان خدشات کا اظہار کرتا ہے:

۱۔ اسلامی حدود موجودہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

۲۔ اسلامی سزائیں (حدود) انتہائی سنگین، بے رحمانہ، وحشیانہ اور غیر انسانی ہیں، نیز اسلامی جرم وسزا کا نظام بربریت پر مبنی ظالمانہ نظام ہے۔

۳۔ اسلامی نظام جرم وسزا فرسودہ ہے۔

۴۔ اسلامی نظام عدل زمانہ جاہلیت کے عربوں کے مخصوص حالات کے پیش نظر وضع کیا گیا تھا۔

۵۔ آج کی مہذب دنیا کے لیے یہ ناقابل عمل نظام ہے۔

دوسرا ردعمل اندرونی تھا۔ ملک بننے کے بعد طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود قوانین حدود

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

کے عملی اجرا میں رکاوٹیں پیش آتی رہیں اور متعدد وجوہ کی بنا پر حدود کا اجرا نہ ہو سکا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے نفاذ کے باوجود ان جرائم میں کمی نہ آئی جن کے استیصال کے لیے اسلامی حدود کو نافذ کیا گیا تھا۔

راقم نے صرف بلوچستان میں قوانین حدود بالخصوص حد زنا اور حد سرقہ کے نفاذ، عدالتی فیصلوں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں (مسائل، مشکلات اور تجاویز) کا ایک جائزہ لیا ہے جو بلوچستان کی حد تک مسئلے کی نوعیت کو سمجھنے میں ممکن ہے بڑی حد تک معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

اسلام کے فوجداری قانون کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حدود ۲۔ قصاص ودیت ۳۔ تعزیرات (۲)

حد کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

حدود عربی زبان کا لفظ ہے یہ جمع ہے اور اس کا مفرد حد ہے، حد کا مادہ ''ح۔د۔د'' ہے یعنی حـــدد (۳) عربی لغت میں حد کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں۔ الفصیل، الحاجز، منتھی الشئی (۴) (سرحد، باڑ، کسی شے کی انتہا، طرف، کنارہ، سرا، دھار، مانع، کسی چیز کا دفع کرنا، اس سے بچنا، کسی شے کو دوسری شے سے الگ کرنا، پہچاننا) ایک اور لغت میں حد کی تعریف یوں کی گئی ہے:

الحاجز بین الشیئین او الفصل بین الشیئین لئلا یختلط احد هما بالآخر۔ (۵)

ترجمہ: دو چیزوں کے مابین فاصلہ قائم کرنے والی یا رکاوٹ پیدا کرنے والی چیز، تاکہ دونوں آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

قدیم لغت نویس الازہری نے لکھا ہے کہ حدود اللہ دو طرح کی ہیں:

۱۔ ایک تو حلال وحرام کی وہ حدود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے کھانے پینے اور ازدواجی معاملات کے سلسلے میں مقرر فرمائی ہیں اور ان کے بارے میں اس کا حکم ہے کہ ان سے تجاوز نہ کرو۔

۲۔ دوسری حدود سزا کی وہ مقداریں ہیں جو بعض جرائم پر مقرر کر دی گئی ہیں جیسے حد قذف، اسی

طرح کوڑے اور حد سرقہ، قطع ید (۶)

ابن ہمام کے خیال میں حد کی تعریف یوں ہے:

....ان الحد هو العقوبة المقدرة شرعاً...(۷)

ترجمہ:.... حد شریعت کی مقرر کردہ سزا ہے۔

شوکانی کہتے ہیں:

...في الشرع عقوبة مقدرة لاجل حق الله فيخرج التعزير لعدم التقدير و القصاص لا نه حق آدمي...(۸)

ترجمہ:... شریعت میں حد اس مقررہ سزا کو کہتے ہیں جو حق اللہ کے طور پر متعین کی گئی ہو، تعزیر اس سے خارج ہے کیونکہ تعزیر "مقرر" (Fixed) نہیں اور قصاص بھی اس سے خارج ہے کیونکہ قصاص حق العبد ہے حق اللہ نہیں ہے۔

فقہائے حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہا کی اصطلاح میں حد کے معنی یہ ہیں:

...عقوبة مقدرة شرعاً سواء اكانت حق الله ام للعبد...(۹)

ترجمہ:... حد مقرر شدہ شرعی سزا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو یا بندے کا...

شیعہ مسلک کے نجم الدین جعفر الحلی نے حد کی تعریف یوں بیان کی:

...كل ماله عقوبة مقدرة يسمى حدوداً وماليس كذلك يسمى تعزيراً...(۱۰)

ترجمہ: ہر ایسا جرم جس کی سزا مقرر ہے وہ حد ہے اور جس کی سزا مقرر نہیں ہے وہ تعزیر ہے۔

تعداد جرائم حدود

فقہائے عظام نے بالعموم پانچ جرائم کو قابل حد قرار دیا ہے (۱۱) جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ حد زنا ۲۔ حد قذف ۳۔ حد سرقہ ۴۔ حد حرابہ ۵۔ حد شرب خمر

جرائم حدود کی تعداد کے سلسلے میں فقہا میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علما کے خیال میں

قابل حد جرائم کی تعداد صرف تین، بعض کے نزدیک چھ، بعض کے نزدیک سات، بعض کے نزدیک آٹھ اور بعض نے گیارہ جبکہ بعض نے سترہ جرائم کو، جرائم حد قرار دیا ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

فقہا کی بیان کردہ تعداد جرائم حد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں چار جرائم تو ایسے ہیں جن کی سزا صراحتاً قرآن میں مذکورہ ہے، یعنی حد زنا، حد قذف، حد سرقہ اور حد حرابہ۔ چنانچہ ان کے حدود ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں اور فقہا نے بھی ان چاروں کو حد تو تسلیم کیا ہے، رہا معاملہ پانچویں، شرب خمر کا تو وہ سنت نبوی اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے، ان کے علاوہ دیگر جرائم میں (ماسوا قتل کے) تعزیری سزا دی جاتی ہے۔ (۱۲)

بلوچستان میں قوانین حدود ۱۹۷۹ء کا نفاذ

راقم نے بلوچستان میں شروع سے لے کر تا حال ان مقدمات کا تحقیقی جائزہ لینے کی مقدور بھر پور کوشش کی جن جرائم کا تعلق قوانین حدود سے ہے۔ اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کوئٹہ کے ریکارڈ سے آخری دو سالوں ۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۵ء کے فیصلوں کا ریکارڈ دیا جا رہا ہے جن میں سے زیادہ مقدمات چوری اور زنا سے متعلق ہیں۔ ان مقدمات کا فیصلہ بلوچستان کے مختلف علاقوں میں ججوں نے قوانین حدود کے بجائے ضابطہ تعزیرات کے تحت کیا ہے، جن میں اکثر مقدمات کے خلاف ملزمان نے وفاقی شرعی عدالت کوئٹہ میں اپیل بھی دائر کی ہے۔ تفصیلات حسب ذیل ہیں:

راہ زنی/چوری کے مقدمات : ۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۵ء (۱۳)

مقام	جج	تاریخ فیصلہ	ملزم/ملزمان	سزا
قلات	سیشن جج	۱۶ دسمبر ۲۰۰۳ء	محمد عمر	۵ سال قید
پشین	ایڈیشنل سیشن جج	۲۸ اپریل ۲۰۰۴ء	نواب خان اور عزیز اللہ	۸ سال قید
لورالائی	سیشن جج	۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء	عبدالکریم	۳ سال قید
نوشکی	سیشن جج	۱۶ دسمبر ۲۰۰۳ء	نادر، امین، عبدالغنی	۳ سال قید

مقام	جج	تاریخ فیصلہ	ملزم/ملزمان	سزا
نوشکی	سیشن جج	۲۳ فروری ۲۰۰۴ء	عبداللہ	۳ سال قید
جعفر آباد	سیشن جج	۶ ستمبر ۲۰۰۳ء	خمیس خان	۴ سال قید
ڈیرہ مراد جمالی	سیشن جج	۲۵ جنوری ۲۰۰۴ء	محمد یوسف	۳ سال قید
پنج گور	ایڈیشنل سیشن جج	۲۸ جون ۲۰۰۴ء	محمد اکرم، داد جان	۱۰ سال قید
سبی	ایڈیشنل سیشن جج II	۳۰ اپریل ۲۰۰۴ء	نصیر احمد	۵ سال قید
تربت	سیشن جج (مکران)	۳۰ جون ۲۰۰۴ء	عبدالقیوم، حامد	۷ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج دوم	یکم جولائی ۲۰۰۴ء	عقیل، دولت، عادل (دو ملزمان ضمانت پر ہیں)	۸ سال قید
ڈیرہ اللہ یار	سیشن جج	۳ جون ۲۰۰۴ء	محمد صالح	۳ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج I	۲۷ جولائی ۲۰۰۴ء	جمعہ گل	۱۰ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج II	۲۱ جولائی ۲۰۰۴ء	ادریس، سید عبدالجابر	۸ سال چھ ماہ قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج II	۲۵ اگست ۲۰۰۴ء	شبیر احمد، شیر دل، محمد رفیق	۸ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج II	۱۳ ستمبر ۲۰۰۴ء	محمد طاؤس، نصیر احمد	۶ سال قید
لسبیلہ	سیشن جج	۳۰ ستمبر ۲۰۰۴ء	محمد انور، علی شیر	۴ سال قید
پشین	سیشن جج	۳۰ اکتوبر ۲۰۰۴ء	سرفراز، یار محمد، محمد علی	۷ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج I	۲۰ نومبر ۲۰۰۴ء	راز محمد، عصمت اللہ	۹ سال قید
کوئٹہ	سینئر سول جج	۳۰ نومبر ۲۰۰۴ء	عدیل فیض	۴ سال قید
پشین	سیشن جج	۳۰ نومبر ۲۰۰۴ء	جمعہ گل، محمد عیسیٰ، یار محمد	۷ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج II	۱۴ ستمبر ۲۰۰۴ء	اختر محمد	۶ سال قید
کوئٹہ	سیشن جج	۳۰ نومبر ۲۰۰۴ء	میر احمد	۴ سال قید

مقام	جج	تاریخ فیصلہ	ملزم رملزمان	سزا
پنج گور	ایڈیشنل سیشن جج	۱۸ دسمبر ۲۰۰۴ء	اللہ بخش	۴ سال قید
پشین	سیشن جج	۳۰ دسمبر ۲۰۰۴ء	داد محمد، نور علی	۱۰ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج ا	۱۶ دسمبر ۲۰۰۴ء	محمد عبداللہ، محمد عالم، محمد ہاشم	۷ سال قید
ڈیرہ اللہ یار	سیشن جج	یکم جنوری ۲۰۰۵ء	عبدالکریم، عبدالنبی	۳ سال قید
نوشکی	سیشن جج	۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء	عبدالمجید، محمد ولی، نصرت، لعل خان	۳ سال قید
پشین	ایڈیشنل سیشن جج	۳ فروری ۲۰۰۵ء	علاؤالدین	۴ سال قید
کوئٹہ	ایڈیشنل سیشن جج ا	۲۸ مارچ ۲۰۰۵ء	شمس اللہ	۸ سال قید
سبی	ایڈیشنل سیشن جج ا	۲۹ مارچ ۲۰۰۵ء	ظاہر خان	۵ سال قید
خضدار	سیشن جج	۱۳ اپریل ۲۰۰۵ء	محمد اسلم	۸ سال قید
مستونگ	سیشن جج	۲۶ مئی ۲۰۰۵ء	محمد بخش عرف بابو	۳ سال قید

زنا کے مقدمات (۱۴)

مقام	جج	تاریخ فیصلہ	ملزم/ملزمان	سزا
کوئٹہ	سیشن جج (ایڈہاک)	۱۲۰ کتوبر ۲۰۰۴ء	غلام نبی	۱۰ سال قید
سبی	سیشن جج	۱۶ اگست ۲۰۰۳ء	عبدالرزاق، صالح محمد (لواطت کا الزام)	عمر قید
مستونگ	سیشن جج	۱۶ اپریل ۲۰۰۴ء	داد محمد	اسے بری کیا گیا تھا
قلات	سیشن جج	۲۹ مئی ۲۰۰۴ء	پاون کمار (ہندو) لڑکی بھی ہندو تھی	۱۰ سال قید (اپیل پر شرعی عدالت برأت)
سبی	ایڈیشنل سیشن جج ا	۲۹ نومبر ۲۰۰۴ء	۱۰ سالہ لڑکی کے ساتھ زیادتی کی گئی	۲۵ سال قید (اپیل پر شرعی عدالت برأت)

شراب نوشی (۱۵)

سزا	ملزم	تاریخ فیصلہ	جج	جائے واردات
۳ سال قید	ڈاکٹر صاحب داد	۳۱ جولائی ۲۰۰۳ء	جوڈیشل مجسٹریٹ	خضدار

واضح رہے کہ نشے کی بابت ریکارڈ سے صرف ایک مقدمے کا پتا چلا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ ۲۰۰۳ء میں خضدار میں ایک شخص نشے کی حالت میں پکڑا گیا۔ ملزم کا نام ڈاکٹر صاحب داد ہے جو بحالت نشہ گالی گلوچ بکتا تھا۔ چنانچہ اسے تین سال قید کی سزا سنائی گئی۔

قذف کے مقدمات

انتہائی دلچسپ بات ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کوئٹہ کے رجسٹری (ریکارڈ) سے معلوم ہوا کہ بلوچستان میں قوانین حدود (۱۹۷۹ء) کے نفاذ کے وقت سے تاحال نہ قذف کا کوئی مقدمہ دائر کیا گیا اور نہ جرم قذف کی پاداش میں کسی ملزم پر حد قذف جاری کی گئی۔ حاصل یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کوئٹہ کے ریکارڈ سے اندازہ ہوا کہ ۲۰۰۴ء میں کل ۲۷ مقدمات لائے گئے اور ۲۰۰۵ء کے دوران میں اب تک جرائم حدود سے متعلق کل ۳۲ مقدمات کا اندراج عمل میں آیا ہے، جن میں سے اکثر مقدمات چوری اور زنا سے متعلق ہیں۔ (۱۶) بلوچستان میں ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۷ء زنا اور قذف کے مقدمات کی صورت حال کچھ یوں ہے۔ (۱۷)

وفاقی شرعی عدالت ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۷ء

قذف کے مقدمات	زنا کے مقدمات	
صفر	۲۱	بلوچستان
صفر	۲۱	میزان

وفاقی شرعی عدالت کوئٹہ میں دائر اپیلوں کی تفصیل ۔۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۷ء

تعداد اپیل	منظور شدہ	جزوی منظور شدہ	مسترد	واپس رجوع	موقوف
۲۱	۸	۴	۶	۱	۲

یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ بلوچستان میں شرعی حدود کے نفاذ کی تاریخ سے تا حال ایک مجرم کو بھی قوانین حدود کے مطابق سزا نہیں ملی ہے یعنی اب تک ایک حد بھی لاگو نہیں ہو سکی ہے۔

بلوچستان میں حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء کا نفاذ: ایک مطالعہ

آرڈیننس کا اجراان الفاظ کے ساتھ ہوا: ''ہر گاہ کہ یہ ضروری ہے کہ موجودہ قانون بابت زنا کی ترمیم کی جائے تاکہ اسے قرآن کریم وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تعین کردہ اسلامی عقائد کے مطابق بنایا جائے۔ (۱۸) آرڈیننس ہذا کا نفاذ زنا کے قانون سے متعلقہ قوانین میں ترمیم کے لیے کیا گیا ہے تاکہ اسے قرآن وسنت میں دیے گئے اسلامی احکامات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ (۱۹) یہ آرڈیننس ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ء کو نافذ ہوا۔ (۲۰)

اصلاح معاشرہ

بلوچستان ایک پس ماندہ صوبہ ہے۔ آبادی کی اکثریت دیہی علاقوں میں آباد ہے۔ جہاں تعلیم وتربیت کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ بعض علاقوں میں سرداری نظام رائج ہے اور دیگر علاقوں میں زیادہ تر قبائلی روایات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پنجاب میں تو جہیز کا رواج ہے لیکن بلوچستان میں اس کے علی الرغم ''ولور'' کی رسم رائج ہے جس کے تحت لڑکے کی جانب سے ایک خطیر رقم لڑکی والوں کو ادا کی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر ''مہر'' کی صورت میں ایک لاکھ سے لے کر ایک کروڑ تک کی رقم لڑکے کی جانب سے لڑکی اور اس کے والدین کو دی جاتی ہے بلوچستان میں اکثرت غربا کی ہے اس لیے نوجوان طبقہ بروقت شادی کرنے سے قاصر رہتا ہے کیونکہ انہیں ''ولور'' کی ادائیگی کے لیے کافی محنت درکار ہوتی ہے جس میں ایک طویل عرصہ گزر جاتا ہے۔ نتیجتاً شادی سے قبل

نوجوانوں کا یہ طبقہ زنا اور لواطت جیسے قبیح فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ چار چشم دید گواہ پیش نہیں کیے جاسکتے اس لیے عملاً حدزنا کا نفاذ نہیں ہے۔ اگر بالفرض چار چشم دید گواہ موجود بھی ہوں تب بھی گواہ گواہی دینے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملزم کو سزا ملنے کی صورت میں وہ گواہوں ہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ نتیجتاً بسا اوقات قتل وغارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ بایں وجوہ نیک اور صالح افراد بھی گواہی دینے سے گریز کرتے ہیں۔

بے روزگاری اور غربت

بلوچستان میں اکثریت غربا اور مساکین کی ہے۔ یہاں نہ کوئی کارخانہ ہے اور نہ کوئی فیکٹری۔ غربت کے سبب نوجوان طبقہ حصول علم سے محروم رہتا ہے۔ اس لیے ۱۲ سال کی عمر میں بچے حصول روزگار کی غرض سے اپنے گھر چھوڑ کر شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ یہ بچے یا تو ہوٹلوں میں ملازمت حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں یا کسی ٹرک ڈرائیور کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں یا لوگوں کے گھروں میں کہیں معمولی رقم کے عوض انہیں نوکری ملتی ہے۔ نتیجتاً ان کے اخلاق خراب ہوجاتے ہیں۔ اگر زبردستی ان کے ساتھ بدکاری کی جاتی ہے تو عدالت تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ اس لیے ملزمان بھی سزا سے بچ جاتے ہیں۔ پس قوانین حدود کے موثر نفاذ کے لیے بلوچستان کے خصوصی پس منظر میں اصلاح معاشرہ کی ضرورت انتہائی اہم ہے۔

ذرائع ابلاغ اور جدید سائنسی ایجادات کے منفی اثرات

بلوچستان رقبے کے لحاظ سے ایک وسیع وعریض صوبہ ہے جس کی زیادہ تر آبادی دیہاتوں میں ہے۔ جہاں قبائلی روایات کا احترام کیا جاتا ہے جن میں بعض روایات بہت اچھی ہیں، مثلاً عورتوں کا احترام، پردہ، شرم وحیا، بزرگوں کا احترام، ایثار، صلہ رحمی، مہمان نوازی، غیرت، عدل و انصاف وغیرہ۔ مگر المیہ یہ ہے کہ جب سے بلوچستان کے دیہاتوں اور قبائلی علاقوں میں ڈش، وی سی آر، فحش فلموں اور کیسٹوں، ٹیلی ویژن وغیرہ کا استعمال شروع ہوا ہے قبائلی روایات بری طرح

متاثر ہونے لگی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جرائم کے تناسب میں خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا ہے۔ زنا کے جرائم بڑھ گئے ہیں۔ قبائل میں لوگ عدالتوں سے بہت کم رجوع کرتے ہیں۔ قانون کو وہ اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ حدود کے نفاذ کے بجائے قبائلی رسم ورواج کے مطابق مجرموں کو سزا ملتی ہے۔

مولانا محمد متین ہاشمی اصلاح معاشرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ہماری مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے سامنے ایک ایسی بالٹی دھرے بیٹھا ہے جس میں پانچ سو چھید ہیں۔ اس بالٹی میں وہ شخص ''آب خیر'' مسلسل ڈالے جارہا ہے لیکن ان چھیدوں کی وجہ سے پانی بالٹی میں ٹھہرتا نہیں، لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ خیر کا پانی معاشرے کی بالٹی میں ٹھہرے تو ہمیں سب سے پہلے ان سوراخوں کو بند کرنا ہوگا جن کے راستے تمام اچھی تعلیمات باہر نکل جاتی ہیں۔ (۲۱)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نظام حدود کا نفاذ کسی جبر ومجبوری سے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے ذہن سازی اور افراد کی تربیت انتہائی ضروری ہے اور افراد کی تربیت کے لیے تبلیغ، ترغیب، ترہیب، تدریج اور تقنین کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔ (۲۲)

کاروکاری

یہ انتہائی ظالمانہ رسم ہے جو سندھ کی طرح بلوچستان کے بعض علاقوں، مثلاً نصیر آباد اور اوستہ محمد میں رائج ہے۔ محض غیرت کے نام پر بلا ثبوت عورتوں اور مردوں کو قتل کیا جاتا ہے، مثلاً گیارہ جون ۲۰۰۵ء کو اوستہ محمد میں شوہر نے سیاہ کاری کے الزام میں بیوی سمیت دو افراد کو قتل کر دیا۔ واقعہ یوں ہے: جعفر آباد (نامہ نگاران) اوستہ محمد میں خاتون سمیت دو افراد کو قتل کر دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ شام نواحی گاؤں محمد اسماعیل میں محمد شریف نے مبینہ طور پر اپنی بیوی مساۃ (ل) اور لیویز سپاہی آزاد خان کو سیاہ کاری کے الزام میں فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا اور منجھو شوری تھانے میں گرفتاری دے دی۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔ (۲۳) علاوہ

ازیں سترہ جون ۲۰۰۵ کو اوستہ محمد ہی میں شوہر نے سیاہ کاری کے الزام میں بیوی اور ایک شخص کو ہلاک کر دیا۔ تفصیلات کے مطابق کیٹل فارم کی حدود میں گوٹھ خاکی شاہ میں عابد علی نے مبینہ طور پر سیاہ کاری کے الزام میں اپنی بیوی مسماۃ (پ) اور ایک شخص نصیر احمد کو قتل کر دیا۔ پولیس نے اسے آلہ قتل سمیت گرفتار کر لیا ہے۔ (۲۴)

بلوچستان کے ان علاقوں میں محصن اور غیر محصن عورتوں پر زنا کا الزام لگایا جاتا ہے، اس کے بعد قانون کو ہاتھ میں لے کر انسانوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ ان علاقوں میں قتل و غارت گری روز مرہ کا معمول بن چکا ہے جو انتہائی شدید صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات میں حد زنا کا نفاذ عملی طور پر ناممکن ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ صرف بلوچستان کے شہروں ہی میں نہیں بلکہ دور دراز قبائلی علاقوں میں بھی لوگوں کو تحفظ جان فراہم کیا جائے۔ اگر کوئی کسی پر سیاہ کاری کا الزام لگاتا ہے تو اس کو پابند کیا جائے کہ وہ اسلامی قانون شہادت کے مطابق چار چشم دید گواہ عدالت میں پیش کرے اور عدالت ہی مجاز ہے کہ وہ اسلام کے فوجداری قانون کے تمام اصولوں اور تقاضوں کو پیش نظر رکھے اور حد زنا لاگو کرے۔

ادارہ پولیس کی اصلاح

بلوچستان میں پولیس کے علاوہ لیویز فورس کا کردار نہایت اہم ہے۔ دیہاتوں اور دور دراز علاقوں میں لیویز ہی تعینات ہوتی ہے جس کی تعلیم و تربیت ناگزیر ہے۔

پولیس اور لیویز کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب رشوت اور حرام خوری ہے جس کی بڑی وجہ پولیس افسران کے اختیارات، ضروریات اور تنخواہ و مراعات میں عدم توازن ہے۔ چنانچہ بلوچستان میں حد زنا آرڈیننس کے نفاذ میں ایک مشکل یہ درپیش ہے کہ جب کسی پر زنا وغیرہ کا الزام لگایا جاتا ہے یا علاقے میں قتل ہو جاتا ہے تو لوگ رپورٹ درج کروانے کے لیے تھانے جاتے ہیں تو پولیس والے پوچھتے ہیں کہ کیا رپورٹ اسلامی قانون کے مطابق لکھوں یا کریمنل پروسیجر کے مطابق۔ جس میں اگر ان کو رشوت ملتی ہے تو پولیس والے وہی کرتے ہیں یعنی پولیس والے عموماً سی پی اے

(CPA) کے تحت رپورٹ درج کراتے ہیں۔ کیس ہائی کورٹ وغیرہ میں چلا جاتا ہے جہاں مروجہ غیر اسلامی قانون کے مطابق مجرم کو سزا ملتی ہے اور حدزنا آرڈیننس کے نفاذ کی نوبت نہیں آتی ہے۔ واضح رہے کہ پاکستان پینل کوڈ میں صرف اور صرف زانی مرد کو سزا ملتی ہے زانیہ عورت کو سزا نہیں ملتی جو اسلامی قانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔

پس بلوچستان میں جرائم کی تفتیش کے لیے ادارہ تفتیش کی اصلاح بھی ضروری ہے۔

اصلاح نظام عدلیہ

بلوچستان کا موجودہ عدالتی نظام بھی اصلاح طلب ہے موجودہ ججوں کو اسلامی قانون پڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ اسی طرح ریفریشر کورس منعقد کروانے کی بھی ضرورت ہے۔ ججوں کو اسلامی قوانین بالخصوص قرآن و حدیث کی تعلیم دی جائے، نیز اسلامی فقہ میں بھی ان کو ایسی تربیت دی جائے کہ اس معاملے میں بھی ان کو زیادہ آگاہی حاصل ہو۔

اسلامی عدالتی نظام اور اس میں جج حضرات اور وکلا کے کردار کے حوالے سے حسب ذیل نکات اٹھائے جاسکتے ہیں:

۱۔ مروجہ عدالتی نظام کو اسلامی اصولوں کے مطابق کیسے تبدیل کیا جاسکتا ہے؟

۲۔ اس میں وکلا اور ججوں کا مقام کیا ہوگا؟

۳۔ مروجہ نظام عدل کو اسلامی نظام عدل کے مطابق بنانے کے لیے کون سے اقدامات درکار ہیں؟

ان سوالات کے جوابات اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس منعقدہ اگست ۱۹۸۱ء کی کارروائی میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ (۲۵)

دارالقضاء کے کارکنوں کے آداب

شریعت اسلامیہ میں تمام کارکنان عدالت خواہ وہ جج صاحبان ہوں یا وکیل، موکل ہوں یا

گواہ، محرر ہوں یا ناظر، پیش کار ہوں یا شرطی، کاتب ہوں یا مترجم، قاسم (بٹوارہ افسر) ہوں یا ڈاکٹر وحکیم سب کا پاک باز، صالح اور امانت دار ہونا ضروری ہے۔

مروجہ پیشہ وکالت کی اصلاح

موجودہ دور کے علما کا ایک طبقہ ایسا ہے جو مروجہ پیشہ وکالت کو بتدریج ختم کرنے کا قائل ہے۔اس کے خیال میں جب تک یہ پیشہ جاری ہے اسلامی نظام عدل اور اسلامی حدود کا قیام ونفاذ ناممکن ہے، کیونکہ مروجہ پیشہ مغربی نظام کا حصہ ہے جو اس کے توسط سے متعارف ہوا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ملک کے دیگر صوبوں کی طرح بلوچستان میں بھی حدزنا آرڈیننس کے نفاذ میں ایک بڑی رکاوٹ وکلا کا منفی کردار ہے۔ چنانچہ عصر حاضر کے مفکر مولانا مودودی نے لکھا ہے:

> ایک وکیل اپنی قانونی مہارت کو لے کر بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور تیار رہتا ہے کہ جس مقدمے کا جو فریق بھی اس کے دماغ کا کرایہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو اس کے حق میں وہ قانونی نکات سوچنا شروع کر دے۔اس کو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ میرا موکل حق پر ہے یا باطل پر، مجرم ہے یا بے گناہ، اپنا حق لینا چاہتا ہے یا دوسرے کا حق مار کھانا چاہتا ہے، حقیقت کیا ہے اور اس کی رو سے اس کے موکل کا مقدمہ صحیح ہے یا غلط؟ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس شخص نے مجھے فیس دی ہے اور میرا کام اس کی حمایت کرنا ہے اس لیے وہ مقدمے کو چھیل بنا کر قانون کے مطابق ڈھالتا ہے، کمزور پہلوؤں کو چھپاتا ہے، موافق پہلوؤں کو ابھارتا ہے ـــ اب خواہ کوئی حقیقی مجرم چھوٹ جائے یا کوئی واقعی بے گناہ پھنس جائے ـــ وکیل اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔(۲۶)

اسلامی قانون شہادت کی تدوین

سابق صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے مورخہ ۲ جنوری ۱۹۸۱ء قانون شہادت کو اسلامی احکام کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کونسل کو ان الفاظ میں ہدایت دی:

In my opinion what is of Fundamental importance is that Law of Evidence should be strickly in accordance with the Quran and Sunnah (27).

''میری رائے میں جو امر بنیادی اہمیت کا حامل ہے، وہ یہ ہے کہ شہادت کا قانون قطعی طور پر قرآن وسنت کے مطابق ہونا چاہیے''۔

اسلامی نظریاتی کونسل اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۱ء میں غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچی:

رائج الوقت قانون شہادت کو شرعی تقاضوں کے مطابق بنانے کے لیے نہ صرف وسیع پیمانے پر ترامیم کرنا ہوں گی بلکہ متعدد ابواب کا اضافہ کرنا ہوگا، اور ترتیب بھی بدلنا ہوگی۔ چنانچہ کونسل کی رائے تھی کہ رائج الوقت قانون شہادت ۱۸۷۲ء میں ''پیوندکاری'' کے بجائے اس قانون کی نئے سرے سے تدوین کی جانا چاہیے۔(۲۸)

اسلامی قانون میں شہادت کا معیار دیگر قوانین کے نظام ہائے شہادت سے یکسر مختلف ہے اس میں شہادت کا کڑا معیار مقرر ہے۔ بقول محمد متین ہاشمی:

دیگر نظام ہائے عدل میں ہر للو پنجو شہادت کا مجاز ہے، خواہ اس کا ذاتی کردار کتنا ہی گھناؤنا کیوں نہ ہو، صرف ضروری ہے کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں ہو اور خود اپنی بات کو جو وہ ادائے شہادت کے وقت منہ سے نکال رہا ہے سمجھتا ہو لیکن اسلامی نظام عدل میں شہادت کا کڑا معیار مقرر کیا گیا ہے۔(۲۹)

ویسے تو اسلامی قانون شہادت اپنے مزاج اور ہیئت کے اعتبار سے بہت سے امور میں جدید قوانین شہادت سے مختلف ہے لیکن دو بنیادی خصوصیات ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے پہلے قانون کو دوسرے قوانین پر جو امتیاز حاصل ہیں وہ نصاب شہادت اور تزکیۃ الشہود ہیں۔

اسلامی قانون شہادت میں گواہوں کا باقاعدہ نصاب مقرر ہے یعنی یہ پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ کسی جرم یا دعوے کے اثبات کے لیے کم از کم اتنے گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ اس کے علی الرغم، جدید قوانین شہادت میں اس طرح کا نصاب شہادت نہیں پایا جاتا۔

اسلامی قانون شہادت میں گواہوں کے حالات اور ان کے چال چلن کے بارے میں خفیہ اور اعلانیہ تفتیش کی جاتی ہے کہ آیا وہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ یعنی عدالت شاہد کے شہادت دینے کے بعد تزکیۃ الشہود کی کارروائی عمل میں لائے گی۔ حدود وقصاص کے مقدمات میں تزکیۃ الشہود شرط ہے، خواہ مشہود علیہ گواہ کے عادل ہونے پر معترض نہ ہو۔ البتہ حدود وقصاص کے سوا باقی تمام امور میں تزکیۃ الشہود اس صورت میں کیا جائے گا جب فریق مخالف اس کا مطالبہ کرے۔

تزکیۃ الشہود اسلامی قانون شہادت کی ایک ایسی اہم خصوصیت ہے جس سے جدید قوانین یکسر عاری ہیں جیسا کہ جسٹس تنزیل الرحمن نے اس کی صراحت کی ہے:

لیکن میرے نزدیک اسلامی قانون شہادت کے سلسلے کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ گواہ کے چال چلن کی تحقیقات کی جاتی تھی کہ آیا وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ اس اصول کو شرعی اصطلاح میں ''تزکیۃ الشہود'' کہا جاتا ہے اس کا وجود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ خلافت راشدہ میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور تحقیقات خفیہ بھی کی جانے لگیں۔ چنانچہ محکمہ قضا میں گواہوں کے علیحدہ رجسٹر ترتیب دیے جاتے تھے۔(۳۰)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حال ہی میں راقم نے بلوچستان ہائی کورٹ کے مختلف وکلا سے ملاقات کی۔ اکثر وکلا اس غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اسلام کے قانون شہادت میں تزکیۃ الشہود کے معیار پر چونکہ آج کل کوئی بھی پورا نہیں اتر سکتا، اس لیے اسلامی حدود کا نفاذ عملاً ناممکن ہے، مثلاً حد زنا کو لیجیے جس کے لیے کم از کم چار چشم دید گواہ ہوں اور چاروں گواہوں کے چال چلن کی تحقیقات کی صورت میں ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا کیونکہ آج کل کے معاشرے میں ہر آدمی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک طرف ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اور دوسری طرف ہم یہ فرض کریں کہ آج کے دور میں اسلامی قانون شہادت ناقابل عمل ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسلام کی تفہیم، اس کی تعبیر وتشریح کے لیے

غور وفکر کی ضرورت ہے، حال ہی میں راقم کو ایک ماہر قانون نے شیخ جامعۃ الازہر کا واقعہ سنایا کہ اس نے شیخ سے یہی تزکیۃ الشہود کی بابت سوال کیا۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں جواب یوں دیا: ''آج کے دور میں جو شخص کم سے کم جھوٹا ہے وہی تزکیۃ الشہود کے معیار پر پورا اترتا ہے''۔ یعنی اگر کوئی ایسا دور آجائے کہ جن میں سب لوگ جھوٹے ہوں ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہو جس میں سے ہر کسی نے کسی نہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔ اس صورت میں جو شخص کم جھوٹا ہوگا اس کی گواہی قبول ہوگی۔

الغرض بلوچستان میں بھی وہی ۱۸۷۲ء کا قانون شہادت معمولی ردو بدل کے ساتھ نافذ ہے۔ یہ غیر اسلامی قانون شہادت حدزنا آرڈیننس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے از حد ضروری ہے کہ رائج الوقت قانون شہادت ۱۸۷۲ء کے بجائے اسلامی قانون شہادت کی تدوین ہو۔

چند تجاویز

۱۔ بلوچستان میں بیک وقت کئی قوانین نافذ العمل ہیں، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک اور صوبوں میں ایک قانون کے نفاذ پر اکتفا کیا جائے تاکہ قوانین حدود موثر ثابت ہو۔

۲۔ بلوچستان میں کریمنل پروسیجر ایکٹ کے بجائے قوانین حدود کا نفاذ ضروری ہے۔ یعنی صرف اور صرف اسلامی قانون کے مطابق رپورٹ کے اندراج کو یقینی بنایا جائے۔

۳۔ سیاہ کاری یعنی غیرت کے نام پر انسانوں کا قتل بند کرانے کے لیے قوانین حدود اور قصاص و دیت کا نفاذ ضروری ہے، تاکہ بلوچستان میں کسی بھی عورت اور مرد کو غیرت کے نام پر موت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۴۔ عدلیہ کے جملہ قاضی صاحبان کے لیے کتاب وسنت اور احکام شریعت، فقہ اسلامی کے نصاب پر مبنی تربیتی مذاکروں، تربیتی سیمیناروں اور تربیتی کورسوں کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔

۵۔ جرائم کی تفتیش کے لیے ادارہ تفتیش اور ادارہ استغاثہ و پیروی علیحدہ علیحدہ ہونے چاہییں۔

۶۔ پولیس کی اصلاح و تربیت کا مناسب انتظام ہونا چاہیے۔ پولیس کا نصاب تعلیم اسلامی اصولوں کی اساس پر از سر نو مرتب کیا جائے۔ علاوہ ازیں بلوچستان میں پولیس افسران کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک خصوصی ادارہ قائم کیا جائے۔

۷۔ پیشہ وکالت بھی اصلاح طلب ہے۔

۸۔ صرف اسلامی قانون شہادت ہی کو نافذ العمل رکھا جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل اسلامی قانون شہادت کا مسودہ مرتب کر کے پیش کر چکی ہے۔

۹۔ بلوچستان ایک وسیع و عریض صوبہ ہے جس کا معاشرہ کافی حد تک قبائلی ہے۔ قبائل کے مسائل و مشکلات کا حل تلاش کیا جائے۔ منفی قبائلی روایات کا خاتمہ ضروری ہے، مثلاً بلوچستان میں زنا کا ایک سبب ''ولور'' ہے جس کا خاتمہ ضروری ہے۔

۱۰۔ بلوچستان میں نظام تعلیم کی اصلاح بھی از حد ضروری ہے۔

۱۱۔ نظام ابلاغ کے غلط استعمال کے سبب بلوچستان کی اسلامی اور قبائلی روایات بری طرح متاثر ہونے لگی ہیں، اس لیے نظام ابلاغ کی اصلاح بھی ضروری ہے۔

❖

حوالہ جات

۱۔ سورہ البقرۃ ۲۲۹:۲

۲۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۱۹۸۵ء، ج۱، ص ۷۸

۳۔ ابوالفضل جمال الدین محمد بن منظور الافریقی، لسان العرب، قم ایران، نشر ادب الحوزۃ، ۱۴۰۵ھ، ج۲، ص ۶۹۷

۴۔ مرتضیٰ حسین حنفی الزبیدی، تاج العروس، مصر مطبعۃ الخیریہ، ۱۳۰۶ھ، ج۲، ص ۳۳۱

۵۔ ایضاً

٦- ابن منظور، لسان العرب، ج۲، ص۸۰۰

۷- کمال الدین محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، القاہرۃ، المطبعۃ الامیریۃ، ۱۳۱۵ھ، ج۵، ص۳

۸- محمد بن علی الشوکانی، نیل الاوطار، بیروت۔ دار صادر، ۱۹۸۱ء، ج۷، ص/۹۳

۹- عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بیروت دار الفکر، ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰ء، ج۵، ص۷

۱۰- ڈاکٹر نور محمد شاہتاز، تاریخ نفاذ حدود، فضلی سنز، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص۱۹

۱۱- ابراہیم آفندی، اسرار الشریعۃ الاسلامیۃ، مصر، مطبعۃ بولاق، ت ن، ص۲۲۷

۱۲- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج۳، ص۱۳۳

13. Federal Shariat Court Registry Quetta.

14. Ibid.

15. Ibid.

16. Ibid.

۱۷- ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، تاریخ نفاذ حدود، (فضلی سنز) ص۳۸۸-۳۸۹

۱۸- سلیمان ظہور ایڈووکیٹ، اسلامی قوانین (حدود لاز) عرفان لا بک ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص۱۵۰

۱۹- ایضاً

۲۰- ایضاً، ص۱۵۲-۱۵۳

۲۱- محمد متین ہاشمی، مولانا، اسلامی نظام عدل کا نفاذ، مشکلات، ان کا حل، لاہور، مرکز تحقیق دیال سنگھ، ص۲۷

۲۲- نور احمد شاہتاز، تاریخ نفاذ حدود، ص۴۰۳

۲۳- روزنامہ جنگ کوئٹہ، ہفتہ ۱۱ جون ۲۰۰۵ء

۲۴- ایضاً، جمعہ ۱۷ جون ۲۰۰۵ء

۲۵- اسلامی نظریاتی کونسل، سالانہ رپورٹ ۸۴-۱۹۸۳ء اسلام آباد، پاکستان، ص۷۹-۸۰

۲۶- سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی قانون، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص۶۶-۶۷

۲۷- اسلامی نظریاتی کونسل، سالانہ رپورٹ ۸۳-۱۹۸۲ء حکومت پاکستان، اسلام آباد، ص۳

۲۸- ایضاً، ص۴

۲۹- محمد متین ہاشمی، اسلامی نظام عدل کا نفاذ، مشکلات اور ان کا حل، ت ن، ص۱۸-۱۹

۳۰- ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن، اسلام کا نظام عدل، منہاج، لاہور، ج۱، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۸۳ء، ج۱، ص۷۶-۷۷

اسلامی سزائیں اور حد سرقہ آرڈیننس ۱۹۷۹ء کا تنقیدی جائزہ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی*

شرعی سزاؤں کی تعریف اور ان کی اقسام

دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی تمام سزاؤں کو تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے، خواہ وہ کسی بھی جرم سے متعلق ہوں۔ اس لیے تعزیرات ہند اور تعزیرات پاکستان کے نام سے جو کتابیں ملک میں پائی جاتی ہیں ان میں ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی سزاؤں کا ذکر ہے، جبکہ شریعت اسلامیہ میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں ہیں: حدود، قصاص، تعزیرات۔ جرائم کی وہ سزا جو قرآن وسنت اور اجماع نے متعین کر دی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں ایک حدود، دوسری قصاص۔

شرعی اصطلاح میں ایسے جرم کی سزا کو حد کہا جاتا ہے جس میں حق اللہ غالب ہو۔ ایسی سزا جس میں حق العبد غالب ہو، اسے قصاص کہتے ہیں۔ کسی جرم کی وہ سزا جو قرآن وسنت نے متعین نہ فرمائی ہو بلکہ اسے حاکم وقت یا قاضی کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے اسے تعزیر کہتے ہیں۔ شریعت اسلام میں حدود کی تعداد چھ ہے یعنی ڈاکہ، چوری، زنا، تہمت زنا، شراب خوری اور مرتد کی سزا۔

حدود وقصاص میں فرق

جرائم کی وہ سزا جو قرآن وسنت نے متعین فرما دی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک

* جامعہ حقانیہ (ساہیوال)، سرگودھا

حداورایک قصاص۔ بنیادی طور پر یہ دونوں اگرچہ اس امر میں مشترک ہیں کہ ان میں سزا کی تعیین قرآن کریم اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جاتی ہے لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ حدود (پانچ جرائم کی سزائیں) کو کوئی حاکم وامیر کم یا معاف نہیں کرسکتا، بلکہ یہ توبہ کرلینے سے بھی دنیا میں معاف نہیں ہوتیں، البتہ اگر اخلاص کے ساتھ توبہ کرلے تو آخرت میں معافی ہوجاتی ہے۔

ان پانچ میں سے صرف ڈاکہ کی سزا ایسی ہے کہ اگر ڈاکو گرفتاری سے قبل توبہ کرلے اور معاملات سے اس کی توبہ کا اطمینان ہوجائے تو یہ حد ساقط ہوجائے گی، البتہ گرفتاری کے بعد کی توبہ کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں، خواہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں۔

قصاص کی سزا بھی اگرچہ حدود کی طرح قرآن کریم میں متعین ہے یعنی جان کے بدلے میں جان اور زخموں کے بدلہ میں مساوی زخموں کی سزا لیکن حدود کو چونکہ بحیثیت حق اللہ کے نافذ کیا جاتا ہے اس لیے اگر صاحب حق معاف بھی کرنا چاہے تو معافی نہیں ہے اور حد ساقط نہیں ہوگی مثلاً جس کا مال چوری کیا ہو وہ معاف بھی کردے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہوگی۔

حدود اور تعزیر کا فرق

حدود اللہ ان سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو متعین سزائیں ہیں اور تعزیر غیر متعینہ سزائیں ہوتی ہیں۔ تمام تعزیری جرائم میں صحیح اور جائز سفارش سنی جاسکتی ہے لیکن حدود میں سفارش کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا سننا جائز ہے۔ حدود کی سزائیں چونکہ سخت ہیں اور ان کی شرائط بھی کڑی ہیں اس لیے شبہات سے ساقط ہوجاتی ہیں، چنانچہ مسلّمہ قانون ہے الحدود تندرئ بالشبہات جبکہ تعزیر شبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

تعزیری سزائیں حالات کے تحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں اور سخت سے سخت بھی، اور یہ اختیار بھی ہے کہ انہیں معاف کردیا جائے۔ حدود میں کسی حکومت، امیر وحاکم کو نہ معاف کرنے کا اختیار ہے اور نہ کسی قسم کے ردوبدل اور تغیر کا۔

سرقہ کی اصطلاحی تعریف اور شرائط

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، تو اس کو سرقہ کہتے ہیں۔ اس تعریف کے صادق آنے کے لیے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

اول: یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، اس میں چرانے والے کی نہ ملکیت ہو، نہ ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ایسی چیزیں ہوں جن میں عوام کے حقوق مساوی ہیں جیسے رفاہ عامہ کے ادارے اور ان کی اشیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی اپنی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہو یا ایسی چیز ہو جس میں عوام کے حقوق مساوی ہوں تو حد سرقہ اس پر جاری نہیں کی جائے گی، البتہ حاکم وقت اپنی صواب دید کے مطابق تعزیر کے طور پر مناسب سزا جاری کرسکتا ہے۔

دوم: یہ کہ وہ مال محفوظ ہو یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہو۔ جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھالے تو وہ بھی حد سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا۔ اگر مال کے محفوظ ہونے میں شبہ ہو جائے تب بھی حد سرقہ ساقط ہو جائے گی۔ گناہ اور تعزیری سزا الگ چیز ہے۔

سوم: یہ کہ بلا اجازت ہو۔ جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہو اگر کوئی اس کو لے جائے تو حد سرقہ عائد نہیں ہوگی اور اگر اجازت کا شبہ پیدا ہو جائے، تب بھی حد سرقہ ساقط ہو جائے گی۔

چہارم: یہ کہ چھپا کر لینا، کیونکہ دوسرے کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، لہٰذا اگر خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا شرائط سے واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ میں قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا مطلقاً ہر چوری پر عائد نہیں ہوتی جسے عرف عام میں چوری کہا جاتا ہے، بلکہ سرقہ جس پر سارق کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس کی ایک مخصوص تعریف ہے۔ یعنی کسی کا مال محفوظ جگہ سے سامان حفاظت

توڑ کرنا جائز طور پر خفیہ طریقے سے نکال لیا جائے۔ اس تعریف کی رو سے بہت سی صورتیں جن کو عرفاً چوری کہا جاتا ہے وہ حد سرقہ کی تعریف سے نکل جاتی ہیں۔ مثلاً محفوظ مکان کی شرط سے معلوم ہوا کہ عام پبلک مقامات مثلاً مسجد، عیدگاہ، پارک، کلب، اسٹیشن، ویٹنگ روم، ریل، جہاز وغیرہ میں عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کی کوئی چوری کرے یا درختوں پر لگے ہوئے پھل چرا لے یا شہد کی چوری کرے تو اس پر حد سرقہ جاری نہیں ہوگی بلکہ عام ملکی قوانین کے تحت تعزیری سزا دی جائے گی۔

وہ آدمی جس کو آپ نے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی ہے، خواہ وہ آپ کا نوکر ہو یا مزدور و معمار ہو یا کوئی دوست عزیز ہو، وہ اگر آپ کے مکان سے کوئی چیز لے جائے تو وہ اگرچہ عرفاً چوری میں داخل اور تعزیری سزا کا مستحق ہے مگر ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا اس پر جاری نہ ہوگی، کیونکہ وہ آپ کے گھر میں آپ کی اجازت سے داخل ہوا۔

اگر کسی نے کسی کی جیب کاٹ لی، یا ہاتھ سے زیور یا نقدی چھین لی، یا دھوکا دے کر کچھ وصول کر لیا، یا امانت لے کر مکر گیا، یہ سب چیزیں حرام و ناجائز اور عرفی چوری میں ضرور داخل ہیں مگر چونکہ شرعی سرقہ کی تعریف میں داخل نہیں اس لیے ان پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ ان سب کی سزا تعزیری ہے جو حاکم کی صواب دید پر موقوف ہے۔

اگر کسی نے ایک مشترک مال میں چوری کر لی جس میں اس کا اپنا بھی کچھ حصہ ہے خواہ میراث کا مشترک مال تھا یا شرکت تجارت کا مال تھا تو چونکہ لینے والے کی ملکیت کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل ہے اس لیے ملکیت کے شبہ کی وجہ سے حد شرعی ساقط ہو جائے گی اور تعزیری سزا دی جائے گی۔ (تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع دیوبندی)

سنت کی روشنی میں سرقہ کی وضاحت

آیت قرآنی اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ہر قسم کے چور کے لیے عام ہے، خواہ اس نے ایک روپیہ چوری کیا ہو، یا ایک لاکھ روپے، لیکن سنت نے اس حکم میں تخصیص کی

اور حکم دیا کہ نصاب سے کم مالیت کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کٹے گا۔ گویا سنت نے آیت کے حکم کو صرف اس چور کے ساتھ مخصوص کر دیا جس نے کم از کم نصاب کی مالیت چرائی ہو۔

اسی طرح مذکورہ آیت میں اس بات کی کوئی تفصیل نہیں کہ چور کا ہاتھ کس زمانے میں کاٹا جائے اور کس زمانے میں نہ کاٹا جائے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قحط سالی کے زمانے میں چوروں کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ چنانچہ حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے: **لاقطع في زمن المجاع۔**

قحط سالی کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے (کنز العمال، ص۹۷، ج۳)۔

اس حدیث کی بنا پر حضرت عمرؓ نے زمانۂ قحط میں یہ سزا موقوف فرما دی۔ اسی طرح قرآن کریم کے عام حکم میں ہر چوری داخل ہے، خواہ وہ پھلوں ہی کی کیوں نہ ہو۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لاقطع في ثمر** پھلوں کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (کنز العمال، ص۹۷، ج۳) (عدالتی فیصلے جلد اول از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

حدود میں شہادت کی شرائط

حدود کے نفاذ میں شریعت اسلامیہ نے ضابطۂ شہادت بھی عام معاملات سے ممتاز اور بہت محتاط بنایا ہے۔ زنا کی سزا میں تو دو گواہوں کے بجائے چار گواہوں کو شرط قرار دے دیا اور وہ بھی جبکہ وہ ایسی عینی گواہی دیں جس میں کوئی لفظ مشتبہ نہ رہے۔

چوری وغیرہ کے معاملے میں اگرچہ دو ہی گواہ کافی ہیں مگر ان دو کے لیے عام شرائط شہادت کے علاوہ کچھ مزید شرطیں بھی عائد کی گئی ہیں، مثلاً دوسرے معاملات میں مواقع ضرورت میں قاضی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ کسی فاسق آدمی کے بارے میں اگر قاضی کو اطمینان ہو جائے کہ عملی فاسق ہونے کے باوجود یہ جھوٹ نہیں بولتا تو قاضی اس کی گواہی کو قبول کر سکتا ہے لیکن صرف حدود میں قاضی کو اس کی گواہی قبول کرنے کا اختیار نہیں۔ عام معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے مگر حدود میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔

عام معاملات میں شریعت اسلام نے تمادی (مدت دراز گزر جانے) کو عذر نہیں قرار دیا۔ واقعہ کے کتنے ہی عرصہ کے بعد کوئی گواہی دے تو قبول کی جاسکتی ہے لیکن حدود میں اگر فوری گواہی نہ دی بلکہ ایک مہینہ یا اس سے زائد دیر کرکے گواہی دی تو وہ قابل قبول نہیں۔

حد سرقہ آرڈیننس ۱۹۷۹ء پر ایک نظر

۱۔ آرڈیننس کی دفعہ ۲ (سی) میں حد کی تعریف یوں کی گئی ہے:

(ج) حد سے مراد وہ سزا ہے جو قرآن کریم یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقرر کی گئی ہو۔

اصلاح: حد کی یہ تعریف جامع نہ ہونے کی وجہ سے قابل اصلاح ہے۔ اس تعریف کے اعتبار سے حد خمر (شراب پینے والے کی سزا) حد سے خارج ہو جاتی ہے کیونکہ حد خمر اسّی کوڑے کی سزا قرآن وسنت میں مذکور نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بھی حد میں داخل ہے جو اجماع سے مقرر کی گئی ہے۔ حد کی تعریف میں اجماع کا اضافہ ضروری ہے اور آرڈیننس میں اس سے متعلق عبارت یوں ہونا چاہیے: ''حد سے مراد کسی بھی جرم کی وہ سزا ہے جو قرآن مجید، سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع سے مقرر کی گئی ہو'' پس ''یا سنت رسول کے بعد'' ''یا اجماع سے'' کا جملہ بڑھانا ضروری ہے۔

۲۔ (الف) بالغ سے مراد ایسا شخص جو اٹھارہ سال کی عمر کا ہو چکا ہو یا بلوغت کو پہنچ چکا ہو۔ (دفعہ ۲۔ اے)

اصلاح: بالغ کی تعریف میں مرد کے لیے اٹھارہ اور عورت کے لیے سترہ سال کی عمر کا قول اگرچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے لیکن اس پر فتویٰ نہیں ہے۔ فتویٰ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول پر ہے اور ان کا قول اس بارے میں فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہونے کے لیے لڑکا اور لڑکی کی عمر پندرہ سال ہے۔ چنانچہ تنویر الابصار، الدر المختار اور رد المحتار عبارت ذیل میں اس کی تصریح موجود ہے۔

فتاویٰ شامیہ کی عبارت بالا سے واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کی بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ عمر کے اعتبار سے لڑکے اور لڑکی کا سن بلوغ پندرہ سال متعین ہے۔ آرڈیننس کی مذکورہ شق کے مطابق پندرہ سال کی لڑکی اور سترہ سال کی عمر کا لڑکا اگر چوری کرے تو دیگر شرائط پائی جانے کے باوجود بھی ان پر حد نافذ نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ رعایت ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ کے مفتیٰ بہ مذہب کے خلاف ہے، نیز لڑکی کے بالغہ ہونے سے متعلق حضرت امام اعظم کی روایت سترہ سال کی ہے نہ کہ سولہ سال کی، جیسا کہ ردالمحتار کی عبارت میں مذکور ہے، پس سولہ سال کی روایت حضرت امام صاحب کے مذہب کے مطابق ھی نہیں ہے۔

اگر باب حدود میں احتیاط ہی پر عمل مقصود ہے اور اس کی وجہ سے حضرت امام اعظم کا قول ہی لینا ہے تو پھر لڑکی کے لیے سولہ کے بجائے سترہ سال کی عمر کا قول لینے میں زیادہ احتیاط ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام اعظمؒ کے قول کی تائید اور اس کے مبنی بر احتیاط ہونے پر اعلاء السنن سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ: مفتی بہ روایت کے مطابق اگر چہ ۱۵ اور حضرت امام اعظمؒ کے قول کے مطابق ۱۷ یا ۱۸ سال پر بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس عمر سے قبل لڑکا یا لڑکی بالغ نہیں ہو سکتے۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر بارہ سال کا لڑکا اور نو سال کی لڑکی بالغ ہونے کا دعویٰ کرے اور ظاہری حالات اس دعوے کو نہ جھٹلاتے ہوں تو ان کی تصدیق کی جائے گی اور ان پر بالغ ہونے کا حکم لگا کر بالغوں کے احکام جاری کیے جائیں گے۔

اس آرڈیننس کی شق میں جملہ ''یا بلوغت کو پہنچ چکا ہو'' لکھ کر شاید اسی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ لیکن حدود کا معاملہ چونکہ بہت ہی اہم ہے شریعت نے اس کے نفاذ کے لیے کڑی شرائط عائد کی ہیں اور ادنیٰ شبے سے حدود کو ساقط کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے حد سرقہ میں بھی اس احتیاط کے پیش نظر اگر مراہق کے دعویٰ بلوغ پر حد سرقہ نافذ نہ کی جائے تو زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ قذف کے متعلق کتب فتاویٰ میں صاف لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مراہق پر قذف کی

تہمت لگائے تو قاذف پر حد نہیں لگائی جائے گی، چاہے وہ مراہق سال یا احتلام کے اعتبار سے بالغ ہونے کا دعویٰ بھی کرے۔

معلوم ہوا کہ حد کے معاملے میں مراہق کے دعویٰ بلوغ کا اعتبار کر کے قاذف پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اس کے اپنے حق میں اگر چہ "المرأ یوخذباقرار" کے تحت بلوغ کا دعویٰ معتبر ہونا چاہیے، لیکن حد کے باب میں اگر اسے کوئی شبہ مفید ہوسکتا ہو تو اس کا اعتبار ہونا چاہیے، واللہ اعلم۔

۳۔ اگر دن کا وقت ہو جس سے مراد سورج طلوع ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر سے لے کر سورج غروب ہونے کے دو گھنٹے بعد تک ہے۔ (دفعہ ۵)

چونکہ سرقہ سے متعلق مغرب سے عشا تک کا وقت دن میں شمار ہوگا، اس لیے آرڈیننس میں اسے سورج غروب ہونے کے دو گھنٹے بعد تک " سے تعبیر کیا گیا ہے" ۔ یہ بات اگر چہ صحیح ہے کہ "ما بین العشائین" کا وقت دن میں داخل ہے لیکن یہ وقت موسم کے اختلاف سے کم وبیش ہوتا ہے۔ اس لیے گھنٹوں سے اس کی تعیین صحیح نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات یہ وقت دو گھنٹے سے کم بھی ہوسکتا ہے اگر چہ کسی موسم میں ڈیڑھ گھنٹے سے کم نہیں ہوتا۔ پس آرڈیننس میں دو گھنٹے کی تعیین کے بجائے یہ لکھنا ضروری ہے کہ "دن سے مراد طلوع آفتاب سے لے کر عشا کے وقت شروع ہونے تک ہے"۔

۴۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے اور اگر وہی چور دوسری چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے اور اگر وہی شخص پھر چوری کرے تو اسے تاحیات قید رکھا جائے (دفعہ ۹)۔

اصلاح: اس پر تو اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ اور دوسری چوری پر بایاں پاؤں کاٹا جائے لیکن اس پر ہرگز اتفاق نہیں ہے کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری پر بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا جیسا کہ درایہ، زیلعی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ دیکھنے سے واضح ہے، نیز سفیان ثوریؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زہریؒ، امام نخعیؒ، شعبیؒ اور امام

اوزاعیؒ، حماد اور احمد، نیز صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین میں سے ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ دوسری مرتبہ چوری کے بعد چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اسے توبہ کرنے تک جیل میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسری مرتبہ کے بعد چوری کرنے پر قطع ید نہیں ہوگا بلکہ چور کو جیل میں ڈال دیا جائے گا۔

اس مسئلے کے دلائل کی تفصیل مندرجہ بالا کتب کے علاوہ اعلاء السنن، بدائع الصنائع، فتح القدیر، البحر الرائق، فتاویٰ ھندیہ وغیرہ میں موجود ہے۔

یہ تمام عبارات و روایات صراحتاً اس امر کی تائید کرتی ہیں کہ دوسری مرتبہ کے بعد اگر چور چوری کرے تو اس کا ہاتھ اور پاؤں نہیں کاٹا جائے گا۔ اب رہا یہ کہ بعض روایات میں تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا ذکر پایا جاتا ہے تو اس کے دو جواب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے، دوسرے یہ کہ یہ قطع سیاست پر محمول ہے جیسا کہ شامیہ اور فتح القدیر کی عبارت میں اس کی تصریح ہے۔ اس قسم کی عبارات و روایات کا تفصیلی جواب اعلاء السنن میں بھی موجود ہے۔ (ج ۱۱ ص ۱۴ ۷-۱۸ ۷)

نصاب سرقہ

سرقہ مستوجب حد کی مقدار کے متعلق ۴۵۷. ۴ گرام سونا بوقت سرقہ یا اسی مالیت کی دیگر املاک نصاب قرار دیا گیا ہے (دفعہ ۶)۔

اصلاح: نصاب سرقہ کے بارے میں فقہائے کرام کے مابین خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اس سے متعلق بیس اقوال نقل کیے ہیں۔ جمہور ائمہ کا قول اس بارے میں ربع دینار کا ہے۔ احناف کے نزدیک دس درہم یا ایک دینار کی چوری پر شرعی ثبوت کے بعد قطع ید کی حد نافذ کی جائے گی۔

اعلاء السنن، ج ۱۱۔ کتاب السرقة باب ادنی ما یقطع فیه الید میں بخاری شریف، مصنف ابن ابی شیبہ، نسائی، امام محمد کی کتاب الآثار، مصنف عبدالرزاق، الجوہر

النقی سے جو روایات وآ ثار نقل کیے گئے ہیں اکثر میں دس درہم کی تصریح ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ نے اگر چہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقطع السارق فی ربع دینار فصاعد کی وجہ سے ربع دینار یا تین دراہم کو نصاب سرقہ قرار دیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی یہ روایت مضطرب المتن ہے۔ایک دوسری روایت جس میں لاتقطع فیمادون ثمن المجن کے بعد حضرت عائشہؓ سے اس کی تفسیر ربع دینار کے ساتھ منقول ہے۔اس سے واضح ہے کہ ثمن مجن کی تفسیر وہ حضورعلیہ السلام کے حوالے سے بیان نہیں فرمارہی ہیں۔اس طرح یہ تفسیر مرفوعاً ثابت نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ کا اپنا اندازہ ہے۔ادھر حضرت عبداللہؓ بن عباس،عبداللہؓ بن عمرو،عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت علیؓ اس پر متفق ہیں کہ دس درہم سے کم میں قطع ید نہیں ہوگا اور یہ حضرت عائشہؓ کی روایت کی تفسیر مذکور کے خلاف ہے۔حدود کے معاملے میں چونکہ انتہائی احتیاط ضروری ہے،اس لیے اب دس درہم سے کم میں قطع ید مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے موجب شبہ ہوگیا،اس لیے دس درہم سے کم میں قطع ید کی حد نافذ نہیں ہوگی۔

فائدہ: قیمت کے اعتبار سے اگر دس درہم اور ایک دینار میں تفاوت ہو،تو کیا حکم ہوگا؟ اس بارے میں صاحب ہدایہ کے کلام سے تو ظاہر ہورہا ہے کہ دس درہم کی قیمت کا ہی اعتبار ہوگا۔لیکن اگر دینار کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو قطع نہیں ہوگا۔علامہ ابن ہمام،علامہ علاء الدین حصکفی اور علامہ ابن عابدین شامی نے یہی ذکر فرمایا ہے لیکن اگر ایک دینار کی قیمت دس درہم سے زیادہ ہو جیسا کہ آج کل ہے تو چونکہ حدیث میں دس درہم یا ایک دینار کو علی سبیل التردید ذکر فرمایا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ دس درہم چوری کرے یا ایک دینار،تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ قیمت کے اعتبار سے جو زیادہ ہو اس پر ہی حکم لگایا جائے۔باب حدود میں احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مدار اب ایک دینار کی قیمت پر ہے۔آرڈیننس میں ۴.۴۵۷ گرام سونے کی مقدار کس اعتبار سے لکھی گئی ہے۔اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

اشاریہ

﴿خ﴾

﴿د﴾

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا ایک ذیلی ادارہ ہے۔ اس کا قیام ۱۹۸۵ء میں عمل میں آیا۔ اکیڈمی کے اغراض و مقاصد مختلف النوع ہیں جن میں سے ایک مقصد ارکان عدلیہ اور عدلیہ سے متعلق ملازمت کے دیگر زمروں کو شریعت کے میدان میں تربیت فراہم کرنا ہے۔ اس طرح شریعہ اکیڈمی اپنے قیام سے لے کر اب تک اندرون ملک اور بیرون ملک سے ہزاروں افراد کو تربیت دے چکی ہے۔ شریعت اور قانون سے متعلق امور میں تحقیق کا کام بھی اکیڈمی کے ذمہ ہے۔ اکیڈمی اپنے نتائج تحقیق کتب کی شکل میں افادہ عام کے لیے شائع کرتی ہے۔ فقہی ورثے میں سے منتخب کتب کے تراجم شائع کرنا بھی اکیڈمی کے کاموں میں سے ایک اہم کام ہے۔ شریعت پر معلومات عام کرنے کی غرض سے اکیڈمی مراسلاتی کورس کراتی ہے جس کے لیے اکیڈمی نے اچھا خاصا اشاعتی مواد تیار کر رکھا ہے۔ اس وقت شریعہ اکیڈمی اس طرح کے دو کورس چلا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شریعت اور اس کے دیگر موضوعات پر کانفرنسیں، سیمینار اور ورکشاپس منعقد کرانا بھی اکیڈمی کے ذمے ہے۔ زیر نظر کام اکیڈمی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں پڑھے گئے مقالات کی کتابی شکل ہے۔

شہزاد اقبال شام نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے شریعہ اور قانون میں گریجویشن کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں ایم اے کیا۔ پھر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں ایم فل مکمل کیا۔ آپ شریعہ اکیڈمی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اور گزشتہ بیس سال سے یونیورسٹی میں تدریس و تحقیق کا کام کر رہے ہیں۔ اکیڈمی کا مطالعہ اسلامی قانون (ابتدائی) کا مراسلاتی کورس آپ ہی کا مرتب کیا ہوا ہے۔

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد